شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میاں عابد احمد

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میاں عابد احمد

ادارہ ادب و ثقافت پاکستان

پی۔اے۔ایف۔مارکیٹ لاہور کینٹ

ون : ۳۷۳۲۶۵

تعارف

نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات طیبہ پر بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی اور یہ موضوع بھی کچھ ایسا ہے کہ چاہے لوگ قیامت تک اس پر لکھتے رہیں تب بھی حیات طیبہ کے کسی ایک بھی گوشے کا مکمل طور پر احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

ایک مدت سے آرزو تھی کہ حیات طیبہ کے مختلف واقعات جو سینکڑوں کتابوں، مقالات اور مضامین میں بکھرے ہوئے تھے انہیں یکجا کر کے بصیرت افروز دلائل اور موثر انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرسکوں۔ آج کے جدید دور میں کوئی بھی انسان، کسی بھی مذہب، قوم، ملک یا عقیدے سے تعلق رکھتا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس رُخ کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھے کہ دنیا میں زندگی کے ہر رُوپ میں، ہر شعبہ میں اور ہر گوشے میں بحیثیت ایک قانون ساز، ماہر اقتصادیات، ماہر سیاسیات، معلم اخلاق، جج، انجینئر، ڈاکٹر، تاجر، فلاسفر، استاد، مبلغ، دانشور، جرنیل، بہادر، ہمدرد، عادل، صابر، ایثار و قربانی کا مجسمہ، خدا ترس، عبادت گذار، فیاض، مشفق، نرم دل، فصیح اور رہنما کے ایک مکمل اور ہمہ گیر ذات اقدس صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہے اور دنیا میں تاریخ کے کسی بھی دور میں آپ سے زیادہ عظیم المرتبت ہستی نہ تھی نہ ہے نہ ہو گی۔

آج کے سائنٹفک دور میں جب کہ ہر شے کی ہزار ہا پہلوؤں سے چھان بین کی جاتی ہے اور اسے کمپیوٹرائز کر کے تمام تر ذرائع کے ساتھ تحقیق کے بعد نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، اس امر کی انتہائی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ آپ کی زندگی کے ان مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو بھی سائنٹفک خطوط پر مدلل جامع مگر موزوں اور مختصر طور پر اجاگر کیا جائے، وہ ذات اقدس جن سے متاثر ہو کر ایک قلیل عرصے میں پورا جزیرۂ عرب اسلام کا پرچم لہراتا ہوا دنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا تھا۔ وہ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک اشارے پر دیوانہ وار فدا ہونے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ یہ سارے

واقعات تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں۔ چنانچہ آج کا انسان چاہے جس انداز کے ساتھ، جس پہلو سے، جس پیمانے سے اور جس تحقیق سے حضورؐ کے حیرت انگیز انقلابی واقعات کو جانچ سکے، پرکھ سکے، ناپ تول سکے، یہاں تک کہ خود اس کا دل، دماغ، ضمیر اور روح تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دنیا کا عظیم ترین انسان ماننے پر مجبور ہو جائے اور دنیا یہ جان سکے کہ آج بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر کامیاب زندگی گذارنے کے لیے صرف ایک ہی ذات اقدس مکمل ضابطہ حیات دے رہی ہے۔ آپؐ کی ذات مبارکہ صرف نمونۂ بنی نوع انسان کے لیے خواہ وہ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں، ہر دور میں ہر حال میں ہدایت و رہنمائی کا روشن مینار ہے۔

تمام دنیا میں یہ فخر پیغمبر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور نظریہ کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے اپنی مثال پیش کرتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے زندگی کے ہر روپ میں انسانیت کے سامنے اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ پیش فرمایا۔ چنانچہ ہر پہلو سے پیغمبر اسلام کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے انہی کی طرف دیکھنے اور انہی کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہے۔

تاریخ انسانی نے بہت سے انقلاب دیکھے ہیں لیکن ان کے نتیجے میں انسانی زندگی کے کسی ایک ہی گوشے میں تبدیلی رونما ہوئی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عظیم انقلاب دنیا میں برپا کیا اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رونما ہوئی اور عقائد و نظریات، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدن، معاشرت و معیشت، سیاست و حکومت الغرض انسانی زندگی کا کوئی ایک گوشہ بھی ایسا نہ تھا جو اس انقلاب سے متاثر نہ ہوا ہو۔

کتاب "شانِ محمدؐ" میں دنیا کے عظیم المرتبت انسان اور خدا کے پیامبر کی زندگی کی عملی جدوجہد کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ آپ جو کوئی بھی ہوں اور جس حال میں بھی ہوں یہ آپ کی زندگی کے لیے نمونہ، آپ کے کردار کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، آپ کی زندگی کی تاریک راہوں کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر ذاتِ اقدس کے خزانہ سے ہر وقت اور ہر پل مل سکتا ہے۔

"شان محمدؐ" کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں دنیا کی ہر قوم، مذہب اور عقیدہ سے تعلق

رکھنے والی بین الاقوامی غیر مسلم شخصیات کا نبیؐ پاک کو خراجِ تحسین اور ان کے تاثرات شامل ہیں۔ دوسرے باب میں پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے وہ واقعات جو مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے تھے اور مشکل زبان میں تھے ان کو صحیح متن، مختصر اور سادہ اسلوب، دلنشین انداز اور آسان زبان میں یکجا کر دیا ہے۔ تیسرے باب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے، جو محض تاریخی واقعات کا خشک مجموعہ نہیں بلکہ محسنِ انسانیت کی متحرک اور سرگرم شخصیت کی اس میں جھلک نظر آتی ہے۔

اک طویل مدت کی محنت، کثیر سرمائے، شب و روز کی مسلسل جدوجہد، نئے اور قدیمی تاریخی نسخوں دستاویزات، اسلامی و دیگر تاریخی کُتب، مستند حوالوں اور مختلف ممالک میں سیرت پر لکھی گئیں کتب، مضامین مقالات، احادیث، قرآن حکیم اور تفاسیر کے مطالعے اور تحقیق کے بعد یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ غیر مستند قسم کی کوئی بات کتاب کا حصہ نہ بن سکے اور زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا فرد اسے بہ آسانی پڑھ سکے، سمجھ سکے اور ان پر عمل کر کے نہ صرف اس زندگی کو کامیاب و کامران بنا سکے بلکہ دوسری حقیقی زندگی کے لیے بھی وہ سب کچھ حاصل کر سکے جو ایک کامیاب اور فلاح یافتہ زندگی کے لیے ضروری ہے۔

میاں عابد احمد

شانِ محمدؐ کتاب جو ۵۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور جسے میاں عابد احمد نے ترتیب دیا ہے، کتبِ سیرت میں گراں قدر اضافہ ہے
یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں سیرتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منفرد اور خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے اور عام
فہم زبان میں قلمبند کیا گیا ہے۔ پوری کتاب تاریخِ اسلام، تاریخِ نبوت اور تاریخ افکار و اشاعت و اسلام تک محیط ہے۔ در فاضل
مصنف نے بڑی محنت و کاوش سے اس کتاب کو تیار کیا ہے بلکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے تحقیقی کتابوں میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔
موجودہ نسل کو کتاب "شانِ محمدؐ" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس میں ہر بات مستند ہے اور اس کے حوالہ جات بھی ہیں اور یہ حقیقت
ہے کہ "شانِ محمدؐ" ہر اس مسئلہ کا حل پیش کرتی ہے جس سے آج کا انسان پریشان و ہراساں ہے۔ آپؐ چونکہ سراپا رحمت و نور ہیں۔
اس لیے ان اندھیروں میں آپؐ کی ذاتِ اقدس ہی مہر و ماہ و انجم کی مانند فروزاں ہے۔

کلیم اختر

عزیزی میاں عابد احمد بٹ کی تصنیف "شانِ محمدؐ" کو میں نے پڑھا ہے اور اس سے روح کو سکون اور توانائی حاصل
ہوئی ہے۔ عہدِ حاضر میں سیرتِ رسولؐ کی بے حد اہمیت ہے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں سب سے مقدم چیز اتباعِ رسولِ اکرمؐ
ہے۔ پاکستان کی اساس نظریہ اسلام ہے اور اب ملک میں نفاذِ اسلام کی کوششیں ہو رہی ہیں اس عمل میں جو رہنمائی احکاماتِ
محمدی سے حاصل ہو سکتی ہے وہ کسی اور سے ممکن نہیں ہے۔
میری دعا ہے کہ "شانِ محمدؐ" ہر پڑھے لکھے انسان کی رشد و ہدایت کا موجب بنے۔

میاں امیر الدین
ممتاز راہنما تحریک پاکستان صدر انجمن حمایت اسلام

میاں عابد احمد صاحب نے "شان محمدؐ" مرتب کر کے ایک ایسا اہم دینی کارنامہ انجام دیا ہے جس کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

"شان محمدؐ" بنیادی طور پر سیرتؐ کی کتاب ہے اور اس میں سرورِ کائنات سید المرسلینؐ خاتم النبیینؐ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے تقریباً تمام پہلو اس طرح خوش اسلوبی سے یکجا کر دیے گئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر ہر شخص اپنی دنیا و عقبیٰ کو سنوار سکتا ہے۔

سیرتؐ پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی، لیکن یہ کتاب "شان محمدؐ" اس اعتبار سے ہمیشہ منفرد رہے گی کہ اس میں حضورؐ کی سیرت پاک کے بنیادی پہلوؤں کو یک جا کر دیا گیا ہے اور دین اسلام کے بنیادی اصولوں کی بھی اس طرح وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تمام پہلو پڑھنے والے کے دل میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔

دنیا کے دانش وروں، مفکروں، فلسفیوں، مورخوں، ادیبوں اور شاعروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک کو جو خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا ہے اس کے اقتباسات بھی اس کتاب میں بڑے سلیقے سے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے "شان محمدؐ" ایک اہم کتاب ہے کیونکہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو دین اسلام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ لاہور

جناب میاں عابد احمد کی مرتب کردہ "شانِ محمدؐ" میں نے بنظر غور دیکھی ہے۔ بلاشبہ سیرت کی کتابوں میں یہ ایک شایانِ شان اور قابلِ قدر اضافہ ہے اور مؤلف نے سیرتِ پاک کے واقعات کو جس حسن و خوبی سے ترتیب دیا ہے اس سے ان واقعات کی اثر آفرینی میں دوچند اضافہ ہوگیا ہے۔

ابتدا کے بیالیس صفحات پر عالمی شہرت کے غیر مسلم لیڈروں، دانشوروں اور مصنفین کا خراجِ عقیدت ہے جو انہوں نے رسول اکرمؐ کی شانِ اقدس میں پیش کیا ہے یہ کوئی رسمی یا دنیوی نوعیت کا خراجِ عقیدت نہیں ہے جس کی انہیں ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ صمیمِ قلب سے ان کے گہرے جذباتِ عقیدت کا اظہار ہے جو اس کتاب کا نہایت قیمتی باب ہے۔ مسلمان اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے نبی آخر الزماں کے بارے میں خلقِ خدا کیا رائے رکھتی ہے

دوسرے قیمتی باب میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے مختلف واقعات اور ارشادات کو مختصر اور خوبصورت عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے جو انتہائی پُر تاثیر ہیں اور ان کا مطالعہ کرتے ہوئے شدتِ تاثر سے قاری پر بار بار رقت کی کیفیت طاری ہوتی ہے

تیسرے باب سے سیرت کے زمانی واقعات کا ترتیب سے آغاز ہوتا ہے اور خطبہ حجۃ الوداع تک مسلسل واقعاتِ سیرت پاک کا انتہائی دلگداز پیرائے میں ذکر ہے۔

میاں عابد احمد مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیرت نگاروں کی صف میں ان کے شایانِ شان جگہ مل گئی ہے اور شاید اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ انسان کو اس صف میں کہیں جگہ مل جائے طباعت و کتابت میں [illegible] بلند معیار پیش کیا ہے اور ہر لائبریری میں اس کتاب کی موجودگی بلند پایہ ذوق کی علامت شمار ہوگی۔

سید اسعد گیلانی

ناظم اسلامی اکادمی منصورہ لاہور

میاں عابد احمد صاحب ادارہ ادب و ثقافت پاکستان کے توسط سے پاکستان کی مشہور و معروف شخصیت ہیں انہوں نے یہ کتاب لکھ کر ملک کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ نوجوان نسل کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ سیرت النبیؐ سے کما حقہٗ صحیح واقفیت حاصل کرے۔ مصنف نے دنیا کے معروف و مشہور غیر مسلموں کے تبصرے لکھ کر اس کتاب کو اور بھی مفید بنا دیا ہے۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ سلیس زبان میں لکھی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو سے پڑھنے والوں کو متعارف کراتی ہے۔ میاں عابد احمد صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر شاہ مبین الحق
وائس چانسلر انجینئرنگ یونیورسٹی۔ لاہور

میاں عابد احمد کی مرتب کردہ کتاب مستطاب "شانِ محمدؐ" کا مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ کتاب کا متن کتاب کے نام کا تصدیق نامہ ہے۔ میاں عابد احمد نے بڑے سلیقے سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ یہ کتاب خوش ذوقی اور خلوص کا مظہر ہے۔ حضور نبی اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کا عمل ایک سنہری اصول کا درس ہے۔ اس کتاب میں آپ کے اخلاق کریمانہ کے سینکڑوں انوار افروز جلوے منقوش ہیں۔

پروفیسر محمد منور
ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی پاکستان

میری خواہش ہے کہ ہمارے سکولوں و کالجوں کے طالب علم اس کتاب کا عمیق مطالعہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دین اسلام کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت اور رشد و ہدایت سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ اس کتاب میں پروفیسر مارگولیس کے الفاظ "محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے" کی تائید کرتے ہوئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ "شانِ محمد" صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مصنف نے قارئین کے دل میں ایسی عزت پیدا کر لی ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص الخاص نعمتوں سے نوازے۔ آمین!

ڈاکٹر خواجہ ظہر حسن ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب

میاں عابد احمد اپنی روزمرہ زندگی میں عوامی رابطہ کے درویش منش سچے مسلمان جانے جاتے ہیں۔ میاں صاحب نے اپنے روزمرہ تجربات سے اردگرد کی افرادی زندگی میں اخلاق و اصلاح اعمال کی ضروریات کا مشاہدہ کیا ہے اور شانِ محمد میں اسوۂ رسولؐ کے بہت سے پہلوؤں کا عکس پیش کیا ہے اور اس شکل میں اصلاح حال و احوال کا ایک منفرد نسخہ پیش کیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اصلاح و فلاح اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا خواہشمند ہے اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ اسوہ محمدؐ کی پیروی کرے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔ دعا ہے اللہ کریم میاں صاحب کو اس کاوش کردگی پر اجرِ عظیم عطا فرمائے آمین

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد
سابق وفاقی سیکرٹری سائنس و ٹیکنالوجی حکومت پاکستان

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ جس سیرت کے ماخذات میں اب کوئی اضافہ کسی طرح بھی ممکن نہیں اس پر نئی تحریریں مسلسل اور شائع ہوتی ہیں۔ یہ صورت حال برسوں بلکہ صدیوں سے چلی آرہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس عمل میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ عمل اللہ کی آیات میں شامل ہے اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس عمل کا جواز اس محبت اور عقیدت میں پوشیدہ ہے جو ہر لمحہ ایک نئے انداز سے عیاں ہونے کے لیے بیتاب رہتی ہے ہر شخص کا حضورؐ سے محبت کرنے کا قرینہ اور حضورؐ کا ذکر کرنے کا سلیقہ ذاتی اور جدا گانہ ہوتا ہے۔ ہر آنکھ کو جو جلوہ نظر آتا ہے وہ یکتا ہوتا ہے اور ہر دل کو اس نام سے جو سکون اور سرور ملتا ہے اس کی کیفیت اور اس کا کیف جدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت پر لکھنے والوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ سلسلۂ سیرت میں اہل نظر کے لیے ایک اور صاحبِ دل اپنا ہدیۂ جاں لے کر حاضر ہو رہا ہے۔ شانِ محمد اس سلسلہ میں ایک قابل قدر اور قابل توجہ اضافہ ہے۔ واقعات وہی ہیں جن بنیادوں پر ہمارا ایمان اور ہماری تاریخ استوار ہوئی ہے۔ بس تحریر و ترتیب نئی ہے۔ ایک حسن کا جلوہ ہے اور ایک عشق کی کرامت مصنف اگرچہ نیا ہے مگر اس نے ذوق و شوق کی ایک نئی منزل سر کی ہے

مختار مسعود
پرنسپل پاکستان ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج لاہور

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ جس اسوۂ کامل نے اس وقت عرب کے بے راہرو نوجوان کو اپنی ذہنی سوچ اور طرزِ زندگی وبدلنے پر مجبور کر دیا اسی اسوۂ مبارکہ کو ایک دلکش اور اچھوتے انداز میں آج کے رو بزوال فکری پستی کے حامل معاشرے کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ آج کی نوجوان نسل اپنی فکری اور ذہنی سوچ کے دھارے کو خداوندان مغرب کی طرف لے جانے کی بجائے آقائے نامدار کی غلامی کو اپنا طرۂ امتیاز بنائے برنارڈشا اور برٹن رسل کے نظریات سے مرعوب ہونے کی بجائے سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افکار و نظریات کی ترویج کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں۔

فاضل مصنف جناب میاں عابد احمد صاحب نے وقت کی اہم ضرورت کو بڑے احسن اور دلکش پیرائے میں پورا کیا۔ اور فخر کائنات کے اُسوۂ حسنہ کو بڑے سلیس، اچھوتا اور عام ڈگر سے ہٹ کر بالکل ایک نیا انداز تحریر اختیار کر کے کتاب کو لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے مزید پُرکشش بنا دیا ہے اور عام فہم ہونے کی بناء پر ذہن اسے جلدی سے قبول کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کے اس نذرانۂ عقیدت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ امید ہے کہ اہل علم اور قارئین گرامی اس کتاب کو پڑھ کر اس کی ترویج و اشاعت کی صورت میں فاضل مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

مفتی محمد حسین نعیمی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل۔ ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

میاں عابد احمد کی تصنیف "شانِ محمدؐ" بھی سیرتِ طیبہ کے گلزار کا ایک دلکش اور رُوح پرور پھول ہے اور ایسا حسین ہے کہ دیکھیے تو دیکھتے ہی رہ جایئے۔ "شانِ محمدؐ" کی ایک خوبی یہ ہے کہ سادہ و دلنشیں زبان میں لکھی گئی ہے اور اس سے معمولی پڑھا لکھا انسان بھی مستفیض ہو سکتا ہے اور اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین کر سکتا ہے۔ یہ کتاب ہر کتب خانے اور گھر کی زینت بننے کی سزاوار ہے یہ اثر انگیز بھی ہے اور معلومات افزا بھی؛ اور بار بار پڑھنے کی شے ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ایم۔ اے، ڈی لٹ

سابق وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

شانِ محمد ﷺ

میاں عابد احمد

ادارہ ادب و ثقافت پاکستان
پی۔اے۔ایف۔مارکیٹ لاہو کینٹ
فون : ۳۷۳۲۶۵

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام
دُنیا میں پہلا اور آخری پیغام ہے
جو کالے، گورے، عرب و عجم اور
مشرق و مغرب سب کے لیے عام ہے
جسطرح اللہ تعالیٰ تمام دُنیا کا خدا ہے
اور سارے جہان کا ربّ ہے
الحمدللہ ربّ العلمین
اسیطرح اسکا پیغمبر بھی تمام دنیا کا رسول ہے
اور ساری کائنات کے لیے رحمت ہے
رحمۃ للعلمین
اور اسکا پیغام بھی تمام دُنیا کیلئے عام ہے

یہی "پیغام" ہے
شانِ محمدؐ

میاں عابد احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بین الاقوامی غیر مسلموں کی نظر میں

مثال موجود نہیں

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں، بلکہ دنیائے ارضی کے لیے ابر رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں، جس نے احکامِ خداوندی کو اس عمدہ طریقہ سے انجام دیا ہو۔

(ڈاکٹر ڈی رائٹ)

اولین مرتبے کا مستحق

"قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہان کی مؤثر ترین شخصیات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرِ فہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے وجہ طلب کریں گے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک انسان ایسے تھے جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب کامران اور سرفراز ٹھہرے۔"

ہارٹ میخائل

AUTHOR OF
"THE 100"
(A RANKING OF THE MOST INFLUENTIAL PERSONS IN HISTORY)
HART PUBLISHING CO. NEW YORK 1978 (337)

رہنما

موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اس دنیا کے حکمران (رہنما) بنیں۔

(جارج برنارڈ شا)

نئی زندگی

عرب کو یہی نُور اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ عرب کو اِسی کے ذریعے پہلے پہل زندگی ملی۔ بھیڑوں بکریوں کے چرانے والے لوگ جو ازل سے صحراؤں میں بے کھٹکے، بے روک ٹوک گھومتے پھرتے تھے کہ ایک "ہیرو پیغمبر" اُن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک پیغام کے ساتھ، جس پر وہ ایمان لا سکتے تھے۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جو کسی کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ رکھتے تھے۔ دُنیا بھر کے لیے قابلِ ذکر بن گئے۔

(کارلائل)

انسانی عقل و فہم کے مطابق

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا جو مذہبی نظام قائم فرمایا وہ نہ صرف یہ کہ ان اپنے ساتھیوں کی عقل و فہم کے مطابق تھا اور اس ملک میں پائے جانے والے رسم و رواج اور ان کے ساتھیوں کے جذبات سے ہم آہنگ تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ عام انسانی حالات و نظریات سے بھی ایسی مناسبت و ہم آہنگی رکھتا تھا کہ جس کے نتیجہ میں تمام اِنسانوں کی نصف آبادی نے اسے قبول کیا۔ اور یہ سب کچھ چالیس سال سے بھی کم عرصہ میں ہو گیا۔

(کاؤنٹ ڈی بولین ولیرز)

عظیم انسان

" وحشی جنگجو عربوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے اور ایک زبردست قوم کی صورت میں کھڑا کر دینے کے لیے ایک عظیم انسان کا ظہور ہوا ۔ اندھی تقلید کے کالے پردے پھاڑ کر اس نے تمام قوموں کے دلوں پر واحد خُدا کی حکومت قائم کی ۔ وہ انسانی لعل کون تھا ؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(پنڈت شیونرائن)

کوئی مثال

ہادی عرب کو ایک ساتھ تین چیزوں کے قائم کرنے کا مُبارک موقعہ ملا ، وطنیت، اصلاح اعمال ، مذہب ۔ تاریخی دُنیا میں اس قسم کی دوسری کوئی مثال نہیں دکھائی جا سکتی "

(ریورینڈ بوسوتھ اسمتھ)

شان

حضرت اسماعیل کی نسل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔ آپ کی شان ہی بڑی بات بائبل مقدس میں لکھی ہوئی ہے کہ اس قوم کی بزرگی ہے جس میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوں گے ۔ حضرت اسحٰق کی نسل سے یسوع مسیح پیدا ہوں گے

(ریورینڈ جارج)

دُنیا کا سب سے بڑا انسان کون ؟

دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے۔ جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب ، ایک نئے فلسفے ، ایک نئی شریعت ، ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی ، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل مدت والی سلطنت قائم کردی۔ لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمی اور اَن پڑھ تھے وہ کون ؟ محمد بن عبدُاللہ عرب اور اسلام کا پیغمبر !

(داور مجائص)

عظیم قوم کے بانی

عظیم ــــــ محض اس لیے نہیں کہ وہ ایک روحانی پیشوا تھے ۔ انہوں نے ایک عظیم ملت کو جنم دیا۔ اور ایک عظیم سلطنت قائم فرمائی ، بلکہ ان سب سے بڑھ کر ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ اس کے علاوہ اس لئے بھی عظیم تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی مخلص اور وفادار تھے ، اپنی قوم سے بھی مخلص تھے اور اپنے اللہ سے بھی مخلص اور وفادار تھے ۔

(لیونارڈ)

فرد واحد

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں۔ جنہوں نے قوموں کے اتحاد کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی، اور اُن کو ایک اتحاد وصلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا، اور انکے لیے ترقی و تہذیب کے راستے کھول دیئے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فردِ واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔

کاؤنٹ ٹالسٹائی۔ روسی فلاسفر

عظیم ہستی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جس کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔

(پروفیسر مارگیولیس)

توازن

پیغمبر عرب نے جو تعلیمات دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کی ہیں، وہ روحانی اور مادی ہر دو اقسام کی ریاضتوں کو اپنی اپنی جگہ ٹھکانے سے رکھنے والی اور دونوں کے درمیان بہترین توازن قائم رکھنے والی ہیں۔"

مسٹر فن چی۔ بدھ عالم چینی لیڈر

توحید

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو ہی یہ خوبی ملی ہے کہ اس میں وہ تمام اچھی باتیں موجود ہیں، جو دیگر مذاہب میں نہیں پائی جاتیں۔"

مسٹر ہولڈرسن

تعلیمات

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پھیلایا ہوا مذہب بالکل واضح اور صاف ہے وہ ایک جامع مانع عقیدہ ہے، جو ایک ہی کتاب یعنی قرآن پاک پر مبنی ہے۔ وہ سختی کے ساتھ توحید کا مذہب ہے۔

(ڈاکٹر کلارک)

عملی پیرائے میں

کوئی چیز عیسائیوں کو اس ضلالت اور گمراہی کے خندق سے، جس میں وہ گرے پڑے تھے نہیں نکال سکتی تھی۔ بغیر اس آواز کے، جو سرزمین عرب کے غار حرا سے آئی۔ اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے تھے، اس آواز نے دُنیا میں پیدا کیا اور ایسے عملی پیرائے میں کیا جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ جیسی انسانیت اور مروت مسلمانوں میں ہے، شاذ و نادر ہی کسی اور قوم میں پائی جاتی ہے۔

(پروفیسر مارلین)

دو چھوٹے جملے

تمام مسلمان اپنے مذہب کو ان دو چھوٹے جملوں میں بیان کرتے ہیں، جن کا اختصار اور جن کی جامعیت حیرت انگیز ہے، لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

(ڈاکٹر لیبان)

فطرت انسانی کے مطابق

قرآن ایک عام مذہبی، تمدنی، ملکی، تجارتی، دیوانی، فوجداری وغیرہ کا ضابطہ ہے اور ہر ایک امر پر حاوی ہے۔ مذہبی عبارت سے لے کر جسمانی صحت، جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد، اخلاق، جرائم، دنیوی و دینی سزا و جزا وغیرہ تک کے عام احکام قرآن میں موجود ہیں اس میں اصول بھی ہیں، جن کی بنا پر حکومت کی بنیاد پڑی اور اسی سے ملکی قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ قرآن ایک بے نظیر قانون ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔

جان ڈیون پورٹ
(ہسٹری آف دی ورلڈ)

استقلال، استقامت، عزت نفس

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے، جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔ جو حکم دیتا ہے کہ استقلال، استقامت، عزتِ نفس نہایت لازمی ہیں۔ اس کی خصوصیت شائستگی اور تمدن کی سب سے بڑی بنیاد ہیں۔

(ڈاکٹر ہٹلر)

غارِ حرا سے

کوئی چیز عیسائیانِ رُوم کو گمراہی و تباہی کے خندق سے، جس میں وہ گرے پڑے تھے، نہیں نکال سکتی تھی، سوائے اس آواز کے جو سرزمین عرب کے غار حرا سے آئی۔

(پروفیسر مارس)

تعلیمات

ایک معمولی عقل و سمجھ کا مُسلمان بھی جہاں جاتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ جو دوسروں پر ضرور اثر کرتی ہیں، صُبح، دوپہر اور شام کو اسلام کے حکم کا نعرہ (اذان) بلند ہوتا ہے اور وہ سر جو پہلے پتھروں اور حیوانوں کے آگے جُھکا کرتے تھے۔ اب خُدائے واحد کے آگے جھکتے ہیں۔ اسلام نے بنی نوع انسان کے معیارِ اخلاق کو بے حد بلند کر دیا ہے۔

جوزف تھامسن

اِستقلال

حقیقی اور سچے ارادوں کے بغیر یقیناً کوئی اور چیز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا لگاتار اِستقلال کے ساتھ جس کا آپ سے ظہور ہوا، آگے نہیں بڑھا سکتی۔ اور ایسا استقلال جس میں پہلی وحی کے نزول کے وقت سے لے کر آخر دم تک کبھی آپ کے قدم سچائی کے اظہار سے نہ ڈگمگائے۔

(پروفیسر فری مین)

سب سے زیادہ کامیاب

تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ کامیاب ہیں

(مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

ایک جنگ بھی

پیغمبر اسلام نے ایک جنگ بھی جارحانہ نہیں کی، بلکہ ہر ایک موقعے پر مدافعانہ لڑائی لڑنے پر آپ کو مجبور کیا گیا۔

(سوامی بُرج نرائن سنیاسی)

خون کا ایک قطرہ بھی!

ہر چند کہ بانی اسلام کی ذات والاصفات سراپا رحم و شفقت تھی اور اگر بانی اسلام کے بس میں ہوتا تو سرزمین عرب میں خُون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پاتا۔ غرض جو لڑائیاں ہوئیں، نہایت مجبوری کی حالت میں ہوئیں"۔

(لالہ مہر چند)

سب کے نزدیک

ان سے پہلے کوئی پیغمبر اتنے سخت امتحان سے نہ گزرا تھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ کیوں کہ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوتے ہی انہوں نے اپنے آپ کو سب سے پہلے اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا جو انہیں سب سے زیادہ جانتے تھے اور جو اُن کی بشری کمزوریوں سے بھی سب سے زیادہ واقف ہو سکتے تھے۔ لیکن دوسرے پیغمبروں کا معاملہ برعکس رہا کہ وہ سب جگہ، سب کے نزدیک معزز و محترم ٹھہرے سوائے ان کے جو انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

(گبن)

مستقل مزاجی

ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ وہ آدمی، جس نے اتنی بہت سی اور ہمیشہ قائم رہنے والی اصلاحات کیں، اس کا خدائی مشن اس کے ذہن کی محض اختراع تھی اور کیا وہ جھوٹ کو جانتے بوجھتے نبھاتا رہا؟ نہیں ہرگز نہیں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حقیقت میں سچے مذہبی ادراکات اور روحانی احساسات حاصل تھے جن کے سبب انہوں نے اپنے مشن کو انتہائی مستقل مزاجی، ہمت و استقلال سے آگے بڑھایا اور نہ اس کے جھٹلائے جانے کی پرواہ کی، نہ اس کی راہ میں مصائب و مشکلات کی۔ یہ سچائی یہ حق کی معرفت انہیں ابتدا سے انتہا تک حاصل رہی۔

(ڈیون پورٹ)

سچائی پر

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا شک وشبہ اپنے مقصد کی سچائی پر یقین تھا۔ ان کا مشن نہ تو بے بنیاد تھا اور نہ فریب دہی اور جھوٹ پر مبنی تھا بلکہ اپنے مشن کی تعلیم و تبلیغ کرنے میں نہ کسی لالچ یا دھمکی کا اثر قبول کیا اور نہ زخموں اور تکالیف کی شدتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں وہ سچائی کی تبلیغ مسلسل کرتے رہے۔

(ڈیون پورٹ

دیانت دار

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے پکے اور سچے دیانت دار مُصلح تھے۔

(ڈاکٹر ای اے فریمن)

توحید کی تعلیم

پیغمبرِ اسلام نے توحید کی ایسی تعلیم دی، جس سے ہر قسم کے باطل عقائد کی بنیادیں ہل گئیں

موتی لال ماتھر ایم اے

صرف ایک ان دیکھے خدا سے محبت

پیغمبرِ اسلام نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات اور افکار کو، عقائد و نظریات کو، بلکہ روحوں تک کو بدل ڈالا۔ پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر، جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا، ایک ایسی روحانی اُمّت تشکیل کر دی گئی جس میں ہر زمانے، وطن، قومیت کا ہر فرد موجود تھا، وہ ہمارے سامنے مسلم قومیت کی ایک ناقابلِ فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک ان دیکھے خُدا سے محبت اور ہر معبود باطل سے نفرت

(لا مارٹن)

دس سال

اسلام کے ذریعے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دس سال کے اندر ہی عربوں کو شدید ترین نفرتوں ، انتقامی جذبات ، لاقانونیت ، عورتوں کی ذلت ، سود خوری ، شراب خوری اور انسانی قربانیوں سے نجات دلائی ، پھر اسی مذہب کے ذریعے آسمانوں کی اس بادشاہت کو انہوں نے عملی طور پر اس زمین پر قائم کر دیا جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی ۔

(گبن)

فضیلت

جس طرح دُنیا میں اور بزرگ اپنے جلال اور بزرگی کا ایک مستحکم ستون قائم کر گئے ہیں ۔ اسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں کہ جو ہمیشہ کے لیے ان کی یادگار رہے گا ۔ یعنی یہی اسلام کا پرچم ، جس کے نیچے اس وقت کروڑہا دنیا کے لوگ پناہ گزین ہیں اور انکے نام پر جان دینے کے لیے مستعد کھڑے ہیں ۔ یہ ان کی فضیلت کا بڑا عالی شان نشان ہے ۔"

(برہمو سماج کے لیڈر ۔ شری شردھے پرکاش)

آخری دلیل

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ہی کبھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک موقعہ پر تو ایسی وحی نازل ہوئی جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طرزِ عمل پر نکتہ چینی کی گئی کہ انہوں نے ایک نابینا انسان سے بات کرنے میں منہ کیوں موڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کے بارے میں وحی کو پوری امانت کے ساتھ قوم کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ یہ وہ آخری دلیل ہے جس کی روشنی میں اس بات کی تردید ہوجاتی ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ کا دعویٰ سچا نہ تھا، جیسے کہ بالعموم مسیحی اس عظیم عرب کو الزام دیتے ہیں۔

لیمتقر

بنی نوع انسان کو روشنی دکھلائی

اس کتاب (قرآن مجید) کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم کی اور رومیوں کی سلطنتوں سے بڑی بڑی سلطنتیں فتح کرلیں۔ فتوحات کا جو کام رومیوں سے سینکڑوں برس میں ہوا تھا۔ عربوں نے اسے دسواں حصہ وقت میں انجام پر پہنچا دیا۔ اسی قرآن کی مدد سے شامی اقوام میں صرف عرب ہی باوقار حیثیت سے داخل ہوئے۔ جہاں اہلِ فینیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور قیدیوں کی حالت میں پہنچے تھے۔ ان عربوں نے بنی نوعِ انسان کو روشنی دکھلائی، جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مشرق و مغرب کو فلسفہ، طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انہوں نے حصہ لیا۔

(ڈاکٹر وِکٹر عمانویل ڈبوس)

چودہ سو برس

"کوئی کتاب چودہ سو برس سے ایسی نہیں کہ اس کی عبارت اتنی مدت مدید تک خالص رہی ہو۔"

سر ولیم میور

سچی آزادی

جب ہم اس زمانے پر غور کرتے ہیں۔ جس میں پیغمبر اسلام نے اپنی نبوت اور رسالت کا پرچم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعۂ قوانین تیار کیا گیا ہے جو دنیا کی ملکی، مذہبی اور تمدنی ہدایتوں کے لیے کافی ہے۔ تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جسکی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعۂ قوانین ہے جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

موسیو ادجیل کلوفل

اخلاقی نصیحتیں

مذہب اسلام کا وہ حصہ، جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف نہایت کامل اور انتہائی موثر ہے۔ اس سے ہماری مراد اس کی اخلاقی نصیحتیں ہیں۔"

(انسائیکلوپیڈیا)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم

میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو بغور پڑھا ہے۔ جو انہوں نے خلق خدا کی خدمت اور اصلاح اخلاق کیلئے دی ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم بھی اسلام کی تعلیم کی ہدایتوں پر عمل کرے تو وہ بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں موجودہ زمانہ میں سوسائٹی کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رائج کیا جائے۔

پروفیسر ہوگ۔ جرمن

عرب کا رُخ بدل گیا

عرب کے معاشرتی اور مذہبی حالات مختصر طور پر ایسے ہو گئے تھے ۔ جن میں ، اگر ہمیں والٹیئر کی زبان کے استعمال کی اجازت دی جائے ، عرب کا رُخ بدل گیا ، انقلاب آگیا ، انقلاب بھی کیسا ؟ ایسا انقلاب کہ آج تک کسی سرزمین پر نہیں آیا ، مکمل ترین ، اچانک ترین اور سرتاسر غیر معمولی انقلاب

باسورتھ اسمتھ

تاریخ گواہ ہے

پیغمبرِ اسلام کی زندگی زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتی ہے اور دُنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ لوگ جو حضورؐ پر حملہ کرنے کے عادی ہیں ، دوہری جہالت میں مُبتلا ہیں ، حضورؐ کی زندگی سادگی، شجاعت اور شرافت کی تصویر تھی ۔

مسز اینی بسنٹ

عظیم معمار

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت عظیم المرتبت انسان تھے ۔ اور ایک مفکر و معمار تھے انہوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے مقابلہ کی فکر نہیں کی اور جو تعمیر کی وہ صرف اپنے ہی زمانے کے لیے نہیں کی بلکہ رہتی دُنیا تک کے مسائل کو سوچا اور جو تعمیر کی ۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کی ۔

(میجر آرتھر گلن لیونارڈ)

سچے رسولؐ

"جہالت ! جس کا مظاہرہ اکثر و بیشتر مسیحیوں کی طرف سے، مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں ہوتا رہتا ہے افسوسناک امر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت کی اقوام میں ایک خدا پر یقین رکھتے تھے اور دوسرے خداؤں کی نفی کرتے تھے۔ انہوں نے دیانتداری اور دین داری اور پرہیزگاری کو کردار کا سرچشمہ قرار دیا۔ ہر معاملے میں عدل و توازن اور ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین ان کے دین کا حصہ تھی، لہذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رُوحانی قوت کے مالک اور سچے رسول تھے، مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے اور سرچشمۂ روحانیت سے ان پر وحی اترتی تھی۔

(لنڈے)

مُدبّر

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک جج دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی مدبر تھے۔ انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا وہ نہایت شاندار تھا"

روسو (بانی انقلاب فرانس)

ہر چیز دن کی روشنی میں جگمگا رہی تھی

یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی روشنی میں ہم حیات مسیح کے کچھ واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان تیس سالوں سے کون پردہ اُٹھا سکتا ہے جو انہوں نے نبوت سے پہلے گزارے۔ ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں اور اس سلسلہ میں بھلا کیا جانتے ہیں کہ مسند نبوت پر وہ بتدریج فائز ہوئے یا وحی پاکر یکدم خدائی مشن کے حامل بن گئے۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں صورت بالکل مختلف ہے یہاں ہمارے پاس اندھیروں کی بجائے تاریخ کی روشنی ہے۔ یہاں ہر چیز دن کی روشنی میں جگمگا رہی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعلق ہم ہر چیز جانتے ہیں۔ ان کی ظاہری اور ان کی پوشیدہ، ان کا بچپن، ان کی جوانی، ان کی اٹھان، ان کے تعلقات، ان کی عادتیں، ابتدائی حالات اور پہلی وحی نازل ہونے تک کا لمحہ، ذہنی سفر اور ارتقاء وغیرہ کے علاوہ بھی اُن کی ظاہری اور پوشیدہ زندگی کے متعلق بھی، اور یہ کہ جب اعلان نبوت کر چکے تو پھر ہم ایک ایسی مکمل کتاب پاتے ہیں جو اپنی ابتدا اپنی حفاظت اور متن وغیرہ کے کئی پہلوؤں کے لحاظ سے بالکل ممتاز و منفرد ہے۔ اور اب تک ایسی کوئی معقول و مستند وجہ سامنے نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس کتاب کے خلاف کوئی شدید اعتراض کیا جا سکے۔"

(باسورتھ اسمتھ)

عالمگیر اُخوّت

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس مُعاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں۔ جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرہ ارض پر پھیلنا تھا۔ اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو رائج نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مُساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اُخوّت تھی۔"

(بلبل ہند سروجنی نائیڈو)

تکمیل

اگر سچے رسُول میں ان علامتوں کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ ایثارِ نفس اور اخلاصِ نیّت کی جیتی جاگتی تصویر ہو اور اپنے نصبُ العین میں یہاں تک محو ہو کہ طرح طرح کی سختیاں جھیلے اور مصیبتیں برداشت کرے لیکن اپنے مقصد کی تکمیل سے باز نہ آئے، لوگوں کی غلطیوں کو فوراً معلوم کرے اور اُنکی اصلاح کے لیے اعلیٰ درجہ کی دانش مندانہ تدابیر سوچے اور ان تدابیر کو قوت سے عمل میں لائے تو میں نہایت عاجزی سے اس بات کے اقرار کرنے پر مجبُور ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خُدا کے سچے نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔

ڈاکٹر جے ڈبلیو لیٹنر

یکساں عزت

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق وہی تھا جو ایک شریف عرب کا ہو سکتا ہے۔ آپؐ امیر و غریب کی یکساں عزت کرتے تھے اور اپنے گرد و پیش لوگوں کی خدمت کا بہت خیال رکھتے تھے۔

(مارکس ڈاڈ)

اُف تک نہ کہا

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جتنا ستایا گیا۔ اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا۔ ایسی حالت میں کیوں نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بندوں کے ساتھ شفقت و مروت اور رحم دلی کی داد دوں، جنھوں نے خود تو ظلم و ستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھا لیے، مگر اپنے ستانے والے اور دُکھ دینے والوں کو اُف تک نہ کہا، بلکہ ان کے حق میں دُعائیں مانگیں اور طاقت و اقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ بانیان مذاہب میں سے زیادہ ناانصافی اور ظلم کسی پر کیا گیا ہے تو بانیٔ اسلام پر اور کوشش کی گئی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو ایک خونخوار اور بے رحم انسان دکھلایا جاتے اور خواہ مخواہ دوسروں کو ان سے نفرت دلائی جائے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی پر تنقید کرنیوالوں نے اسلامی تاریخ اور بانی اسلام کی سیرت کا صحیح طور پر مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی، بلکہ سنی سنائی اور بے بنیاد باتوں کو سرمایہ بنا کر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ اگر وہ اسلامی روایات کو سمجھ لیتے اور سچائی کے اظہار کے لیے اپنے اندر کوئی جرأت و ہمت پاتے، تو وہ یقیناً اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے"

(بی ایس رندھاوا)

محبت کرتے ہیں

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور بنی نوع انسان پر خدا کی ایک رحمت تھا۔ لوگ کتنا ہی انکار کریں، مگر آپ کی اصلاحات عظیمہ سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ ہم بدھی لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

پیشوائے اعظم بدھ مذہب مانگ تونگ صاحب

ایک آدمی

اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج! ان تین باتوں کو انسانی غور و فکر کا معیار بلند مانا جائے تو کون ہے، جو تاریخ کی کسی قدیم یا جدید شخصیت کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے، لوگوں کو شہرت ہوئی کہ انہوں نے فوجیں بنا ڈالیں، قوانین وضع کیے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں لیکن غور طلب یہ ہے کہ انہوں نے حاصل کیا کیا؟ صرف مادی قوتوں کی جمع پونجی؟ وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے لٹ گئی۔ بس صرف یہی ایک آدمی ایسا ہے جس نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا، قوانین وضع کیے اور مملکتیں، سلطنتیں قائم کیں، بلکہ اس کی نگاہ بلند نے لاکھوں افراد ایسے پیدا کر دیئے۔ جو اس وقت کی دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل ہے۔

(لا مارٹن۔)

اگر کوئی کتاب کام آئے گی

"پت ان پوجا دن منجم جب دِن کا ہے جینود ہود ہو تاک چڑھا و دن
سوچ نہ ہوئے کل پران کتب قرآن پوتھی پنڈے رہے پر آن"

یعنی پوجا پاٹ کام نہیں دے سکتی، چھوت چھات بیکار ہے، جنیوا اشنان، ماتھے پر تلک لگانا کچھ کام نہ آئے گا، اگر کوئی کتاب کام آئے گی، تو وہ قرآن ہے۔ جس کے پوتھی پران کچھ بھی نہیں۔

(گرونانک صاحب)

امن کا پیغام

ہم نے تلوار کا چرچا بہت سنا ہے اور مثال کے طور پر جہاد کا مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی بقاء و ترقی کا انحصار تلوار پر ہے۔ ایسا کہنا خود اسلام کی تردید کرتا ہے۔ اس غلط اور شر انگیز عقیدے کے حامیوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے واقعات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور صداقت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسلام میں تلوار کی جو جگہ ہے وہ کسی مذہب میں بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام میں تلوار کا استعمال جائز ہے مگر صرف دہیں تک، جہاں تک صداقت اور سچائی کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ اسلام میں امن و آشتی اور صلح و راستی کی جگہ تلوار سے کہیں بالاتر ہے۔ اسلام تلوار کا نہیں امن کا پیغام ہے۔

لالہ رام ورما۔ ایڈیٹر۔ اخبار تیج دہلی

ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا

فتح مکہ کے اس موقع پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہلِ مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انہیں جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور ان کے انتقام کی آگ کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر انہوں نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خُون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کے سامنے انتہائی بندگی و اطاعت کا مظاہرہ کیا اور شکرانہ بجالائے۔ صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے۔ جنہیں پہلے ہی ان کے وحشیانہ رویے کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور ان میں سے بھی صرف چار کو قتل کیا گیا۔ لیکن دوسرے فاتحوں کے وحشیانہ طرزِ عمل کے مقابلہ میں، اسے بہر حال انتہا درجہ کی شرافت و انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ مثلاً صلیبیوں کے مظالم ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقعہ پر انہوں نے ستر ہزار سے زائد مُسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا یا وہ انگریز فوج جس نے صلیب کے زیرِ سایہ لڑتے ہوئے ۱۸۷۴ء میں افریقہ کے سنہری ساحل پر ایک شہر کو نذرِ آتش کر ڈالا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح درحقیقت دین کی فتح تھی۔ سیاست کی فتح تھی۔ انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظامِ سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور جب قریش کے مغرور و متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "تمھیں مجھ سے کیا توقع ہے؟"

"رحم۔ اے سخی و فیاض بھائی! رحم" وہ بولے۔

ارشاد ہوا "جاؤ آج تم سب آزاد ہو!"

(آرتھر گلمین)

فیاضی

حضرت محمدؐ اپنی ازواج کیساتھ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے معمولی مکانوں میں رہتے تھے .... وہ آگ خود جلا لیتے، فرش کی جھاڑو دے لیتے، تھوڑا بہت کھانا جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، اس میں وہ لوگ ہمیشہ شریک ہوتے جو وہاں موجود ہوتے، ان کے گھر کے باہر ایک چھپر (صفہ) تھا جہاں ایسے متعدد غریب افراد موجود رہتے جن کی گزر بسر کا تمام تر انحصار انہی کی فیاضی پر منحصر تھا۔

(لین پول)

شادیاں

عالم شباب میں آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ تازہ شادی کے بعد کئی کئی روز تک گھر سے غیر حاضر رہ کر تزکیہ نفس اور ریاضت کشی میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے سوا جتنی خواتین آپ کے عقد میں آئیں، سب کی سب بیوہ تھیں۔ ان حالات پر فرداً غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شادیاں نکاح کی خاطر نہ تھیں بلکہ کسی اخلاقی ذمہ داری کی ادائیگی کی خاطر تھیں۔

(حکم چند کمار)

بندے اور خُدا کے تعلقات

مجھ کو کسی وقت یہ خیال بھی نہ ہوا کہ اسلام کی ترقی تلوار کی مرہون منت ہے بلکہ اسلام کی کامیابی رسُول اللہ کی سادہ، بے لوث، ایفائے وعدہ، اپنے اصحاب و پیروؤں کی غیر معمولی حمایت، خُدا پر پکا یقین اور ذاتی جرأت و استقلال سے وابستہ ہے۔ نبی کا کام کبھی آسان نہیں ہوتا۔ اچھے اور دور رس طریقوں کو وضع کرنا نسبتاً آسان ہے۔ لیکن ان پر عمل کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے اور پھر جب کہ یہ عظیم الشان کام اپنے ہی خاندان اور قبیلے سے شروع کرے، جس کے لوگ اس کی زندگی کی کمزوریوں سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کام شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے اس امر میں رہنمائی کی جو انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم ہے، یعنی بندے اور خُدا کے تعلقات۔

(ڈاکٹر ایڈ برنگھم)

سادہ طرز و انداز

یہ بات انکی زندگی کے ہر واقعہ سے ثابت ہے کہ انکی زندگی اغراض و مفاد پرستی سے پورے طور پر خالی تھی، اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اپنی نگاہوں کے سامنے دین کے مکمل قیام و استحکام اور لامحدود اختیارات حاصل ہو جانے کے بعد بھی انہوں اپنی ذات اور انا کی تسکین کا کوئی سامان بہم نہیں پہنچایا بلکہ آخر وقت تک اسی سادہ طرز و انداز کو برقرار رکھا جو پہلے دن سے انکے رہن سہن سے نمایاں تھا۔

(ڈیون پورٹ)

اعتراف کرتے ہی بنتی ہے

غیر مسلم مصنفوں کا بُرا ہو، جنھوں نے قسم کھالی ہے کہ قلم ہاتھ میں لیتے وقت عقل کو چھٹی دے دیا کریں گے اور آنکھوں پر تعصب کے پتھر رکھ کر ہر واقعہ کو اپنی ناسمجھی اور تعصب کے رنگ میں رنگ کر دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں اور ان کے گستاخ اور کج رقم قلموں کو اعتراف کرتے ہی بنتی ہے کہ واقعی اس نفس کش پیغمبر نے جس شان استغنا سے دولت، عزت، شہرت اور حُسن کی طلسمی طاقتوں کو اپنے اصول پر قربان کیا۔ وہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔

(سوامی لکشمن رائے)

بُرے رواج کو مٹانے کے لیے

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کثرت ازدواج کے متعلق بہتان باندھا گیا ہے۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ بے شک آپؐ نے کتی بیویاں کی تھیں مگر زمانے کے برے رواج کو مٹانے کے لیے اور لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے، وہ بھی بیوہ، کنواری، غلام اور لاوارث عورتوں کو اپنے نکاح میں لائیں اور آپؐ کے نمونہ کی پیروی کریں۔ آپؐ نے اپنی نفسانی خواہش کے لیے نکاح نہیں کیے۔ آپ میں نفسانی خواہش کی کوئی بھی دلیل یا علامت نہیں پائی جاتی۔

(بی ایس کشالیہ، ڈی، ای لندن)

سیدھا سادا اور مضبوط دین!

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسُول تھے نہ کہ صُوفی ۔ وہ جو ان کے گرد جمع ہوئے اور جو ملت اسلامیہ کے اوّلین ارکان تھے ۔ وہ قانون کی اطاعت پر، توحید الہٰی پر راضی تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور ان کے اسوہ کی پیروی پر اکتفا کرنے والے تھے ۔ وہ مطمئن تھے کہ وہ ایک سیدھے سادے اور مضبوط دین کے پیرو ہیں جو مختصر عبادات اور چند رسومات پر مشتمل تھا ۔

(گارڈ فرے ڈی مبائنز)

حسین امتزاج

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں صفات وکمالات کا جو حسین امتزاج موجُود تھا اسکی تین سمتیں تھیں ۔ ایک نبوت کا فیضان ...... دوسرے سیاست وحکمرانی میں ان کی بصیرت ...... اور تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے ان کی مہارت و دانائی اور تمام عہدوں پر موزوں اور قابل ترین افراد کا انتخاب ۔ جب کوئی اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس حد تک نظر ڈالتا ہے وہ اسی حد تک ان کی کامیابیوں پر حیران رہ جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ان کے پیچھے ایک خدا پر انہیں پکا اعتقاد نہ ہوتا اور اگر وہ اس یقین محکم سے مستفید نہ ہوتے کہ وہ خُدا کے بھیجے ہوئے ہیں تو شاید تاریخ انسانیت کا ایک اہم اور قابلِ ذکر باب تحریر ہو جانے سے رہ جاتا ۔

(واٹ)

عمل بھی

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اخلاق عالیہ کی تلقین ہی نہیں کی، بلکہ ان اصولوں پر عمل بھی فرمایا۔ ان کی زندگی ایثار و قربانی کی زندگی تھی۔

(ڈاکٹر جے کارام برہما)

انسانی عظمت کا کوئی پیمانہ

آئین و قانون ساز، سپہ سالار، فاتح اصول و نظریات، بیسیوں علاقائی سلطنتوں کے معمار دینی و روحانی حکومت کے بانی، یہ ہیں محمد رسول اللہ ـــــ اور انسانی عظمت کے ہر پیمانے کو سامنے رکھ کر ہم پوچھ سکتے ہیں، ہے کوئی جو اُن سے زیادہ بڑا، ان سے بڑھ کر عظیم ہو؟"

(لامارٹن)

دردمندی

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جانوروں پر بھی ظلم وستم توڑنے کو بہت بُرا کہا ہے۔

(ایس مارگولیوتھ)

قرآن مجید

"قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لیے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صداقتیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں، شہر اور سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے۔"

(ڈاکٹر سموئیل جانسن)

"قرآن کا مذہب امن و سلامتی کا مذہب ہے۔"

پادری دال رمیس ڈیڈی

"قرآن وہ کتاب ہے، جس میں مسئلہ توحید کو ایسی پاکیزگی اور نفاست اور جلال و عظمت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں۔"

(پروفیسر ایڈورڈ مونٹے)

"قرآن کی فصاحت و بلاغت روز نئے نئے مسلمان پیدا کر لیتی ہے۔"

ڈاکٹر لیبان (تمدن عرب)

قرآن مجید

وقت دور نہیں، جب کہ قرآن اپنی مسلمہ صداقتوں اور رُوحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کرے گا، وہ دِن دور نہیں جب کہ اِسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہو گا۔"

رابندر ناتھ ٹیگور

قرآن میں یہ عجیب خوبی ہے کہ وہ غریبوں کا غمخوار ہے۔"

(ڈاکٹر گاڈفری ہگنس)

"مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ بھر تامل نہیں"

گاندھی جی

قرآن ایک فصیح و بلیغ عجیب و غریب کتاب ہے جو سرچشمہ علوم اخلاق ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیدھی سادی زندگی اور حُسنِ سلوک نے اشاعتِ اسلام میں بڑا کام کیا۔"

ڈاکٹر ہاروذ : یہودی عالم

قرآن مجید

قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے ، پھر حیران کرتی ہے۔ اور آخر کار وجد کی سی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب تمام زبانوں میں اثر کرتی رہے گی۔

گوئٹے جرمن فلاسفر

قرآن کے احکام عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے ، تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے کفیل ہو سکتے ہیں۔

(برٹش انسائیکلوپیڈیا)

قرآن میں عقائد و اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ ہے۔

ڈاکٹر لڈ ولف کرہیل

پیغمبر اسلام کے مبعوث ہوتے ہی

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل عربوں کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں ناکارہ ہو چکی تھیں، وہ شاعری اور مذہبی مباحث میں مبتلا تھے۔ مگر پیغمبر اسلام کے مبعوث ہوتے ہی ان کی قومی اور نسلی کامیابیوں نے ان میں وہ ولولہ پیدا کر دیا کہ تھوڑے ہی دنوں کے اندر ان کے ذہن اور دماغ میں وہ روشنی اور چمک دمک پیدا ہو گئی کہ یونانیوں کے بہترین دور کے لگ بھگ پہنچ گئی۔ یعنی انہوں نے ایک نئے زاویے اور قوت تازہ کے ساتھ علم کے اس ذخیرہ کو باقاعدہ نشو و نما دینی شروع کی، جس کا کام یونانیوں نے شروع کیا تھا اور شروع کر کے چھوڑ دیا تھا۔ ان عربوں نے ہی انسانوں کے اندر سائنس کی

تحقیقات کی تحریک کو نئے سرے سے زندہ کیا۔

موجُودہ دنیا کو علم و اقدار کی جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں، وہ عربوں کے ذریعے ملی ہیں جو تاریخ تمام اعلیٰ لٹریچر اور ٹھوس فلسفے کی جڑ بنیاد ہے اور یہی مضمون تھا جس میں اوّلین عرب مصنفین نے امتیاز حاصل کیا۔

" اسلام میں فلسفیانہ علوم کا عظیم الشان انبار لگ گیا تھا۔ ان کے علاوہ کوفہ، بغداد، قاہرہ، قرطبہ میں عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم تھیں۔ ان یونیورسٹیوں نے تمام دنیا میں اجالا کر دیا۔ اسلامی فلسفہ کا رنگ و روغن جامعہ قرطبہ ہی کے ذریعے سے پیرس اور آکسفورڈ اور شمالی اطالیہ کی یونیورسٹیوں پر چڑھا۔"

بارہویں صدی تک علم الحساب میں صفر کا پتہ تک نہ تھا۔ مگر اس زمانہ میں ایک عرب ماہر علم ریاضیات محمد ابن موسیٰ نے صفر ایجاد کیا۔ اس نے سب سے پہلے اعشاریہ استعمال کیا اور مفرد اعداد کی قیمت کا تعین ان کی حیثیت کے مطابق کیا۔ الجبرا انہی کی پیدا کی ہوئی چیز ہے ستاروں کے علم کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ علم نجوم کے متعلق بہت سے آلات بناتے۔ جو آج تک استعمال ہوتے ہیں۔ فنِ ادویہ میں وہ یونانیوں سے بہت بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے جو کتاب الادویہ مرتب کی تھی وہ آج تک جوں کی توں موجُود ہے۔ ان کے علاج کے بہت سے طریقے ایسے تھے۔ جن پر آج تک عمل درآمد ہو رہا ہے ان کے جراح بے حس کرنے والی دواؤں کا استعمال جانتے تھے اور دنیا میں مشکل سے جو جراحی عمل ہوتے ہیں ان میں ان کے آپریشن بھی شامل ہیں۔ اسی طرح کیمیا میں انہوں نے نہایت عمدہ ابتدا کی اور بہت سے نئے اوزار اور نئے مرکبات مثل الکحل وغیرہ دریافت کئے۔ فن تعمیر میں بھی وہ دُنیا سے بازی لے گئے اور ہر قسم کی دھات سے کام لیتے تھے اس طرح پارچہ بافی میں کوئی ان سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہ رنگ آمیزی کے فن سے بھی واقف تھے اور کاغذ کی صنعت بھی انہی کی کوششوں کا پھل ہے۔"

مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز۔ مورخ انگلستان

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کائنات نے دیکھا

کھانا نصیب نہیں ہوا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر تشریف لے گئے وہ اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپؐ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی روز سے اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

زندگی

ان کی روزمرہ کی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی سی تھی اور انہی کے ساتھ ان کو خاص طور پر محبت اور یک جہتی کا احساس تھا۔ ہر قسم کا ہاتھ کا کام خود کر لیتے تھے۔ اس میں کسی طرح کی عار نہ تھی، گھر کی صفائی کرتے، مویشیوں کو چارہ ڈالتے۔ بازار سے سامان خریدتے۔ پھٹے کپڑوں کو پیوند لگاتے، ٹوٹے جوتوں کو گانٹھتے، نوکروں کے ساتھ بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھاتے۔ اور اگر بعض دفعہ کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور بھوکے ہی سو جاتے۔ کبھی کئی کئی ہفتے چولہے میں آگ نہ جلتی اور پانی اور کھجوروں پر گزارہ ہوتا۔

دُنیا کا واحد معجزہ

لفظ "محمد" کے معنی مجموعۂ خوبی" اور "مخلوق کامل" کے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے، یعنی "محمد" کے معنی "جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو" تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے، محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے حوالے سے اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دُنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو ختم کرنے کی ضرورت ان کے نزدیک جتنی ہی بڑھتی جاتی ہے بادِلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبانِ اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شک پیغمبر عرب کے قانونِ دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالمِ انسان کے لیے اِک بہترین نمونہ ہے اہلِ ایشیا اور یورپ کے بعض علاقوں کا رجحان طبعی جتنا رُوحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبرِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جارہا ہے یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مُبارک چودہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دُنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی، خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں جس قدر بھی ترقی کرتی چلی جائے یا اپنے ماضی کو دہرائے دونوں حالتوں میں اسے کمالاتِ نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا۔ اس حیثیت سے نام مُبارک کا ترجمہ خوبیوں اور اچھائیوں کا سلسلہ ہوگا۔

چیلنج

آج بھی اسی طرح گونج رہا ہے

حضرت محمدؐ کی زندگی ضبطِ نفس پاکیزگی اور صداقت کا نمونہ تھی، بچپن میں ہی لوگ آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ آپ کو "الامین" پکارا کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنی ضروریات کو اپنے خاندان کی ضروریات پر کبھی بھی مقدم نہ جانا۔ آپ کا خاندان تمام عرب بھر میں موقر اور معزز تھا۔ جب بھی قریش آپؐ پر اعتراض کرتے اور مخالفت کرتے تھے تو آپؐ انہیں برملا کہا کرتے تھے۔

"اے قریش! میری زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے بسر ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی کیا تم نے اس عرصہ میں مجھ میں کوئی بھی برائی دیکھی ہے؟"

یہ چیلنج آج بھی اسی طرح مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے اور حضورؐ کے بدترین دشمن کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ آپؐ کی زندگی کے کسی ایک واقعہ پر بھی حرف گیری کر سکے۔

سادگی کا یہ عالم

کھانے میں آنجناب کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھلنی نہیں تھی اس لئے اس کی بھوسی پھونک مار کر ہٹادی جاتی تھی۔

چنانچہ عمر بھر آپؐ نے نہ کبھی چھنے ہوئے باریک آٹے کی روٹی تناول فرمائی اور نہ ہی کبھی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ جو کچھ موجود ہوتا تھا وہی تناول فرما لیتے تھے اور بھوک نہیں ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے۔

نصف کھجور

آپ اپنے اہل وعیال سے زیادہ اپنی امت کی آسائش وسہولت کا خیال رکھتے تھے چنانچہ لگان و خراج سے جو مال و دولت اور اشیا آپکو موصول ہوتیں آپ فوری طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لئے کچھ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین روز تک گھر میں آگ نہ جلتی اور آلِ نبی ایک یا نصف کھجور کھا کر روزہ افطار کر لیتے۔

کھائیے اور کھائیے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جب کوئی مہمان ہوتا تو آپ بار بار اس سے فرماتے جاتے، کھائیے اور کھائیے، جب مہمان خوب سیر ہوتا اور بے حد انکار کرتا تب آپ اپنے اصرار سے باز آجاتے۔

سادہ زندگی

آپؐ نے زندگی بہت سادہ بسر کی اور وفات سے پہلے فرمایا :
" کہ میرے ورثاء کو میرے ترکہ میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ملے گا "۔
حقیقت میں آپؐ کے پاس دنیوی ساز و سامان میں سے کچھ تھا ہی نہیں جو کسی کو دیا جاتا ۔ حالت تو یہ تھی کہ آپؐ کی زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس تیس درہم کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی اور آپؐ کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ اسے چھڑا لیتے ۔
آپؐ نے ترکہ میں صرف اپنے ہتھیار، ایک خچر اور تھوڑی سی مملوکہ زمین کے سوا کوئی چیز نہیں چھوڑی اور ان اشیاء کی بابت بھی ارشاد فرمایا کہ یہ خیرات کر دی جائیں ۔

ٹاٹ کا ٹکڑا

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں گھر میں ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا ، جسے ہم دُھرا کر دیا کرتے تھے ۔ آنجنابؐ اسی پر آرام فرمایا کرتے تھے ۔ ایک رات میں نے خیال کیا کہ اگر اس کی چار تہیں کر دیں تو غالباً آپ کو زیادہ آرام ملے گا ۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا ۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ نے پوچھا ۔
" رات کو تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا " ؟
میں نے کہا ۔
" وہی آپ کا ٹاٹ تھا ، مگر اس کی چار تہیں کر دی تھیں تاکہ آپ بہتر طریقے سے آرام کر سکیں "
آپؐ نے فرمایا کہ نہیں اسے تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی کر دو ۔ اس نے مجھے نمازِ شب سے باز رکھا ۔

خُدا کا شُکر گذار

آپؐ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پاؤں مُبارک پر ورم آجاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسُولؐ اللہ! آپ کی مغفرت تو خُدا کر چکا ہے۔ اب آپؐ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں، ارشاد ہوا:۔

"کیا میں خُدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں"

رونا آتا ہے

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے دُودھ شریک بھائی مسروق ان کے پاس آئے حضرت عائشہؓ نے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں کہ "جب سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو مجھے رونا آتا ہے" انہوں نے پوچھا کہ کیوں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ "مجھے آپؐ کا زمانہ یاد آجاتا ہے کہ جب تک آپؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے خُدا گواہ ہے کہ کبھی ایک دِن میں دو بار سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی اور بعض دفعہ گھر میں پورا مہینہ آگ نہیں جلتی تھی اور ہم صرف کھجُوروں اور پانی پر گذارا کرتے تھے۔

یہ دعا کرتے

ایک مرتبہ آپ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا اور اس پالان پر ایک کملی تھی جو چار درہم بہت ہی معمولی قیمت کی بھی نہ تھی۔ اس پر بھی یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اس کو ایسا حج (مبرور) بنا جس میں نمائش اور قصدِ شہرت نہ ہو۔

تیس دن رات

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار مجھ پر تیس دن رات اس حالت میں گذرے کہ میرے پاس کوئی کھانے کی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اتنی قلیل مقدار کے جو بلال بغل میں دبائے رہتے تھے۔

آپ کے پاس کبھی صبح یا شام کا کھانا جمع نہیں ہوا کہ کھانے سے کھانے والے بھی زیادہ ہوئے۔

مستقل مزاج اور قوی القلب

حضرت علی کا بیان ہے کہ "جب لڑائی شدّت کی ہوتی تھی اور جوش و محنت سے آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں تو ہم آنحضرت کی آڑ لیتے تھے اور ہم میں سے کوئی آدمی دشمن سے آپ سے زیادہ قریب نہ ہوتا تھا اور میں نے جنگِ بدر میں اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور آپ اس دن سب سے زیادہ مستقل مزاج اور قوی القلب تھے۔"

مکمل نمونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصول کا مکمل نمونہ پیش کیا، بحیثیت ایک قانون ساز، بحیثیت ایک ماہر معاشیات و اقتصادیات، بحیثیت ایک جج، بحیثیت ایک کمانڈر ان چیف، بحیثیت ایک معلم اخلاق، بحیثیت ایک مصلح معاشرہ، غرض کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے ہر وقت انہیں کمال کی انتہائی بلندیوں پر دیکھے گی۔ بلکہ مقامِ نبوت کی وسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی ترقی کے لیے دامن کھلا رکھیں گی۔

نہ آج تک

چودہ سو برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لیے اس سے بہتر سانچہ نہ آج تک تیار ہو سکا نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اور حیرت انگیز تماشا یہ ہے کہ زمانہ کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے اور بگڑتے رہے، خطہ ارضی مختلف رنگ و رُوپ، مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف انداز معاشرت میں تقسیم ہوتا رہا۔ لیکن محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آتی۔ سب کی ضرورتوں کی کفیل ہوئی، سب کے لیے سازگار رہی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی ایک گدا سے لے کر بادشاہ تک، سپاہی سے لے کر سالار تک، عورت سے لے کر مرد تک، بچے سے لے کر بوڑھے تک، غلام سے لے کر آقا تک، عربی سے لے کر عجمی تک، دیہاتی سے لے کر شہری تک اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ہی اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتے رہے کہ زندگی کا پیمانہ میرے ہی لیے تراشا گیا۔

ضمیر چٹکیاں لینے لگتا

آپؐ نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا۔ جب دُنیا توحید کی حقیقت اور انسان اپنے اصل مقام سے آگاہ ہوا اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا توحید کی آواز نے دِل میں گھر کر لیا۔ اور آپ نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھادی جس میں لاکھ پولیس ہزاروں عدالتوں اور سینکڑوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے۔ یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور کی خدمت میں آتے ہیں۔ حضُور مجھ کو پاک کر دیجئے۔ آپؐ چہرہ مُبارک دوسری طرف کر لیتے ہیں۔ وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپؐ تحقیق کرواتے ہیں انکی دماغی حالت خراب تو نہیں، جب معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپؐ انکو سزا دلواتے ہیں۔

سات دینار

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ" ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے اداس اور غمگین گھر تشریف لائے۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا ام سلمہ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔

پانی کے سوا اور کچھ نہیں

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا یارسول اللہ! میں بھوک سے بے تاب ہوں، آپؐ نے اپنی کسی بیوی کے ہاں کہلایا، کھانے کے لیے جو کچھ موجود ہو بھیج دو۔
جواب آیا، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یہاں تو پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ نے دوسری بیوی کے ہاں معلوم کیا تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک ایک کر کے اپنے تمام گھروں سے پتہ کیا تو سب کے ہاں سے اسی طرح کا جواب آیا۔
اب آپؐ اپنے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "آج رات کے لیے اس مہمان کو کون قبول کرتا ہے؟ ایک انصاری نے کہا!! یارسول اللہ میں قبول کرتا ہوں"! یہ انصاری انکو اپنے گھر لے گئے اور گھر جا کر بیوی کو بتایا، میرے ساتھ رسول اللہ کے مہمان ہیں ان کی خاطر داری کرو۔ بیوی نے کہا، اس وقت تو گھر میں صرف بچوں کے لیے کھانا ہے۔ صحابی نے کہا بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو، تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا اور کھانے پر مہمان کے ساتھ بیٹھ جانا تاکہ اس کو یہ محسوس ہو کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں۔
اس طرح مہمان نے تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور گھر والوں نے ساری رات فاقے سے گذاری صبح جب صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "تم دونوں نے رات مہمان کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا وہ خدا کو بہت ہی پسند آیا"۔

مجھے اس پر فخر نہیں

مُجھے اس پر فخر نہیں

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوعِ انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں، تاہم آپ کے آئینہ دِل میں کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا، آپ نے فرمایا "میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں"۔

مؤرخوں کو حیرت

مؤرخوں کو حیرت ہوتی ہے کہ صحرا سے نکلنے والے دین نے اس قوم کو جو شروع میں اُمی اَن پڑھ تھی اور جس کا نبی بھی اُمّی تھا، کس طرح چند سال میں دُنیا کے علوم و فنون کا مالک اور اقوام کا علمی رہبر بنا دیا ؟

اس تاریخی اعجاز کو سمجھنے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ علم پہلے آزاد نہ تھا۔ اسلام نے اس کو ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا، جس قوم میں علم آزاد ہو اور اس کا حاصل کرنا ایک مذہبی فرض ہو اس کی لامحدود ترقی کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے علم و حکمت کو خُدا کی نعمتِ عظیم قرار دیا اور اس کو انسانیت کا جوہر ٹھہرایا۔ اسی کی بدولت آدم مسجودِ ملائک ہوا۔ علم کا حصول ہر مرد و عورت کے لیے فریضہ قرار دیا۔ اور قوانین فطرت پر غور و خوض کو ایمان کا سرچشمہ ٹھہرایا۔

انسان ہو فرشتہ نہیں

ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے رنج و افسوس کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

"جب میں آپ کی صحبت میں رہتا ہوں۔ تو میرا اخلاقی رنگ نہایت بلند و برتر رہتا ہے بلند افکار و خیالات میرے ذہن و شعور میں جاری اور ساری رہتے ہیں۔ لیکن جب میں آپ سے دور رہتا ہوں تو میری اخلاقی سطح یکایک پست ہوجاتی ہے۔ میں اپنی حالت پر کس قدر افسوس کرتا ہوں۔"

اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"تم کو مایوس اور پست ہمت نہ ہونا چاہیئے، تم انسان ہو، فرشتہ نہیں ہو، اگر خدا یہ چاہتا کہ دنیا کو ایسی ہستیوں سے آباد کرے جو اخلاقی کش مکش سے آزاد ہوں تو وہ فرشتوں کو یہاں بساتا، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا، تمہاری اخلاقی پشیمانی اور یہ بلندی و پستی کا احساس ایمان کی علامت ہے۔"

یہ سن کر آپ کے صحابی کو اطمینان حاصل ہوا

رحمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت پر ایک بڑا کرم یہ کیا کہ ملکوں۔ قوموں اور قبائل میں بٹی ہوئی انسانیت کو " وحدت آدمیت " کا سبق دیا اور رنگ و نسل، وطن و قوم، امیر و غریب۔ سرمایہ دار۔ مزدور، زمیندار و کسان اور دیگر انسانی عصبیتوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو اخوت کا ایسا پیغام دیا کہ جس کے اپنا لینے کے بعد دنیا امن و چین، محبت و اُلفت۔ بھائی چارہ اور ہمدردی کا گہوارہ بن جاتی ہے اور علاقائی اور ملکی یا عالمی جنگیں ہوں یا طبقاتی جھگڑے سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی اقوام متحدہ قوموں کے اتحاد کا نشان ہے لیکن وحدت انسانی کا نظریہ رحمتِ محمدیہ کا وہ عطیہ ہے جس سے پوری نسل انسانی جسم واحد کی طرح بن جاتی ہے اور حسد و منافرت تعصب اور غضب کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔

آپؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

عرب وعجم کے حکمران

ابتدائی دورِ کشمکش میں ایک موقع پر قریش کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا
بس وہ ایک کلمہ ہے ! لاالہ الا اللہ !
اسے اگر مجھ سے قبول کرلو ۔ تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیرنگیں کرلوگے اور سارا عجم تمہارا باجگذار ہوجائے گا ۔

میلوں اور حج کے موقعوں پر قبائل کے کیمپوں میں جاجا کر حضورؐ نے یہی بات دھرائی ہر سردارِ قبیلہ سے کہی ۔ چنانچہ حضور کی دعوت کے سلسلے میں "عرب وعجم کے اقتدار" کا چرچا اتنا ہوگیا تھا جیسے کہ وہ دعوتِ اسلامی کا نعرہ ہو ، بچے بچے کی زبان پر یہ بات رہتی تھی حتیٰ کہ مخالفین نے اسی کو بنیاد بنالیا تھا ۔ اسلام کے سائے میں جو غلام اور غریب طبقوں کے نوجوان آ آکے جمع ہورہے تھے اور جن کو قریش تشدد کے کولہو میں پیل رہے تھے ان کو دیکھتے تو اشارے کرکرکے طنزاً کہتے کہ واہ کیا کہنے ہیں ان ہستیوں کے
"یہ ہیں جو عرب وعجم کے حکمران اور سردار بننے والے ہیں"

یہ فاقہ کش غریب اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایامِ جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوشیوں کا شکار بنا ہوا تھا ،
آرام و آسائش کی زندگی کا ذکر کیا ہے ، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی ان کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔ ساری عمر عرب کے چٹیل ریگستانی اور پتھریلی صحراؤں میں بیچارے صرف اس لئے دوڑتے پھرتے تھے کہ دو وقت کی سوکھی روٹی مل جائے اور وہ بھی بڑی مشکل سے میسر آتی ہے ۔

لیکن اسی ایک کلمہ " لا الہ الا اللہ " نے ایک طرف ان کی پوشیدہ قوتوں اور فکری صلاحیتوں میں یہ طوفان برپا کیا، دوسری طرف بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی تقاضوں کے لیے رسد کا ایک ایسا سمندر ان کی اس غیر آباد اور بہت کم آبادی والے ملک میں ٹھاٹھیں مارنے لگا کہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی نظیر بھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک پھر وہ منظر دیکھنا اسے نصیب ہوا۔

کسریٰ کے خزانے، مصر اور شام کی بے پناہ دولت، سونے، بیش قیمت ہیرے و جواہرات کے انبار اور کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنی قیمتی اور وزنی ہیروں کی وجہ سے بجائے سر پر رکھنے کے زنجیر سے لٹکا دیا جاتا اور ایران کا بادشاہ اسی میں اپنا سر داخل کر دیتا تھا۔ مدینہ میں جو مسجد کھجوروں کے تنہ پر کھڑی تھی اس میں آگے پیچھے، یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آرہا تھا۔ خوراک کی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو غلہ بھیجنے کے لیے جب لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اونٹوں کی قطار غلہ سے لاد کر پایہ تخت خلافت میں بھیجتا ہوں۔ جس کا پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا۔ اور آخری اونٹ کی دُم میرے ہاتھ میں ہوگی۔ دس پندرہ سال کے عرصے میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، شام اور مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے۔ جن میں سوائے حجاز کے تقریباً اکثر حصہ ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا۔ مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمرؓ کے نام آیا تھا کہ ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو اچانک موتی کے طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اس کے بعد ہیرے کی مانند سرسبز ہو جاتی ہے۔

اپنے رب سے

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض الموت میں ہیں۔ بیماری کی سخت تکلیف ہے۔ نہایت ہی بے چین ہے۔ لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہوئی ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دیا جائے۔ کیا محمد اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں"

بے قرار ہو گئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں ہیں اور مکے کے لوگوں میں آپ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں کوئی کہتا ہے کہ انہیں شہر سے نکال دو، کوئی کہتا ہے کہ انہیں قتل کر دو انہی دنوں مکے کو اچانک قحط نے آگھیرا۔ ایسا قحط کے لوگ پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے، بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی حالت زار دیکھ کر تڑپ تڑپ اُٹھے۔

رحمتِ عالم ان لوگوں کو اس لرزہ خیز مُصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ آپ کے مخلص ساتھی آپ کا اضطراب دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ آپ نے اپنے اِن جانی دشمنوں کو جن کے پہنچائے ہوئے زخم ابھی بالکل تازہ تھے، اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا اور ابُوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر کہلوایا کہ یہ دینار ان قحط کے مارے ہوئے غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

پیغمبرِ اسلام
دنیا کا کامل ترین انسان کیوں؟

اس لیے کہ ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے۔

سربراہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خُدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہیں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر میں چولہا نہ جلتا ہو کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گذر جاتے ہوں، سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں فولاد میں غرق فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پُرجوش جاں نثاروں کی ہمراہی کے باوجود صلح کے کاغذ پر کسی عذر کے بغیر دستخط کر دیتا ہے شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خُون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو تعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر خُدا کی بھولی دُنیا کے سدھار کی اس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خُدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو۔ اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا۔ لیکن خُدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا۔

کتنوں کا نام

ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہونگے
ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے کتنوں کے
نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے جانتے بھی ہیں ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں
سب سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعوٰی ہندؤوں کو ہے گو وہ ثابت نہیں لیکن بغور دیکھیں کہ
ان کے مذہب میں سینکڑوں کرداروں کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو "تاریخی" ہونے کا شرف
حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور فرضی
داستانوں سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گذر بھی نہیں۔

سونے کا ٹکڑا

ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافِ معمول فوراً گھر تشریف لے گئے
اور پھر باہر آگئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ
گیا خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر میں پڑا رہ جائے۔

دریغ نہ فرماتے تھے

مدینہ میں لوگ اکثر صبح ہی پانی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آتے تاکہ
آپ نماز صبح سے فارغ ہو کر اس میں برکت کے لیے ہاتھ ڈال دیں، تو خواہ کیسی ہی سردی کیوں
نہ ہوتی مگر آپ ہرگز ان برتنوں میں ہاتھ ڈالنے سے دریغ نہ فرماتے تھے۔ اگر کسی لونڈی کو بھی
کچھ ضرورت ہوتی تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی آپ کبھی جانے میں تامل نہ فرماتے۔

پیار کرتا ہوں

اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو رسولؐ اللہ مجھے اٹھا لیتے اور اپنے ایک زانوئے مبارک پر بٹھاتے اور حسنؓ کو اپنے دوسرے زانو پر، پھر ہم دونوں کو بھینچ کر فرماتے :

" اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کیوں کہ میں ان پر رحم کھاتا ہوں اور ان سے پیار کرتا ہوں"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں دیہات سے کچھ اعراب آپؐ کے پاس آئے تو انہوں نے آپؐ کو بچوں سے بہت محبت اور پیار کرتے دیکھ کر کہا ۔

" آپ لوگ بچوں کو اس قدر پیار کرتے ہیں، ہم لوگ تو نہیں کرتے"۔ آپؐ نے فرمایا :

" میں کیا کروں اگر اللہ تعالیٰ نے شفقت و رحم کا جذبہ تمہارے دلوں سے کھینچ لیا ہے"۔

ایک مرتبہ اقرع بن حابس نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ حسینؓ کو بوسہ دے رہے ہیں تو کہا ۔

"یا رسول اللہ! میرے دس بچے ہیں، آج تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا"۔

اس قسم کی باتیں جب آپ سنتے تو ان کو بے رحمی اور سنگدلی سے منع فرماتے ۔

فوراً دعا کے لیے

ایک مرتبہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے مکہ میں سخت قحط پڑ گیا ۔ لوگوں نے ہڈیاں اور مردہ جانور تک کھانے شروع کر دیئے ۔ ابوسفیان جو اس زمانے میں مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ۔ آپؐ کے پاس آیا اور کہا " اے محمدؐ تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے تم اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ یہ مصیبت دور ہو"۔ اگرچہ قریش مکہ نے تین برس تک آپؐ کو محصور رکھا اور آپؐ کے پاس غلہ کا ایک دانہ تک نہ پہنچنے دیا تھا اور بے پناہ اذیتیں پہنچائیں تھیں ۔ لیکن آپؐ کو ان پر رحم آ گیا اور آپؐ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ۔ خدا نے آپؐ کی دعا قبول کر لی اور اتنا مینہ برسایا کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا اور قحط دور ہو گیا ۔

وفا کریں گے

اس وقت جب کہ تین سو بے سروسامان آدمیوں کا مقابلہ ایک ہزار کے لشکر سے ہو رہا تھا اور وہ بھی خوب مسلح ہوں۔ ان حالات میں اگر ایک شخص کا بھی اضافہ ہو جائے تو وہ کس قدر اہمیت کا حامل ہو گا۔ لیکن اسلام میں پابندی عہد ان سب باتوں سے مقدم ہے۔ عین میدان جنگ میں حضرت حذیفہؓ اور ابوحسل صحابی شرکت جہاد کے لئے پہنچتے ہیں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو راستے میں جو واقعہ پیش آیا تھا عرض کرتے ہیں کہ راستے میں کفار نے روکا کہ تم محمد کی امداد کو جا رہے ہو، ہم نے انکار کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ ہم جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔"

نبی اکرم نے فرمایا تم دونوں کو وعدہ کے مطابق جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ہے ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد کافی ہے اور بس۔

پیار کرتے

اپنے بچوں کے لیے بھی حضورؐ کے جذبات بڑے گہرے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو رضاعت (پرورش) کے لیے، ایک لوہار کے گھر میں مدینہ کے بالائی مقام پر رکھا گیا تھا۔ آپؐ اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے خاصہ طویل فاصلہ چل کر تشریف لیجاتے، اس لوہار کے گھر میں کام کی وجہ سے بہت دھواں بھرا ہوتا۔ مگر نبیؐ وہاں دیر تک بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے۔

یہ امتیاز پسند نہیں

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ تمام صحابہؓ نے کام تقسیم کر کے اپنے اپنے ذمے لے لئے۔ جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام آپؐ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ تکلیف نہ کریں، ہم سب اس کام کیلئے کافی ہیں، فرمایا یہ سچ ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ اپنے آپؐ کو سب ساتھیوں سے ممتاز بنالوں، مجھے یہ امتیاز پسند نہیں، خدا اس بات کو پسند نہیں فرماتا" یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑیاں لینے تشریف لے گئے۔

اخلاق کریمانہ

ایک روز ایک اجنبی شخص رسولؐ اللہ کے پاس آیا، رسولؐ خدا نے اسے کھانا کھلایا اور رات گزارنے کے لیے بستر بھی دیا، وہ کوئی نادان دشمن تھا، اس نے بستر خراب کر دیا اور علی الصبح چلا گیا، یوں وہ اللہ کے رسولؐ سے اپنی قدیمی دشمنی کا انتقام لینا چاہتا تھا، کچھ دُور جا کر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی تلوار تو رسولؐ اللہ کے گھر میں ہی چھوڑ آیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس آیا اس نے دیکھا کہ اللہ کا رسولؐ اسی بستر کو اپنے دست مبارک سے دھو رہا ہے۔ جب رسول پاکؐ نے "مہمان" کو دیکھا تو انہوں نے اس کی تلوار اٹھا کر اس کے حوالے کر دی اور اس اجنبی کو ملامت تک نہ کی۔ اکھڑ بدو پر حضورؐ کے ان اخلاق کریمانہ کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے رسولؐ اللہ سے معافی طلب کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

تین دن سے

آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ عبداللہ ابن ابی لحمانے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ باقی تھا۔ اس نے آپ سے کہا، آپ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔ اتفاق سے وہ بھول گیا اور تیسرے دن جب یاد آیا تو وعدہ والی جگہ پر فوراً پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔
لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اسی قدر فرمایا کہ 'تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔'

کون مسکین ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک دو لقمے در بدر پھرایا کرتے ہیں"۔ صحابہ نے دریافت کیا پھر کون مسکین ہے، ارشاد ہوا "وہ جس کو حاجت ہے، لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ کسی سے مانگتا نہیں" چنانچہ فقرا اور مساکین میں سے ان لوگوں پر جو بیحیائی کے ساتھ در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، اُن کو ترجیح دی گئی ہے جو فقر و فاقہ کی ہر قسم کی تکلیف گوارا کرتے ہیں، لیکن اپنی عزت و آبرو اور خودداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے ہیں۔

گھر نہیں جا سکتا

ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلالؓ سے دریافت کیا گیا کہ بچ تو نہیں گیا۔ عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے کچھ بچ رہا۔ فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی۔ صبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ " یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اپنے لیے کچھ نہیں

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا۔ اپنے لئے کچھ نہ تھا، وہی فقر و فاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال تمام بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ غلہ ختم ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ ضرورت مندوں کی نذر کر دیا جاتا تھا۔

چہرہ سُرخ ہوگیا

مکہ میں جن دنوں مسلمان قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، ہر مسلمان کی جان خطرہ میں تھی، صبح ہوتی تھی، شام کا پتہ نہ تھا اور شام ہوتی تھی تو صبح کا یقین نہ تھا، بظاہر اسلام کا کوئی مستقبل نظر نہ آرہا تھا، ایسی حالت میں ایک مظلوم مسلمان حضرت خبابؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے، حضرت خبابؓ نے عرض کیا کہ

"یارسولؐ اللہ! اب تو پانی سر سے گزرا جارہا ہے، آپؐ ہمارے لیے دُعا کیجئے!

آنحضرتؐ کا چہرہ سُرخ ہوگیا، آپؐ نے فرمایا! بس جناب! گھبرا گئے، پہلی امتوں میں تو یہ ہوا کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا اور سر پر آرا چلا دیا گیا یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہو کر گر گئے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا مگر اس کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ خدا کی قسم! اللہ اپنے دین کو مکمل کرے گا، یہاں تک کہ (اس دین کی عمومیت اور غلبہ) کا یہ حال ہوگا کہ سوار صنعا سے حضر موت تک سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہ ہوگا۔

نشانہ بنے ہوئے تھے

وقت وہ تھا جب حضورؐ اور آپؐ کے ساتھی سب کے سب انتہائی خستہ حالی میں مُبتلا تھے، کار نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضورؐ کی تجارت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہؓ کا سرمایہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں خرچ ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض صنعت پیشہ یا تجارت پیشہ تھے جن کے کاروبار مُعاشی مقاطعہ کی مسلسل ضرب سے بالکل تباہ ہو گئے تھے۔ اور بعض بے چارے پہلے ہی غلام یا موالی تھے۔ جن کی کوئی معاشی حیثیت نہ تھی اس پر مزید یہ ہے کہ حضورؐ سمیت تمام مُسلمان مکے اور اطراف و نواح کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل و تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنے ہوتے تھے۔ اور قلبی و روحانی تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہوا نہ تھا۔

دُوسری طرف سردارانِ قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر طرح کی خوشحالیوں میں مگن تھے۔

کوئی غبار تھا

بحرین سے ایک دفعہ مالگذاری کا لدا ہوا خزانہ آیا۔ فرمایا کہ مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے۔ صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو دامنِ مبارک پر پڑ گیا تھا۔

مگر زبان سے وہی نکلے گا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نبی اکرم کی گود میں تھے اور جان کنی کا عالم تھا۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ٹپکنے لگے اور فرمایا "اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں۔ مگر زبان سے وہی نکلے گا جو پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگا۔"

اللہ کا رحم

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ ممتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پا لیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟

ہم نے عرض کیا ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو درکار، وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔ فرمایا

"اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔"

یہ رحمت ہے

آپؐ کی ایک صاحبزادی کی وفات ہوگئی، تو آپؐ بہت بیقرار ہوئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ سعد بن عبادہ نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

"یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں پیدا کی ہے۔ خدا اپنے رحم دل اور شفیق بندوں پر رحم کرتا ہے۔"

بہت برہم ہوگئے

کسی جنگ میں ایک بچہ قتل کردیا گیا، آپؐ کو سن کر بہت ہی صدمہ ہوا، بعضوں نے آپ سے کہا:

"یارسولؐ اللہ! آپؐ کیوں اس قدر غمزدہ ہیں، وہ تو مشرکین کا بچہ تھا۔"

آپ بہت برہم ہوگئے اور فرمایا:

"تم کیا کہتے ہو، کیا تم ان سے بہتر ہوگئے، وہ تو اپنی فطرت پر ہیں، تم بچوں کو قتل کرنے سے پرہیز کرو، تمہیں بچوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔"

وسیع دائرہ کو تنگ کردیا

آپؐ نے ایک مرتبہ ایک اعرابی کو، جو آپؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ

"اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحم فرما اور ہمارے سوا کسی پر رحم نہ کر۔"

جب آپؐ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو فرمایا: "تو نے رحمت کے وسیع دائرہ کو تنگ کردیا۔"

مذہبی رواداری

دین میں کوئی جبر نہیں (البقرہ : ۲۵۶) قرآن مجید میں مذہبی رواداری کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ رسولؐ اللہ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے مذہبی رواداری کی عملی طور پر خود ایک عظیم الشان مثال قائم فرمائی۔ ابن قیم نے اس معاہدہ کے الفاظ نقل کئے۔

"یہ معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پادری ابی الحارث اور نجران کے دوسرے پادریوں کے ساتھ ہے، نیز ان کے کاہن، راہب، خانقاہ نشین، غلام، اہل قوم اور ان تمام لوگوں کے ساتھ ہے جو ان کے ماتحت ہیں، خواہ تعداد میں کم ہوں یا زیادہ، ان سب کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے امان ہے، کسی پادری کو اس کے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے منع کیا جائے گا اور نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے۔ ان کے حقوق، اختیارات اور مراعات جو ان کو پہلے سے حاصل ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

عار نہ تھا

سواریوں میں نبی اکرمؐ کو گدھے پر سوار ہونے سے عار نہ تھا۔ چنانچہ آپؐ فتح خیبر کے دن گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔ انسؓ سے روایت ہے کہ :

"آپؐ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپؐ کے اونٹ کا پالان پرانا تھا جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم (ایک روپے) سے زیادہ نہ ہوگی"۔

پتھر دِل موم ہو جاتے

آپؐ کا طریقہ دعوت و تبلیغ یہ بھی تھا کہ آپؐ قرآنی آیات ایسے مؤثر لہجہ میں تلاوت فرماتے تھے کہ پتھر دل موم ہو جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی تلاوت کے اثر سے اِسلام اُتر گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم، حضرت ابو عبیدہؓ بن الحارثؓ اور کئی دوسرے صحابہ آپؐ کی زبان مبارک سے قرآن سن کر مسلمان ہوئے۔ چنانچہ تلاوت قرآن کے وقت حضرات صحابہ پر عجیب رقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا۔

اللہ کے کلام سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف پھر جاتے ہیں۔ (زمر۔ ۳)

چیتھڑے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے ہم چھ آدمی رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک لڑائی کے لیے نکلے۔ ہم سب کے پاس ایک ہی اُونٹ تھا۔ باری باری سے سوار ہوتے، چلتے چلتے پاؤں پھٹ گئے، اور میرے تو ایک پاؤں سے خُون بھی بہنے لگا۔ آخر کیا کرتے اپنے پاؤں پر پُرانے کپڑے (چیتھڑے) لپیٹ لیے، اس وجہ سے اِس لڑائی کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے یعنی چیتھڑے والی لڑائی کہ پیر پر چیتھڑے باندھے تھے۔

محبّت بھرا سلوک

ایک نوعمر عرب لڑکا مکہ کی منڈی میں غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا۔ اس کا نام زید بن حارث تھا اور اس کا تعلق شمالی عرب کے ایک بڑے قبیلہ کلب سے تھا۔ اس لڑکے کو بنو کلب کے ایک ہمسایہ قبیلہ نے ایک تصادم کے دوران گرفتار کر لیا اور مکہ لا کر فروخت کر دیا۔ یہ لڑکا بڑا حسین اور دانشمند تھا۔ بی بی خدیجہؓ نے اسے خرید لیا اور اسے اپنے شوہر کی خدمت میں بطور ذاتی ملازم کے پیش کیا۔ اس لڑکے کا غمزدہ باپ جو اپنے قبیلے کا سردار تھا، بیٹے کی تلاش میں دُور دُور تک مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر اسے معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا کہاں ہے، وہ بھاری رقم لے کر مکہ پہنچا تاکہ زرِ فدیہ ادا کر کے بچے کو آزاد کرائے۔ جب وہ رسُول اللہؐ سے ملا تو حضورؐ اس کی دردناک کہانی سے بہت متاثر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا بچے کو یوں واپس خریدنے کی بجائے ایک اور بہتر طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ میں خود بچے سے پوچھ لیتا ہوں۔ اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو آپ ایک کوڑی ادا کئے بغیر اپنے بیٹے کو لے جا سکتے ہیں! اس کے بعد رسول اللہ نے زید کو بلایا وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور اپنے باپ کو پہچان لیا۔ جب رسول اللہؐ نے زید سے واپس جانے کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بلا توقف جواب دیا

"آپ نے جو مجھ سے محبت بھرا سلوک کیا ہے اس کے بعد میں آپ کے ہاں بطور غلام رہنے کو اپنے باپ کے گھر بطور آقا زندگی گزارنے پر ترجیح دیتا ہوں"۔

آپؐ اس رقت انگیز جواب سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور سرِعام اعلان کیا:

"میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور آج سے اسے گود لیتا ہوں"۔

زید کے والد گو خالی ہاتھ لوٹے مگر ان کا دل اپنے بیٹے کی پرورش کے ضمن میں اطمینان سے پُر تھا۔

ایفائے عہد

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب گفتگو آخری مرحلے میں تھی اور صلح نامہ کی دستاویز مرتب کی جارہی تھی
مسلمانوں کے جذبات کے خلاف محض رسول اللہؐ کے حکم سے یہ لکھا جارہا تھا کہ مسلمان اس وقت واپس
چلے جائیں اور دس سال تک کا معاہدہ ہوگیا۔
اس دوران اگر کفار کا کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کردیں گے لیکن اگر مدینہ
سے کوئی آجائے تو کفار اسے واپس نہ کریں گے۔
مسلمان ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جُلبان (تھیلے)
میں، اسی قسم کی کچھ شرائط اور تھیں۔
جس وقت اس معاہدے کی شرائط طے ہورہی تھیں، مسلمانوں کا پورا لشکر سخت مضطرب تھا، کوئی
شخص بھی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا، جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ شرائط
قبول فرمارہے تھے، کسی کی نظر اتنی دُور رس نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں جو خیرِ عظیم رونما ہونے والی
تھی اسے دیکھ سکے، کفارِ قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے اور مسلمان اس پر بے تاب تھے کہ
ہم آخر دب کر یہ ذلیل شرائط کیوں قبول کریں۔

اتفاق یہ کہ عین اس وقت جب یہ معاہدہ لکھا جارہا تھا۔ سہیل بن عمرو کا (جو صلحنامہ کا قریش کی
جانب سے فریق تھا) بیٹا (حضرت ابوجندل) جو اسلام لاچکے تھے اور مکہ میں کافروں نے انکو قید
کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے
اور سب کے سامنے گر پڑے۔
سہیل فوراً چلا اُٹھا۔
" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس (ابوجندل) کو

صلح کی شرائط کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم !

" ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہو چکا۔"

سہیل بولا

" تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! اچھا ان کو یہیں رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا۔ آپؐ نے چند دفعہ اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آپؐ کو سہیل کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔

ابو جندلؓ کو کافروں نے اس طرح مارا تھا کہ ان کے جسم پر گہرے نشان تھے۔ مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا۔

" برادران اسلام، کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو۔"

میں اسلام لا چکا ہوں، کیا پھر مجھ کو ظالم کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو ؟

تمام مسلمان تڑپ اُٹھے۔

حضرت عمرؓ جیسے بالغ النظر مدبر تک ضبط نہ کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسولؐ اللہ۔

" کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

" ہاں ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔

" کیا ہم حق پر نہیں ؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

" ہاں ہم حق پر ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔

آپؐ نے فرمایا۔

"میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔

کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے"؟

آپؐ نے فرمایا!

لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے"۔

حضرت عمرؓ بے چین ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"اے عمرؓ وہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ ان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں"۔

بعد میں حضرت عمرؓ مدتوں اس گفتگو پر نادم رہے جو انہوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی اور صدقات و نوافل ادا کرتے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے۔

اس حالت کا گوارہ کرنا صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا۔ ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے۔ حضرت ابو جندلؓ بیڑیاں پہنے چودہ سو جانثارانِ اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں، سب کے دل جوش سے لبریز ہیں، اگر رسولؐ اللہ کا ذرا اشارہ ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لیے موجود ہے۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں۔

اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے۔ آپؐ نے حضرت ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

" ابو جندل صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے"۔

اور ابو جندل کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

ایک مشکیزہ۔ ایک چکی اور ایک مٹی کا گھڑا

حضرت فاطمہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کمسن تھیں۔ اب اٹھارہ برس کی ہو چکی تھیں اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔

حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہارِ رضا تھا۔ آپ نے حضرت علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟

جواب ملا کچھ بھی نہیں!

آپ نے فرمایا " اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی کہ وہ تو موجود ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بس وہ کافی ہے۔

تقریباً سوا سو روپے کی مالیت کی اس زرہ کے علاوہ حضرت علی کے پاس ایک بھیڑ کی کھال اور بوسیدہ یمنی چادر تھی۔

حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے نذر کیا۔ حضرت علی اب تک آپ ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حضرت حارثہ بن نعمان کے بہت سے گھر تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ نے آپ سے کہا اُن ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے۔

آپ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب تو ان سے کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔"

حضرت حارثہ نے سنا تو وہ دوڑے آئے کہ حضور یہ اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے۔ خدا کی قسم! میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہ اس میں رہائش پذیر ہو گئیں، نبی اکرم نے سیّدۂ عالم کو جو جہیز دیا بان کی چارپائی۔ چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کی بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک مشکیزہ۔ ایک چکی اور ایک مٹی کا گھڑا تھا۔

حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں آباد ہوئیں تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔

دروازہ پر کھڑے ہو کر پہلے اندر آنے کی اجازت چاہی، پھر اندر تشریف لے آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینے اور بازوں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ شرم سے گھبرائی سی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ "میں نے اپنے خاندان میں سے سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔"

یہی چادر میرا کفن

ایک دفعہ ایک مسلمان خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک چادر بُن کر آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے ضرورتمند ہو کر اس تحفہ کو قبول کر لیا۔ اسی وقت ایک غریب مسلمان نے عرض کی کہ یا رسُول اللہ، یہ مجھے عنایت ہو، آپ نے اسی وقت اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

صحابہ کو یہ بات ناگوار گذری اور اس شخص سے کہا کہ تم جانتے تھے کہ آپ کو اس کی حاجت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد بھی نہیں فرماتے، تم نے کیوں مانگ لی؟

وہ بولا "ہاں میں نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ یہی چادر میرا کفن بنے"

بدگمانی نہ ڈال دے

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں تھے تو حضرت صفیہؓ بنت حیی آپ سے مُلاقات کے لیے رات کو آئیں اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد واپسی کے لیے جب کھڑی ہوئیں تو نبی اکرمؐ اُن کو چھوڑنے کے لیے ساتھ کھڑے ہوئے، اس وقت حضرت صفیہؓ کا قیام اسامہ بن زیدؓ کے مکان پر تھا۔ اتنے میں دو انصار ادھر سے گذرے، جب انہوں نے آنحضرتؐ کو (اس حال میں) دیکھا تو تیزی سے چلنے تو رسُول اللہ نے فرمایا! "ذرا ٹھہرو یہ عورت صفیہ بنت حیی میری زوجہ ہیں، دِل میں کچھ خیال نہ کرنا"۔

انہوں نے کہا یا رسُول اللہ! سُبحان اللہ! کیا ہم آپ کے بارے میں دُوسری قسم کے خیال کر سکتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خوُن کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دِل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

کھجور اور ستّو کا ولیمہ

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستو تھا۔

عدل وانصاف کے پیغام رساں

یوم الجمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو صف بندی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کے لیے صفوں کے سامنے سے گزرے تو دیکھا ایک انصاری صف کے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ حضورؐ کے ہاتھ میں پتلی سی چھڑی تھی انصاری کے پیٹ میں چھڑی لگا کر کہا کہ۔ "برابر ہو جاؤ"

اس نے کہا یا رسولؐ اللہ مجھے تو اس سے سخت تکلیف ہوئی، حضورؐ عدل وانصاف کے پیغام رساں ہیں۔ میں تو بدلہ لوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا: "اچھا"

کہا۔ حضورؐ کرتہ اٹھائیں، حضورؐ نے کرتہ اٹھایا تو اس نے آگے بڑھ کر جھٹ حضورؐ کے بطن اطہر کو چوم لیا، حضورؐ نے پوچھا، یہ کیا؟ وہ بولا۔ حضورؐ دنیا میں شاید یہ آخری گھڑیاں اور آخری سانس ہے، میں نے چاہا اس شرف سے مشرف ہو جاؤں، حضورؐ نے اسے دعائے خیر دی۔"

مستقل حیثیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ایک مستقل حیثیت عطا کی اور فرمایا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ نکاح کو ایک آزادانہ معاہدہ قرار دیا، جو ہر قسم کی جائز شرائط پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ خاص ناموافق حالات پیدا ہو جانے سے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی کا حق رکھتے ہیں۔ عورت خود اپنے سرمایہ اور جائیداد کی شوہر کی شرکت کے بغیر مالک ہو سکتی ہے۔ عورتوں کو مردوں کا ہم دوش قرار دیا۔ تعلیم کے دروازے ان پر کھولے، ماں باپ کی جائیداد میں ان کا حصہ تسلیم کیا۔ بیواؤں کی شادی کو کہ سماج کی نظر میں مردود تھی جائز قرار دیا۔

ادبی شان

عرب قوموں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا ۔ اس غرض کے لیے ان کے بڑے بڑے میلے ہوا کرتے تھے ، جہاں وہ اپنے ادبی مظاہرے کیا کرتے تھے جس کے اشعار لاجواب ہوتے ، ان کو جلی حروف میں لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا جاتا تھا ۔ ایسے لوگوں کے درمیان آپؐ مبعوث ہوئے اور فصاحت و بلاغت کے ایسے جوہر دکھائے جن کی آب و تاب سے عرب کے فصاحت کے دعویداروں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں ۔ انہی عربوں میں خواہ وہ جاہلیت کے ہوں یا اسلامی دور کے ابوبکرؓ قریش میں حسب و نسب کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے ۔ یہ بھی آنحضرتؐ کی فصاحت و بلاغت پر حیرت کرتے تھے ۔ ایک دن ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میں عرب کے گلی کوچے اور یہاں کے بازار گھوم چکا ہوں ۔ فصحائے کے بلیغ سے بلیغ کلام بھی سُن چکا ہوں ۔

لیکن آپؐ کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں سب کو ہیچ پایا ، یہ ادبی شان آپؐ میں کس نے پیدا کی ، کس نے آپؐ کو یہ معجز بیانی سکھائی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا :

" میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اعجاز بیان سے آراستہ و پیراستہ کیا ۔"

جاحظ ، جو عربی ادب میں بہت بلند درجہ رکھتا ہے ۔ آنحضرتؐ کے فصیح و بلیغ کلام کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے :

" خدا نے آپؐ کے کلام میں لطافت و محبت کی چاشنی پیدا کی تھی اور اس کو مقبولیت کا شرف عطا کیا تھا ۔ اس میں شیرینی ، دل آویزی اور شستگی بھی جمع تھی اور سننے والے کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے دوبارہ کہلوانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ۔ آپ کے کلام میں وقار اور توازن برقرار رہتا اور کسی کلمہ میں کوئی لغزش نہ ہوتی ۔ آپ کی فصاحت کا نہ کوئی دشمن مقابلہ کر سکا اور نہ کسی خطیب کو آپؐ کی فصاحت کی ہمسری کی ہمت ہوئی ۔ آپ طویل طویل خطبوں کو موزوں و مجمل کلام میں بیان فرما دیتے ۔ آپؐ نے صداقت و واقعیت کو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا ۔ آنحضرتؐ کے کلام میں جس قدر راست بازی ، انصاف پسندی ، نفع رسانی اور رزانت و وقار کا پہلو غالب تھا اتنا کسی اور کے کلام میں ناپید تھا ۔"

کہاں ہے وہ ؟

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا :-

لوگو! بچے ہوئے مال سے غریبوں کی امداد کرو۔ زیادہ نہ ہو تو ایک کلو غلہ ہی سہی یا آدھا کلو، ورنہ ایک مٹھی یا آدھی مٹھی۔ تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔ خواہ ایک کھجور یا آدھی کھجور ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ اگر اتنا بھی نہ مل سکے تو اچھی بات کے ساتھ ہی سہی، کیوں کہ تمہیں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے، وہ تم سے یہی کہے گا جو میں تم سے کہتا ہوں کہ کیا میں نے تمہیں مال اور اولاد نہیں دیئے تھے ؟ بندہ عرض کرے گا، ہاں ! خداوند تعالیٰ فرمائے گا، کہاں ہے وہ جو تو نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے ....؟ اس وقت بندہ آگے پیچھے دائیں اور بائیں دیکھے گا مگر دوزخ کی گرمی سے بچنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے گا۔ پس کم از کم نصف خرما دے کر دوزخ سے بچنے کا سامان کرو۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو ملائم جواب دے دیا کرو۔ کیونکہ مجھے یہ خوف بالکل نہیں کہ تم فاقہ کشی کا سامنا کرو گے کیونکہ خدا تمہارا ناصر ہے اور وہی دینے والا ہے حتیٰ کہ تنہا ایک عورت مدینہ اور حیرہ کے درمیان سفر کرے گی اور اس کو اپنی سواری پر چور چکار کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

یک و تنہا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بدترین ماحول، انتہائی مایوس کن حالات اور بہت ناسازگار فضا میں عظیم ترین انقلاب کا پیغام لے کر یک و تنہا اُٹھے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے، ایک نقشۂ فکر و عمل، ایک متعین رہنمائی اور ایک ہمہ گیر اصلاح کے پروگرام لے کر آگے بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انقلابِ کامل کی بنیاد رنگ، نسل، وطن، زبان، قوم یا پاپائیت و شہنشاہیت وغیرہ جیسے کسی نظام پر رکھنے کی بجائے "دین" پر رکھی۔ اس دین پر جس کا نام اسلام ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دین زندگی کا ایک جزو نہیں بلکہ تمام تر زندگی ہے۔ زندگی کی رُوح اور اسکی قوت محرکہ ہے فہم و شعور اور فکر و نظر ہے پوری زندگی کا ضابطہ ہے، دستورِ حیات ہے اور زندگی کے لامتناہی سفر میں دنیا سے لے کر آخرت تک کا راہنما ہے۔

ہر وقت اور ہر حالت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحظہ اور ہر لمحہ خُدا کی یاد میں مصرُوف رہتے تھے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و زبان ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے۔ اخیر زندگی میں جب سورۃ "اذا جاء" اتری جس میں تحمید و تسبیح کا حکم ہے، توامہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مُبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی۔

ایک یہودی

ایک یہودی کا قرض آپؐ کے ذمہ تھا۔ ایک دن اُس نے تقاضا کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اِس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں۔ اس نے کہا اے محمدؐ! میں تم کو یہاں سے بغیر ادائیگی کے نہ جانے دونگا۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر آپؐ وہیں بیٹھ گئے اور پانچوں وقت کی نماز وہیں پڑھی۔ صحابی اس یہودی کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ آخر آپ سے عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہؐ یہ یہودی آپ کو روکے بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے عہد شکنی سے منع فرمایا، جب دن چڑھا تو وہ یہودی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور عرض کیا، یارسول اللہؐ! یہ گستاخی میں نے اس واسطے کی کہ دیکھوں تورات میں جو صفت نبیٔ آخرالزماں کی ہے، آپؐ میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اب مجھ کو معلوم ہوگیا بے شک آپؐ سچے نبی ہیں، وہ یہودی بہت مالدار تھا، اپنا سب مال لاکر آپؐ کی خدمت میں پیش کردیا کہ اِس کو راہِ خدا میں خرچ کردیجئے!

اُف تک نہ کہی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

"میں دس برس تک حضور کی خدمت میں رہا اور آپؐ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہی۔ کوئی کام جیسا بھی کیا۔ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا۔ اور کوئی کام نہ کیا تو نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا۔ یہی معاملہ آپ کا خادموں اور کنیزوں کے ساتھ رہا۔ آپؐ نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا۔"

اس کی تصدیق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازدواج یا خادموں میں سے نہ کبھی کسی کو مارا نہ کسی سے کوئی ذاتی انتقام لیا۔ بجز اس کے کہ آپؐ خدا کے راستے میں جہاد کریں یا قانونِ الٰہی کے تحت اس کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کے لیے کارروائی کریں

میرا خُدا

ایک مرتبہ اسلامی فوج کی ایک تعزیری مہم ذوامر بھیجی گئی ، مگر دُشمن نے راہ فرار اختیار کی اور وہاں مسلمانوں سے لڑنے والا کوئی نہ تھا ۔ اسی اثنا میں بارش آ گئی ۔ رسُولِ خدا نے بارش بند ہونے کے بعد اپنے کپڑے سُوکھنے کے لیے ایک درخت سے لٹکا دیئیے ۔ وہ خود سائے میں آرام کی غرض سے لیٹ گئے ، ان کے صحابہؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور صحرا میں اِدھر اُدھر پھیل گئے ، پیغمبرِ خدا کو اکیلے دیکھ کر دُشمن کا ایک سردار جس نے قریبی پہاڑی کی چوٹی پر پناہ لے رکھی تھی ، چپکے سے نیچے اترا اور رسولِ خدا کی تلوار پر قبضہ کر لیا ، پھر وہ چلا کر بولا ۔

" اب تجھے کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے " ؟

رسولؐ اللہ ذرا بھی پریشان نہ ہوئے اور جواب دیا ۔

" میرا خدا "

رسولِ خدا کے اعتماد نے سادہ دل بدوی کو ہلا کر رکھ دیا ۔ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی ۔

اب تلوار رسولؐ اللہ نے سنبھالی اور بدوی سے پوچھا :

" اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا " ؟

بدوی سردار ذوالثور نے جواب دیا ۔

" کوئی نہیں "

مگر نبی اکرمؐ نے اسے معاف کر دیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی ۔ وہ آپؐ کی اس رحمدلی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے نہ صرف فوری طور پر اسلام قبول کر لیا ، بلکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کا سرگرم مبلغ بن گیا ۔

اس وقت بھی

۹ھ میں جب کہ ارض عرب سے یمن تک تمام ملک زیر نگین اسلام تھا اور حضورؐ اس کے واحد فرمانروا تھے، اس وقت بھی کاشانہ اقدس میں صرف ایک چارپائی اور پانی کے لیے ایک سوکھا مشکیزہ تھا۔ مسجد نبویؐ کے متصل ازواج مطہرات کے خام حجرے تھے جو لمبائی میں دس ہاتھ اور چوڑائی میں چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھے۔ پردہ کے خیال سے دروازہ میں کمبل لٹکے ہوئے تھے۔

گارے سے

ابن سعد حضور کے گھروں اور حجروں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ آپ کے نَو گھر اور حجرے تھے۔ ان میں ازواج مطہرات رہتی تھیں۔ یہ گارے اور کچی اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں مسجد نبوی کی توسیع کرنے کے لئے ان کو شہید کر دیا گیا تھا۔

جب یہ شہید کئے جا رہے تھے تو سارا مدینہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ ان حجروں کو مسجد میں شامل کرنے کے لئے الولید بن عبدالملک نے تحریری حکمنامہ بھیجا تھا۔ ان حجروں کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ انہیں ہاتھ سے چھوا جا سکتا تھا۔ ان کے دروازوں پر بالوں کی کملی کے پردے پڑے تھے۔

الگ راستے

سب سے بڑی غلطی جو دنیا میں پھیلی

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی وہ دین اور دُنیا کا فرق ہے۔ دین کا کام الگ کیا گیا اور دُنیا کا کام الگ، خُدا کا حکم الگ ٹھہرا گیا، اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بتایا گیا اور دین کے حصول کا الگ یہ سب سے بڑی غلطی تھی جو دُنیا میں پھیلی تھی۔

اس غلطی کا پردہ پیغام محمدی کی منوّر کرنے والی شعاعوں نے چاک کر دیا، اس نے بتایا کہ اخلاق اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دُنیا کے کاموں کو خُدا کے بتاتے ہوئے اصول کے مُطابق انجام دینا ہے، یعنی خُدا کے اصُول کے مُطابق دنیا داری ہی دین داری ہے، لوگ سمجھتے ہیں ذکر و فکر گوشہ نشینی اور دُنیا سے الگ تھلگ تنہا کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خُدا کو یاد کرنا دینداری ہے اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد فکر د معاش اور پرورش اولاد دنیاداری ہے اسلام نے اس غلطی کو مٹا دیا اور بتایا کہ خُدا کے مُطابق ان حقوق و فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دین داری ہے۔

مرعوب ہوگیا

قبیلہ اراش کا ایک شخص اپنے کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا۔ ابوجہل نے وہ اونٹ اس سے خرید لیے لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ وہ بے چارہ پریشان ہو کر قریش کی مجلس میں آیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے بلند آواز سے یہ فریاد شروع کر دی۔ اے گروہ قریش، میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔ اُبوجہل نے میرا حق مار لیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی انصاف کرنے والا ہے کہ میری دا[illegible]سی کرے اور اُس سے میرا حق دلا دے۔

وہاں موجود لوگوں نے اس مجبور مسافر کی فریاد کا تو کچھ خیال نہ کیا۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنے اور مذاق کرنے کے لیے اس سے کہہ دیا جاؤ وہ شخص جو کونے میں بیٹھا ہوا ہے اس سے کہو وہ تمہارا حق دلا دے گا۔ اس اجنبی مسافر کو آپؐ کی اور ابوجہل کی باہمی مخالفت کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ اس اجنبی مسافر نے اُن کے کہنے مطابق آپ (نبی کریمؐ) سے آکر کہا، اس کی غربت اور بےکسی پر آپؐ مضطرب ہو گئے۔ آپؐ نے ابوجہل کی آپ کے ساتھ انتہائی دشمنی کا کچھ بھی خیال نہ کیا اور فوراً اس کے ساتھ چلنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ لوگ یہی تماشا دیکھنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے ایک آدمی کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ تاکہ وہ سارا ماجرا دیکھتا رہے۔ بہر حال آپؐ نے جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا، ابوجہل نے پوچھا کون؟ آپؐ نے جواب دیا "میں محمدؐ ہوں۔ باہر آؤ"۔ ابوجہل باہر نکل آیا اس حال میں کہ اس کے چہرے پر کوئی رونق نہ تھی بلکہ اس کا رنگ اُڑ گیا۔

آپؐ نے فرمایا "اس شخص کا حق ادا کرو، ابوجہل نے بلا چون و چرا اس شخص کی رقم ادا کر دی۔ پھر نبی اکرمؐ چلے گئے اور اس شخص سے فرمایا "تیرا حق تجھے وصول ہو گیا"۔ اور وہ شخص خوش خوش آپؐ کا شکریہ ادا کرتا ہوا اور آپ کو دُعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ جب مجلس کے لوگوں نے یہ واقعہ سنا تو ان کو اس خلاف اُمید کارروائی پر بڑی حیرانگی ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ابوجہل بھی مجلس میں آگیا، لوگوں نے پوچھا، تجھ پر افسوس ہے تجھے کیا ہو گیا، تو نے تو انتہائی بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ بخدا ہم نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا۔

ابوجہل نے جواب دیا، ہائے افسوس، بخدا معاملہ اس طرح ہوا کہ محمدؐ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اُن کی آواز سنی اور آتنا مرعوب ہو گیا تھا کہ مجھ سے کچھ بن ہی نہ پڑا۔

بوجھ اُٹھاتے تھے

صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بھی جن کے پاس کچھ نہ تھا خُدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے تو غریب ونادار صحابہؓ نے آکر عرض کی کہ اے خُدا کے رسُول! جس کے پاس نہ ہو وہ کیا کرے، فرمایا وہ محنت مزدوری کرکے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے، انہوں نے پھر گذارش کی کہ جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے، فرمایا کہ وہ مصیبت زدہ حاجتمند کی مدد کرے۔ انہوں نے پھر دریافت کیا کہ اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو؟

ارشاد ہوا "وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے یہی اس کا صدقہ ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پُر اثر تعلیمات کا صحابہؓ پر یہ اثر ہوا کہ وہ اس غرض کے لیے بازار جاکر بوجھ اُٹھاتے تھے اور اس سے جو کچھ ملتا تھا اس کو خُدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے"۔

بکری کا کھُر کیوں نہ ہو

پڑوسیوں میں محبّت کی ترقی اور تعلقات کی استواری کا بہترین ذریعہ آپس میں تحفے تحائف وغیرہ کا تبادلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی بیویوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے۔ اسی بنا پر ایک دفعہ حضرت عائشہ نے پوچھا، یارسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو ان میں سے کس کے پاس بھیجوں' فرمایا جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔ اس ھدیہ اور تحفہ کے لئے کسی بیش قیمت چیز کی ضرورت نہیں بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھی اس کے لئے کافی ہیں کچھ نہ ہوسکے تو گوشت کا شوربہ ہی ہو خواہ زیادہ پانی ڈال کر ہی کیوں نہ ہو آپ فرمایا کرتے تھے:۔ اے مسلمان بیویو تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے تحفے کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھُر کیوں نہ ہو"۔

دِلنشیں انداز

آپؐ نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جو باتیں ضروری اور اہم ہوتی تھیں انہیں آپؐ تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ ایک کند ذہن انسان بھی انہیں اچھی طرح سمجھ سکے۔ آپؐ ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور عقل و مزاج کے مطابق تعلیم دیتے تھے بلکہ آپؐ معلموں کو بار بار یہ ہدایت فرماتے تھے۔

"تم لوگوں سے ان کی عقل (ذہنیت) کے مطابق گفتگو کیا کرو"

اس اصول کے مطابق آپ نہایت آسان زبان میں مختصر گفتگو فرماتے تھے اور غیر متعلقہ باتوں کو درمیان میں نہیں لاتے تھے البتہ سمجھانے کے لئے اگر تمثیلات کی ضرورت ہوتی تو اُن سے بھی کام لیتے تھے۔

آپؐ کی محفل میں اکثر جاہل اور عرب بدّو آیا کرتے تھے وہ اکثر آدابِ محفل کا لحاظ کئے بغیر ناشائستہ طور پر گفتگو کرتے تھے اور بے ڈھنگے سوال کرتے تھے۔ مگر آپؐ ان کے سوالات کو نہایت صبر و تحمل اور ٹھنڈے دل سے سنتے تھے۔ ان کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق تسلی بخش جواب دیتے تھے جس سے وہ مطمئن ہو جاتے تھے۔

علم کی آپؐ حد درجہ قدر کرتے تھے۔ آپؐ کے ارشادات مقدسہ کی روشنی میں !

علم و حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے جہاں سے مل جائے اسے حاصل کرنی چاہیئے۔ کیونکہ مومن اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اللہ تعالےٰ جس کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے تم میں سے ایک ادنیٰ مسلمان پر میری فضیلت ہو جو شخص لوگوں کو اچھی تعلیم دیتا ہے اس پر اللہ، اسکے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں اور مچھلیاں سمندر میں دعائے خیر و برکت و رحمت کرتی ہیں۔

الفاظ گن سکتا

تمام اکابر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا اسلوب تفہیم اور معجز طرز بیان عطا کیا گیا تھا جو کسی معلم و مصلح کو نصیب نہ ہوا۔ ایک دن آپؐ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آپؐ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اس میں کیا شک ہے، قرآن تو میری اپنی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی فصاحت کی خود اس طرح تعبیر پیش کی کہ آپؐ قریش میں پیدا ہوئے اور بنو سعد میں پرورش پائی۔ اس سے مراد یہ تھی کہ آپؐ کے اندر دیہات کے جرأت آمیز انداز اور شہر کے لطافت بخش آثار موجود تھے۔ آپؐ کا قریش میں پیدا ہونا اور بنو سعد میں نشو و نما پانا اس پہلو پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپؐ میں عرب کے ہر قبیلہ و گروہ کو اپنے لہجے سے مخاطب کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے۔"

آپؐ ایسے دلکش انداز اور شستہ زبان میں کلام فرماتے کہ سننے والا خواہ کسی بھی دور دراز علاقے سے تعلق رکھتا ہو خود بخود آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپؐ رک رک کر صاف اور واضح کلام فرماتے تھے۔ آپؐ کے قریب بیٹھا ہوا ہر شخص اس کو محفوظ کر لیتا۔ آپؐ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو حضورؐ کے بولے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا۔"

مجلس بے حد سادہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بے حد سادہ تھی ۔ حاضرین میں اگرچہ ایسے باادب حضرات ہوتے تھے کہ بغیر اجازت زبان نہیں کھولتے تھے اور مطلق جنبش نہیں کرتے تھے ۔ ان کے بارے میں راویوں کے الفاظ یہ ہیں کہ سروں پر گویا چڑیاں بیٹھ جاتی تھیں کہ جنبش کی اور وہ اڑیں ۔

مگر گنواروں (بدوؤں) کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آتے ہی پوچھتے ۔

" محمدؐ کون ہیں " ؟

اور جب انہیں بتایا جاتا کہ وہ گورے رنگ والے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں ۔ تو کہتے ۔

" اے ابن عبدالمطلب ! خفا مت ہونا ، میں سختی سے سوال کروں گا اور عجیب عجیب سوال کرتے ۔ مثلاً بتائیے میرے باپ کا نام کیا ہے ؟ یا میرا اونٹ کھو گیا ہے بتائیے کہاں ہے " ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ سوالات صرف تزکیۂ نفس کے متعلق کیے جائیں ۔ لغو اور فضول سوالات کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔ مگر ایسی باتوں کو برداشت ضرور کر لیتے تھے ۔

ایک دفعہ حضورؐ نے بگڑ کر اتنا کہا تھا ۔

" پوچھتے جاؤ جو پوچھنا ہے ، میں سب کا جواب دوں گا "

اور صحابہؓ نے محسوس کیا تھا کہ حضورؐ برہم ہیں ۔

کوئی آداب مجلس سے ناواقف دوران تقریر یا دوسرے کا جواب دیتے میں سوال کرتا تھا تو حضورؐ تقریر جاری رکھتے تھے ۔ حضورؐ سے ایک وقت میں ایک شخص گفتگو کر سکتا تھا ۔

ایک بار آپؐ تقریر کر رہے تھے کہ ایک بدو آیا اور آتے ہی بولا ۔

" قیامت کب آئے گی" ؟

حضورؐ تقریر کرتے رہے ۔ تقریر سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا ۔

" قیامت کے بارے میں کس نے سوال کیا تھا ؟

بدو نے کہا ۔ " میں نے "۔

حضورؐ نے جواب دیا ۔

" قیامت جب آئے گی جب لوگ امانت ضائع کرنے لگیں گے "۔ بدو نے پوچھا ۔

امانت کیونکر ضائع ہوگی ؟ فرمایا :

جب کام نااہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا ۔

یہی بدو حضورؐ کے پاس بیٹھے بیٹھے تمیز سیکھ جاتے تھے ۔

حضورؐ کی مجلس میں نام و نسب یا دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو امتیاز نہیں دیا جاتا تھا ۔ کچھ ایسا برتاؤ ہوتا تھا کہ ایک شخص بھی یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ مجھے دوسروں کی نسبت کم عزت دی گئی ہے ۔

وضع داری

رسولِ خدا بوڑھوں کا احترام فرماتے ۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ضعیف العمر والد کو (جو بینائی سے بھی محروم ہو چکے تھے) بیعتِ اسلام کیلئے آپ کی خدمت میں لائے ۔ فرمایا ۔ انہیں کیوں تکلیف دی ۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا ۔

وضعداری اس قدر تھی کہ مدینہ کی ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا آتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کچھ کہنا ہے ۔ آپ اسے فرماتے ہیں کہ تم چلو ، کسی کوچے میں انتظار کرو ، میں ابھی آتا ہوں ۔ چنانچہ اس کی بات جا کر سنی اور اس کا کام کر کے دیا ۔

نام نہ لیتے تھے

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے کوئی بات چپکے سے کہنے کے لیے اپنا منہ کان مبارک سے لگایا ہو اور آپؐ نے اس آدمی کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سرِ اقدس ہٹا لیا ہو اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپؐ سے مصافحہ کیا ہو، اور آپؐ نے اس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ آپؐ کبھی اور آدمیوں کے سامنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے جس کسی سے ملتے تھے پہلے خود سلام کرتے تھے اور خود مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ جب کوئی شخص آپؐ کے پاس آتا تھا تو آپؐ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اکثر اس کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے تھے اور اسے اپنی نشست پر بٹھا لیتے تھے۔ اور اگر وہ اس پر بیٹھنے سے انکار کرتا تو آپؐ اصرار فرماتے اور اُسے اُسی پر بیٹھنے کے لیے مجبور کرتے تھے۔ آپؐ تعظیماً و احتراماً اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ ان کو کسی کنیت سے خطاب فرماتے اور ان کو نہایت محبت آمیز اور پسندیدہ ناموں سے یاد کرتے تھے۔ آپؐ کبھی کسی کا قطع کلام نہیں کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص نازیبا بات کہتا تو آپؐ یا تو اُسے منع فرماتے یا اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تاکہ وہ خود ہی رُک جائے۔“

جیسے بادل کی ٹھنڈک

تمکین و وقار ایسا کہ کبھی قہقہہ نہ مارتے، صرف تبسم فرماتے، اکثر سکوت میں رہتے اور صرف ضرورت کے وقت بات کرتے تھے۔ بات کا آغاز کرتے یا بات ختم کرتے وقت ہی منہ کھولتے تھے۔ آپؐ کا کلام چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتا تھا جو واضح اور فیصلہ کن اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں نہ توفالتو بات ہوتی اور نہ کسی کمی یا کوتاہی کا احساس ہوتا نہ تو آپؐ سخت طبیعت تھے اور نہ ناقص مزاج۔ چھوٹی چھوٹی نعمتِ خُداوندی کی بھی قدر کرتے تھے اور کسی بھی نعمت کو بُرا نہ کہتے تھے۔ البتہ کھانے پینے کی چیز کی نہ تو اچھائی بیان کرتے اور نہ بُرائی۔ دنیا اور اس کی باتوں پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آیا۔ مگر جب حق و صداقت پر حرف آنے لگے تو پھر آپ کے غیض و غضب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جب تک حق کا بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ اپنی ذات کے لیے نہ تو آپؐ ناراض ہوتے تھے اور نہ لڑتے جھگڑتے تھے جب ناراض ہوتے تو منہ دوسری طرف پھیر لیتے۔ جب خاموشی کا اظہار مقصود ہوتا تو آنکھیں موند لیتے تھے۔ آپؐ کے ہنسنے کی انتہائی حد ایک مسکراہٹ تھی۔ آپؐ مسکراتے ہوئے یوں لگتے تھے جیسے بادل کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

موقع محل کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو موثر بنانے میں افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے عصر کے بعد صحابہؓ کرام کو دُنیا کی بے ثباتی اور قربِ قیامت کے بارے میں وعظ فرمایا۔ تقریر کرتے کرتے جب نگاہ نبوت نے ڈوبتے ہوئے سُورج کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً ارشاد ہوا۔

دنیا کی گذشتہ عُمر کے مقابلے میں اب اس عمر کا حصّہ اتنا ہی باقی رہ گیا ہے۔ جتنا آج کے دن کے گذشتہ وقت کے مقابلے میں اب غروب آفتاب کے وقت میں یہ وقفہ رہ گیا۔

شاہی لباس

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ایک شاہی لباس لے کر آئے ۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف حصّوں سے وفود حاضر ہوا کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی، یارسُول اللہ آپؐ یہ شاہی عبا خرید لیں تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپؐ کی خدمت میں آئیں تو آپؐ اس کو پہن لیا کریں ۔ یا جمعہ کے دِن جو گویا مسلمانوں کے دربار عام کا دِن ہے ۔آپؐ اس کو پہن لیں ۔

اس وقت حضرت عمرؓ کی نظر اسلام کے لیے اس ظاہری جاہ وجلال اور تزک و احتشام پر گئی جس کے شاہانِ وقت عادی تھے ۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا کہ مسلمانوں کا پیشوا شاہانہ جاہ و جلال کے اظہار کے لیے مبعُوث نہیں ہوا ۔آپ نے فرمایا جو شخص اس کو پہنتا ہے ، آخرت میں اس کا کچھ حصّہ نہیں ہے ۔

کوئی امتیازی سلوک

جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیر کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہا تھا ۔حضرت مصعب بن عمیر نے دیکھا تو پکار کر کہا ۔

" ذرا مضبوط باندھنا ، اس کی ماں بڑی مالدار ہے اس کی رہائی کے لیے تمہیں بہت سا فدیہ دے گی "

ابوعزیز نے کہا ، تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو ۔؟

حضرت مصعب نے جواب دیا ۔

" اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں گرفتار کر رہا ہے "۔

اسی جنگ بدر میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص گرفتار ہو کر آئے اور ان کے ساتھ رسولؐ کی دامادی کی بنا پر قطعاً کوئی امتیازی سلوک نہ کیا گیا ۔

مزدور کی طرح

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ میں آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اس مسجدِ اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ کی طرح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اور خود اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہ عرض کرتے تھے، ہماری جانیں قربان آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہہ جم گئی تھی۔

تعظیمی الفاظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند"!

آپ نے فرمایا، "لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمھیں گرا نہ دے میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ"۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یا خیرالبریۃ (یعنی اے بہترینِ خلق) کہہ کر مخاطب کیا آپ نے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے"۔

دُودھ دوھ دیا کرتے

خبابؓ بن ارت ایک صحابی تھے ۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا ۔ خبابؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپؐ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوھ دیا کرتے ۔

آپؐ کا یہ حال

ایک بار حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حجرہ میں حاضر ہوئے جہاں آپؐ کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں ۔ دیکھا تو آپؐ ایک چمڑے کے تکیہ سے جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی ٹیک لگائے ہوئے ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مُبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں ۔ حجرہ میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا گھر کا سامان نظر نہ آیا ۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے ۔ اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں بھر آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا ۔ عرض کہ : ۔ اے اللہ کے رسُولؐ ! میں کیوں نہ روؤں جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مُبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپؐ کے گھر کا سارا سامان میرے سامنے ہے ۔ اُدھر قیصر و کسریٰ ہیں جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں ، اور حضور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا یہ حال ہے ۔"

ارشاد ہوا کہ " اے ابن خطاب ! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دُنیا " ؟

باضابطہ نگرانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ صحابہؓ کو سناتے تھے یا کر کے دکھاتے تھے اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر نہ رہ جاتے تھے کہ تم بھی ان کو یاد رکھنا یا کرنا بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کی جاتی ہے، مہمات شریعت اور بنیادی امور کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا یہ حال تھا کہ ایک معمولی بات یعنی ایک صحابیؓ کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو تو یہ دعا پڑھ کر سویا کرو۔ صحابیؓ نے آخری فقرہ "ایمان لایا میں اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا" میں نبی کے لفظ کو رسول کے لفظ سے بدل دیا جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں لیکن آپ نے چونکہ اپنی زبان مبارک سے نبی کا لفظ ادا فرمایا تھا حکم ہوا کہ میں نے یہ نہیں کہا وہی کہو جو میں نے بتایا۔ ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت ان شرعی حقائق کی نہیں ہے، جنہیں فرض و واجب کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے تو بعض اوقات اس کو تین دفعہ دہراتے، غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی مقصد کو تھا۔

جواب ملتا "کچھ نہیں"

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپؐ نے کبھی نہیں رکھا صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے۔ اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپؐ روزہ سے رہتے، سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ کبھی روزہ نہ توڑیں گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ کبھی روزہ نہ رکھیں گے۔ اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے۔ آپؐ کبھی گھر میں تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا "کچھ نہیں۔ آپؐ فرماتے تھے تو میں آج روزے سے ہوں۔ کبھی کبھی کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے، بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپؐ کی تقلید کرنی چاہی تو آپؐ نے منع فرمایا۔

ہم ایسی قوم ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر چھنے آٹے کی روٹی پسند فرماتے تھے۔ زیادہ پتلی اور میدے کی چپاتی پسند نہ فرماتے، بہت زیادہ گرم کھانا جس میں سے بھاپ نکلتی ہو نہ کھاتے بلکہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار فرماتے۔ گرم کھانے کے بارے میں کبھی فرماتے کہ خدا نے ہم کو آگ نہیں کھلائی ہے اور کبھی ارشاد فرماتے گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔

رقت طاری ہوئی

آپ کی سب سے بڑی بیٹی زینب کی شادی حضرت خدیجہ کے بھانجے ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی سی لڑکی امامہ جو بعض اوقات نماز میں حضور کی پیٹھ پر سوار ہو جاتی تھی۔ زینب ہی کی بیٹی تھی۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص بھی کفار مکہ کے ہمراہ شریک ہوا تھا اور قید ہوگیا۔ حضرت زینب نے انہیں رہا کرانے کے لئے اپنا ہار بطور فدیہ حضور کے پاس بھیجا۔ حضور نے ہار کو دیکھا تو اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ آپ نے ابوالعاص کو رہا کر دیا اور ہار واپس بھیجدیا اور ابوالعاص سے فرمایا کہ یا تو اسلام لاؤ اور یا میری بیٹی کو میرے پاس بھیجدو۔ چنانچہ اس نے یہ بات مان لی۔ حضور نے زید بن حارثہ کو اس کے ساتھ کر دیا اور وہ چند روز بعد حضرت زینب کو مدینے میں لے آیا۔ حضرت زینب کی وفات ۸ھ میں ہوئی تھی اور خود حضور نے اسے قبر میں اتارا تھا۔

واسطہ نہیں

بعض صحابہ نے رہبانیت اور دُنیا سے قطع تعلق اختیار کرنے کا ارادہ کیا آپؐ سخت غضبناک ہوئے اور اس سے باز رکھا۔ ایک اور شخص نے ارادہ کیا کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا۔ آپؐ نے اس کو منع کر دیا، آپؐ نے فرمایا اس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی اس اُمت کے لیے روحانی ترقی کا راستہ ترکِ دُنیا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے اور یہ اُمت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہِ خُدا میں جہاد کر کے اِن کا مقابلہ کرتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک صاحب نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دُوسرے نے کہا، مَیں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سُنیں تو فرمایا! " خُدا کی قسم مَیں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جن کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس کا مُجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

جو دھوکا دے

ایکدفعہ آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک غلّہ کا ڈھیر پڑا دیکھا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہُوا کہ اندر سے بھیگا ہُوا اور باہر سے سوکھا ہے۔ آپ نے غلّہ والے سے پوچھا " کہ یہ کیا ہے"؟

عرض کیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ فرمایا تو پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیں جو دھوکا دے وہ مجھ سے نہیں، اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ تجارت میں بہت سی قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ اس طرح پہلے کامیابی ہوتی ہے۔ پھر بے برکتی ہو جاتی ہے۔

کیسے سو سکتا ہوں

بدر کے قیدیوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس (جو بعد میں مسلمان ہوئے) بھی تھے۔ حضرت عباس رات کو قید کی تکلیف سے کراہتے تھے۔ ان کی آواز آپؐ کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی اور بہت پریشان سے ہو گئے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نیند کیوں نہیں آرہی؟

ارشاد ہوا کہ "میں کیسے سو سکتا ہوں جب کہ چچا بزرگوار تکلیف سے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی ہے۔"

یہ سب کچھ تھا مگر مساواتِ اسلامی اس امر کی اجازت نہ دیتی تھی کہ اپنے ضعیف العمر بزرگوار کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ جس طرح سب سے فدیہ لیا گیا اُن سے بھی اسی طرح وصول کیا گیا، بلکہ عام قیدیوں سے کچھ زیادہ، کیونکہ عام قیدیوں سے چار ہزار اور امراء سے کچھ زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس بھی رئیس تھے۔ اس لئے ان کو بھی چار ہزار درہم سے زیادہ دینا پڑا۔

ہار اتار کر بیچ ڈالا

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعے سے ظاہر نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا:۔

"اے فاطمہؓ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے"

حضرت فاطمہ نے اسی وقت وہ ہار اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔

ایک ایک جنبش

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم خواہ تنہائی میں ہوں یا مجمع میں ہوں یا میدان جہاد میں، نماز شبانہ مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں ہر وقت ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظرِ عام پر لائی جاتے، ازواجِ مطہراتؓ آپ کی گھریلو زندگی کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں۔ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ عقیدتمندوں کے لیے تھا جن کے رہنے کو گھر نہ تھے وہ باری باری سے دِن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپؐ کے ارشادات سُنتے، آپؐ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لیے صرف کرتے تھے ان کی تعداد ستر کے قریب تھی انہی میں حضرتِ ابو ہریرہؓ ہیں۔ جن سے زیادہ کسی صحابیؓ کی روایات نہیں، یہ ستر ہستیاں معتقد جاسوسوں کی طرح شب و روز، ذوق و شوق کے ساتھ آپؐ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک لگاتار آپؐ کی ایک ایک حرکت و ٹھہراؤ اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ کو شب و روز آپؐ کے دیکھنے اور آپؐ کے حالاتِ مُبارکہ سے واقف ہونے کا موقعہ ملتا تھا، غزوہ فتح میں ۱۰ ہزار تبوک میں ۳۰ ہزار اور حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہؓ کو آپؐ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے اور گھر اور باہر صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدانِ جنگ تک میں جس نے جس حال میں آپؐ کو دیکھا اس کی اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت بلکہ اور تاکید تھی۔ اب انسان سمجھ سکتا ہے کہ آپؐ کی زندگی کا کون سا پہلو ہوگا جو چھپا رہے گا اور اس پر بھی ایک شخص تک آپؐ پر نکتہ چینی نہ کر سکا۔

رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا

آپؐ کا ارشاد ہے کہ خُدا نے معدہ سے بڑھ کر کوئی وسیع ظرف پیدا نہیں کیا۔ یہ کبھی نہیں بھرتا۔ اس لیے مناسب ہے کہ معدہ کے تین حصّے کیے جائیں۔ ایک حصّہ غذا کے لیے ایک حصّہ پانی کے لیے اور ایک حصّہ سانس کی آمدورفت کے لیے۔ ڈکار سے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت تھی۔ ڈکار کی آواز سُن کر فرماتے تھے کہ اتنا کیوں کھاتے ہو۔ آپؐ نے رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا ہے چونکہ وہ جلد بڑھاپا لاتا ہے۔ بدبودار چیز کھاکر مسجد میں آنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

آج اناجوں اور پھلوں کے چھلکوں میں بہترین اور نہایت ضروری اجزا کی موجودگی کی سائنس تصدیق کرتی ہے۔

آپؐ بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے تھے اور زیادہ تر جو کی روٹی استعمال فرماتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا کہ سیال غذاؤں میں سب سے اچھا دُودھ ہے۔ آپؐ کو شہد بھی بہت پسند تھا۔

آپؐ نے برتن کے اندر سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ آپؐ کسی مشروب کے پینے کے دوران برتن سے باہر تین بار سانس لیا کرتے تھے۔ کیونکہ اِنسان کے اندر سے سانس کے ذریعہ جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ مضرِ صحت ہوتی ہے اس لیے یہ بھی حکم دیا گیا کہ گرم کھانے کو منہ سے پھونک مار کر ٹھنڈا نہ کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے اور حفظانِ صحت کا ایسا جامع اصُول ارشاد فرمایا جس کی مثال کسی طب، کسی سائنس اور کسی ازم میں نہیں ملتی۔ فرمایا "ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے"۔

پکار کر کہہ دو

بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی ہوتا ہے۔ اس لیے والٹیر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں بن سکتا۔

باسورتھ اسمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں۔ گبن نے لکھا ہے کہ "تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیرؤوں کا اس قدر امتحان نہیں لیا، جس قدر محمدؐ نے" انہوں نے یکایک اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی اپنے سب سے قریبی دوست کے سامنے' اور ان سب نے بغیر کسی پس وپیش آپ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کرلیا۔

بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا مگر یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر سب سے پہلے آپؐ ہی کی بیوی ایمان لائیں وہ نبوت سے پندرہ سال تک آپؐ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں اور آپؐ کے ہر حال اور کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں اور باوجود ان سب باتوں کے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہوں نے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا' بڑے سے بڑا انسان بھی جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ وہ اس کو یہ کھلی اجازت دے دے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو مگر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ عام اجازت تھی کہ علیحدگی میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ سب کے سامنے برملا بیان کر دو۔ جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو، جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو، اس اخلاقی پختگی اور اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے۔

دردناک صدائیں

غزوۂ اُحد میں چند لوگوں کی لغزش سے مُسلمانوں کو بڑے مصائب کا سامنا پڑا۔ کفار کی ناگہانی یلغار سے اسلامی جمعیت درہم برہم ہوگئی اور ستر مُسلمان شہید ہو گئے یہ بڑا نازک اور پریشانی کا وقت تھا ہر طرف سے زخمیوں کی دردناک صدائیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ دشمنوں کا جذبۂ عداوت شہدا کی لاشوں تک سے انتقام لے رہا تھا۔ مُسلمانوں پر بدحواسی طاری تھی۔ لیکن ایسے نازک وقت میں بھی خُدا کے سچے پیغمبر کے ثبات و استقلال میں فرق نہ آیا اور آپ صرف خُدا پرستی، توحید اور غیرت دینی کا سبق دیتے رہے۔

چنانچہ مخالف کیمپ سے جب ابُوسفیان نے للکار کر کہا کیا قوم میں محمدؐ موجُود نہیں؟ تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا "جواب نہ دو" ابوسفیان نے دوبارہ آواز دی! کیا قوم میں ابنِ ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟ آپؐ نے پھر فرمایا خاموش رہو۔

تیسری مرتبہ ابوسفیان نے عمرؓ بن خطاب کا نام لیا۔ آپؐ نے اس دفعہ بھی فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ اس خاموشی پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا "یہ لوگ مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے"۔ جب تک غیرتِ نفس کا سوال تھا۔ اس وقت تک آپؐ نے جواب دینے سے منع فرمایا۔

لیکن جب ابوسفیان نے (اعل ہبل) اہبل کی جے کا نعرہ لگایا تو آپ نے فرمایا "تم بھی کہو (اللہ اعلیٰ و اجل)" اللہ بلند و برتر ہے۔

جب ابوسفیان نے یہ مشرکانہ نعرہ لگایا (لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم) اور ہمارے لیے عزّیٰ (بت کا نام) ہے اور تمہارے لئے نہیں ہے تو آپؐ نے پھر صُحابہؓ سے فرمایا "تم جواب دو (اللہ مولانا ولا مولا لکم)"، اللہ ہمارا مالک ہے اور تمہارا کوئی مالک نہیں۔ اس واقعہ میں آپؐ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ ان کی جدوجہد انتقامِ ذاتی اور غیرتِ نفس کے جذبہ کی تسکین کے لیے نہیں بلکہ محض اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہے۔

جہاں جگہ مل جاتی

غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور انکے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اُٹھو" غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جاکر ان کے ساتھ بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا، پر کوئی آپؐ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مِل جاتی بیٹھ جاتے۔

حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے

مسجد نبوی کے پاس حضرت عباسؓ کا مکان تھا۔ اِسی مکان کے چھت میں ایک پرنالہ تھا جمعہ کی نماز کے لیے کپڑے بدل کر حضرت عمرؓ خلافت کے زمانہ میں مسجد جارہے تھے۔
اسی دِن مرغی کے بچے حضرت عباسؓ کے لیے ذبح کیے گئے تھے۔ ان بچوّں کے گوشت وغیرہ کے دھونے کا خون اور آلائش چھت سے کسی نے بہا دیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ پرنالے کے پاس سے گزر رہے تھے۔ سارا پانی ان کے جسم پر گرا، اس وقت اچانک ایسی حالت ہوگئی کہ آدمی کو بلواکر خود اپنے ہاتھ سے اس پرنالے کو اکھڑوا دیا۔ حضرت عباس کو جب خبر ہوئی تو اور کچھ نہ بولے صرف اتنا فرمایا کہ اس پرنالے کو براہ راست خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نصب کیا تھا۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے اور قسم دے کر حضرت عباسؓ کو آمادہ کیا کہ عمرؓ کے کندھے پر چڑھ کر اس پرنالے کو اسی جگہ نصب کر دیں۔ جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مُبارک سے اس کو نصب کیا تھا۔ آخر یہی کیا گیا۔

چھوہارے کا ایک ٹکڑا

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ آپؐ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا۔

جس میں یہ آیت پڑھی:۔

"اے لوگو! اس خدا سے ڈرو، جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔

پھر سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی:۔

ولتنظر نفسٌ ما قدّمت لِغَدٍ   "اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔" اس کے بعد فرمایا:۔

"درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا جو ہو راہِ خدا میں دو، مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت ان دنوں بڑی کمزور تھی لیکن اس کے باوجود" آپؐ کی رقت انگیز اور مؤثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابیؓ کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھ دیا، بعضوں نے اپنے کچھ کپڑے اتار دیئے۔ کسی نے گھر کا غلہ لا کر دے دیا ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپؐ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا

زمانہ آج تک قاصر رہا

خلافت راشدہ کا آغاز ہجرت کے بارہویں سال رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت خلافت سے ہوا اور سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت پرختم ہوگیا۔ اس خلافت کا قیام دوسری دینوی بادشاہتوں کی طرح نہ تھا بلکہ اس کی بنیاد روحانیت اور تقویٰ پر تھی۔ اس میں چھوٹے بڑے، غریب امیر، آزاد اور غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ خلیفہ بازاروں میں بغیر کسی پہرہ کے اس حالت میں پھرتا تھا کہ اس کے بدن پر پھٹی ہوئی قمیض اور پاؤں میں ٹوٹا ہوا جوتا ہوتا تھا۔ جب وہ مجلس میں بیٹھتا تھا تو اس کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا عام لوگوں کی طرح نہایت سادہ ہوتا تھا۔ اس طرح خلفائے راشدینؓ نے لوگوں کے سامنے قربانی، اخلاص اور مساوات کی ایک مثال قائم کر دی ایسی مثال جس کا نمونہ پیش کرنے سے زمانہ آج تک قاصر رہا ہے۔

اپنے کفر میں کچے نکلے

جنگ کے بعد جب عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیقؓ مسلمان ہوگئے تو ایک مرتبہ وہ اپنے والد سے مخاطب ہوئے۔

"والدِ محترم جنگِ بدر کے موقع پر لڑائی کے دوران آپ اچانک میری تلوار کی زد میں آگئے تھے لیکن والد سمجھ کر آپ پر حملہ نہیں کیا۔" بیٹے کے والد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) بولے۔ بیٹا تم اپنے کفر میں کچے نکلے۔ اگر تم میری تلوار کی زد میں ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔"

چیلنج کا قبول

غزوہ اُحد کے خاتمے پر جب ابوسفیان نے کوچ کیا تو اس نے زور سے کہا۔

"آئندہ سال بدر میں ہماری تمہاری جنگ ہوگی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں سے ایک آدمی کو فرمایا کہ ابوسفیان سے کہو۔

" ہاں ہم تمہارے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا اور فرمایا۔

" ان کے تعاقب میں جاؤ اور دیکھو کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں ؟
اگر وہ گھوڑوں کو دُور سے جا رہے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہیں تو پھر وہ مکہ واپس جا رہے ہیں اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو پھر وہ مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر یلغار کی تو میں خود کو ان کے مقابلہ کے لیے پیش کروں گا اور ہم ان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیں گے"۔

لیکن ابوسفیان کے ساتھی گھوڑوں کو دور لے گئے اور اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رُخ کیا۔

پھر پورا سال گزر گیا اور چیلنج کے دن آ گئے۔

مسلمانوں کو جنگِ اُحد نے سخت مجروح کر دیا تھا، بہت سے قیمتی صحابہؓ شہید ہو گئے تھے جنگ احد کے نتیجے میں آس پاس کے قبائل بھی شیر ہو گئے تھے۔ مدینہ کے یہودی بھی کھلی کھلی دشمنی پر تُل گئے تھے۔ مسلمانوں کا بدر کا قائم کردہ رعب داب ختم ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے ان حالات میں جب کہ آس پاس کے قبائل مخالف ہوں، یہودی سازشیں کر رہے ہوں، تیاری ناکافی ہو، کسی چیلنج کو قبول کرنا بڑے حوصلے کی بات تھی۔

ان حالات میں بھی نبی اکرمؐ نے ابوسفیان کے چیلنج کے مطابق بدر کے مقام پر جا کر قریش کا مقابلہ کرنے

کا فیصلہ کر لیا اور جہاد کا اعلان کر دیا۔

لیکن ابوسفیان اب مسلمانوں کے مقابلے میں آنے سے گھبرا رہا تھا، چنانچہ اس نے یہ چال چلی کہ مدینہ میں اپنے کچھ حواریوں کے ذریعے یہ افواہ پھیلا دی کہ قریش زبردست تیاریوں میں مصروف ہیں اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ اپنے لاؤ لشکر اور ساز و سامان سمیت مدینہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ مقصد یہ تھا اس طرح مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل جائے اور پھر ان میں لڑائی سے بے دلی پیدا ہو جائے۔

چنانچہ بعض صحابہؓ کی ان افواہوں اور کچھ اپنے حالات کی بنا پر یہی رائے محسوس ہونے لگی تھی کہ مقابلے پر نہ جانا ہی بہتر ہے۔ لیکن حضورؐ کے انقلابی مزاج کے یہ بات بالکل منافی تھی۔

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور قطعی اعلان فرما دیا کہ

"ہم قریش کے مقابلے کے لیے بدر کے مقام پر ضرور جائیں گے"۔

البتہ آپؐ نے حکم دیا کہ چونکہ ہر سال انہی دنوں وہاں بڑا میلہ لگتا تھا اس لیے لوگ تجارتی سامان بھی ساتھ لے چلیں۔ چنانچہ حضورؐ وعدے کے مطابق بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔

لیکن ابوسفیان کو مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی، وہ مکہ سے روانہ تو ہوا تھا مگر ایک ہی منزل چل کر جب مرظہران کے مقام پر پہنچا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

"اس مرتبہ خشک سالی اور قحط بہت زیادہ ہے۔ جانوروں کے لیے چارے اور پانی کی شدید کمی ہے اس لیے مناسب ہے کہ ہم اس سال یہ مہم ملتوی کر دیں"۔

چنانچہ وہ اپنا لشکر لے کر راستے سے ہی واپس چلا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر آٹھ دن قیام فرمایا۔ سارے عرب نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منظر جرأت اور ابوسفیان کی بزدلی اور چیلنج سے فرار اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مسلمان وہاں آٹھ دن تک ٹھہرے رہے، چیلنج والوں کا انتظار کر کے واپس لوٹے۔

چنانچہ لڑائی تو نہ ہوئی لیکن مسلمانوں نے میلے کی وجہ سے وہاں تجارت وغیرہ کر کے کافی فائدہ اٹھایا اور واپس لوٹ آئے۔

معاف کر دیا کرو

معمولی چھوٹے جرائم کی نسبت صحابہ سے فرمایا "آپس میں گناہوں کو معاف کر دیا کرو، لیکن مجھ تک جب وہ واقعہ پہنچے گا تو سزا ضروری ہو جائے گی یعنی جب مرافعہ اور استغاثہ حکومت کے سامنے پیش ہو جائے گا تو پھر سزا ہونا واجب ہے تاکہ حکومت کا رعب دلوں پر قائم رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک صاحب چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ ایک شخص نے چپکے سے چادر اتار لی۔ وہ پکڑا گیا اور عدالتِ نبوی میں پیش کیا گیا۔ آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ جن صاحب کی چادر تھی۔ انہوں نے آ کر عرض کی "یا رسول اللہ کیا تیس درہم کی ایک چادر کے لئے انسان کا ہاتھ کاٹا جائے گا میں یہ چادر اس کے ہاتھ ادھار پر فروخت کر دیتا ہوں"

فرمایا "میرے پاس لانے سے پہلے یہ کیوں نہیں کر لیا"

نرمی

ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا، اتفاق سے اس کو استنجے کی ضرورت لاحق ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا۔ صحابہ یہ دیکھ کر چاروں طرف سے اس کو مارنے دوڑے۔ آپ نے روکا اور فرمایا کہ تم سختی کیلئے نہیں بلکہ نرمی کیلئے بھیجے گئے ہو۔ اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر فرمایا کہ یہ عبادت کے گھر ہیں، یہ نجاست کے لئے موزوں نہیں، یہ خدا کی یاد، نماز اور قرآن پڑھنے کیلئے ہیں۔ پھر صحابہ سے فرمایا کہ اس پر پانی بہا دو!

یہ تحفے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محصول وغیرہ کی وصولی کے لیے تحصیلدار مختلف علاقوں میں بھجوائے۔ عبداللہ ابن اللتبیہ وصولی کر کے لوٹے تو ایک حصہ مال پیش کرتے ہوئے عرض کیا "یہ تو سرکاری مال ہے" اور دُوسرا حصہ دکھاتے ہوئے عرض کیا:۔ اور یہ، کچھ لوگوں نے مجھے تحفۃً دیا ہے"

آنحضرت اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا:۔ "ہمارے متعینہ عہدیداروں کی عجیب حالت ہے ان کا تقرر تو ہم کرتے ہیں لیکن وصول کیا ہوا مال خزانہ (بیت المال) میں جمع کرتے ہوئے وہ دو قسم کا مال بتاتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا مال اپنی تحویل میں علیحدہ رکھ کر کہتے ہیں۔ یہ سرکاری ہے اور یہ میرے لیے تحفہ ہے۔ میں پوچھتا ہوں، ایسے لوگ اگر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں تب بھی کیا انہیں تحفے پیش ہو سکتے ہیں۔ جس خُدا کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت کے روز ایسے عہدیداروں کے حاصل کردہ یہ تحفے ان کی گردنوں سے چپکے ہوئے ہوں گے۔ تحصیلداروں نے یہ سُن کر تمام تحائف خزانہ میں داخل کرا دیئے۔

لوٹ کا مال

عرب میں دورانِ جنگ میں دشمن کے مال اور جائیداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا۔ خاص طور پر جب کہ لشکر کے رسد میں کمی واقع ہو جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو ہر حال میں یہ فعل جائز تصور ہوتا تھا۔ آپؐ نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا۔ ایک انصاری سے روایت ہے کہ "ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور بڑی تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی۔ وہاں اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا۔ سب لوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپؐ موقعہ پر تشریف لاتے تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں، آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی آپؐ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے"

پاؤں دھوتا

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچا دیا جائے۔

چنانچہ آپؐ نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا۔

" اَیُّھَا النَّاس ! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے دیکھو عیسٰی کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو۔"

اس کے بعد آپؐ نے قیصرِ روم، شہنشاہِ عجم، عزیزِ مصر اور روسائے عرب کو اسلام کی دعوت دی اور خطوط بھیجے، قیصر کو بھی نامہ مبارک ملا۔ قیصر نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی رہنے والا شخص مل جائے تو اُسے میرے دربار میں حاضر کرو۔ میں اس سے کچھ پوچھنا اور معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اتفاق کی بات کہ ان دنوں عرب کے تاجر غزہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ابوسفیان جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، ان تاجروں میں شامل تھے۔ قیصر کے حکام ابوسفیان کو اپنے ہمراہ لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔ قیصر نے دربار کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کیا تھا اور خود شاہی تاج پہن کر تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔

اہلِ عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے اس مدّعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے ؟

ابوسفیان نے کہا

" میں "

پھر قیصر نے آپؐ کے بارے میں سوالات شروع کیے۔

قیصر۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ شریف

قیصر۔ اس خاندان میں سے کسی اور نے بھی نبوت کا دعوے کیا تھا ؟

ابوسفیان۔ نہیں !

قیصر۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے ؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر ؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ۔

قیصر۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں ؟

ابوسفیان۔ بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے ؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے ؟

ابوسفیان۔ ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہوا ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں ؟

قیصر۔ تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ؟

ابوسفیان۔ ہاں !

قیصر۔ نتیجہ جنگ کا کیا رہا ؟

ابوسفیان۔ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ

قیصر۔ وہ کیا سکھاتا ہے ؟

ابوسفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قیصر کے دربار میں ابوسفیان کی زبان سے یہ درحقیقت محمدؐ عربی کی تعریف تھی جو بیساختہ ابوسفیان کی زبان سے نکلی اور تمام درباری کہنے والے کا منہ تکنے لگے۔ ابوسفیان رسول اللہؐ کا شدید دشمن تھا۔ وہ قیصر کے سامنے جھوٹ بھی بول سکتا تھا مگر محمدؐ کے نام کی عظمت و تقدیس نے اس کو سچ بولنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ

"تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔
تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعوے نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔
تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔
تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔
تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے۔ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔
تم نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔
تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔
تم کہتے ہو کہ وہ نماز، تقویٰ اور پاکدامنی کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے۔ لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔"

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ کا خط پڑھا جائے ۔

فرمانِ رسالتؐ کے یہ الفاظ تھے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے ، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو رُوم کا رئیسِ اعظم ہے اُس کیلئے سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں ، اسلام لا تو سلامت رہے گا ، خدا تجھ کو دوگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہلِ ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا ۔ اے اہلِ کتاب ! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں "۔

قیصر نے جو ابوسفیان سے گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے ۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہلِ عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نورِ اسلام آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بُجھ کر رہ گئی ۔

اعمال ہی تقدیر

کسی میت کے ساتھ حضورؐ قبرستان تشریف لے گئے۔ وہاں حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا جنتی یا دوزخی ہونا لکھا نہ جا چکا ہو، صحابہ نے کہا تو پھر عمل کس توقع پر کیا جائے! ہم تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں؟ حضورؐ نے فرمایا توکل قوتِ عمل کو معطل کر دینے کا نام نہیں ہے۔ اعمال ہی تقدیر ہیں۔ اللہ جسے اعمال کی توفیق بخشتا ہے وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہے جو جنتی ہوگا وہ جنتیوں کے عمل ضرور کریگا اور جس کی تقدیر میں دوزخ لکھی ہے وہ دوزخیوں کے عمل کرے گا۔

جمال

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہو گا۔ وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ مجھے اچھا کپڑا اور اچھا جوتا بہت پسند ہے مطلب یہ ہے کہ یہ تو غرور میں داخل نہیں، ارشاد ہوا "خدا تو خود بھی جمال کو پسند کرتا ہے غرور یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگوں کی تحقیر کی جائے۔

اِسلام میں صاف ستھرا رہنے کا جو حکم ہے۔ طہارت اور پاکیزگی کے علاوہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مُسلمان دوسروں کی نظروں سے نہ گرنے پائے۔ کیونکہ گندے آدمی سے ہر ایک کو نفرت ہوتی ہے۔

ایک بار آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال اُلجھے ہوئے تھے، تو فرمایا "کیا اس کے پاس بال ہموار کرنے کا سامان نہ تھا، ایک شخص کے میلے کپڑے دیکھے تو فرمایا "کیا کپڑے دھونے کے لیے اس کو پانی میسر نہ تھا" ایک شخص نہایت کم حیثیت کپڑے پہن کر آیا، فرمایا۔ "تمھارے پاس کچھ مال ہے"؟ اس نے کہا اونٹ، بکری، گھوڑے سب کچھ ہے، ارشاد ہوا کہ "جب خُدا نے تم کو مال دیا ہے۔ تو خُدا کے فضل اور احسان کا اثر تمھارے جسم سے بھی ظاہر ہونا چاہیئے"۔

حیا

آپ کی حیا اتنی اعلیٰ درجہ کی تھی کہ آپ کسی کو نادم و شرمسار ہوتے ہوئے دیکھنے سے بھی شرم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جس پر زعفران یا کسی ایسی ہی چیز کی زردی کا نشان تھا۔ اگرچہ آپ اپنی امت میں اس قسم کے زنانہ پن کے بناؤ سنگار پسند نہ فرماتے تھے۔ لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہیں کہا۔ البتہ جب وہ چلا گیا تو اور حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ "اگر تم اس سے اس کے دھو ڈالنے کے لیے کہتے تو اچھا ہوتا"۔

رحم

ہبار بن اسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے۔ اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہوا ہے مکہ کی فتح کے موقعہ پر اس کے قتل کا حکم جاری کیا جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پہ حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ یارسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر مجھے حضور کا رحم وکرم یاد آیا میں حاضر ہوں میرے جرائم کی جو خبریں آپؐ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست ودشمن کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

پہلے انہیں پلاؤ

حذیفہ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں میرے چچازاد بھائی زخمی ہوکر گرے تو تھوڑا سا پانی لے کر ان کو تلاش کرنے چلا تاکہ ان کو پلا دوں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کو پایا ان کی آخری حالت دیکھی، میں نے اشارے سے دریافت کیا کہ "پانی پلاؤں"؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔ میں پلانے ہی کو تھا کہ قریب سے آہ کی آواز آئی۔ میرے بھائی نے اشارہ سے کہا کہ "پہلے انہیں پلاؤ"۔ میں ادھر گیا تو دیکھا کہ ہشام بن العاص مجروح پڑے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ان کو پانی پلاؤں۔ اتنے میں ایک اور طرف سے آہ کی آواز آئی۔ ہشام نے اشارے سے کہا کہ "پہلے انہیں پلاؤ"۔ میں وہاں گیا تو وہ اب تک جاں بحق ہو چکے تھے۔ لوٹ کر ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی انتقال فرما چکے تھے۔ پھر اپنے بھائی کے پاس آیا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔

عملی ہمدردی

زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف کا بڑا حصہ غریبوں اور حاجتمندوں کی امداد ہے۔ انسانیت کا یہ وہ طبقہ ہے جس کے ساتھ تمام مذہبوں نے ہمدردی کی ہے اور اس کی تسلی اور تسکین کے لیے دُوسری دُنیا کی توقع اور اُمید کے بڑے بڑے خوش آیند الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی زندگی کی یہ تلخی محض اہل مذاہب کی شیریں کلامی سے دور نہیں ہو سکتی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے پہلے اور وہی پچھلے پیغمبر ہیں، جنہوں نے اس طبقہ کے ساتھ اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت دیا اور اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو کم کرنے کے لیے عملی تدابیر جاری اور نافذ فرمائیں، خود اپنی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی صُورت سے بسر کی اور دُعا فرمائی کہ ”خُداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اُٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا انجام کر۔“

آپؐ کے گھر کا چبوترہ ' (صفہ) غریبوں اور مسکینوں کی پناہ کا سایہ تھا، وہی آپؐ کی بزم قدس کے مقرب درباری اور اسلام کے معرکوں کے مخلص جانباز تھے۔ آپ کی نظر میں کسی انسان کی غربت اور تنگدستی اس کی ذلت اور رسوائی کے ہم معنی نہ تھی، نہ دولت و امارت عزت و وقار کے مترادف تھی۔ صرف نیکی اور پرہیز گاری، فضیلت و بزرگی کا اصلی معیار تھی، حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ ”مُبارک ہیں وہ جو دِل کے غریب ہیں کیونکہ آسمانوں کی بادشاہت ان ہی کی ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ اختصار کے ساتھ اس مطلب کو ادا فرمایا: جو دولت مند ہیں وہی غریب ہیں اس کے دُوسرے معنی یہ ہوتے کہ جو غریب ہیں وہی دولتمند ہوں گے۔

پھر انہوں نے خوشخبری دی کہ غریب (جن کو خُدا کے آگے اپنی کسی دولت کا حساب نہیں دینا ہے) دولت والوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

ضمیر پکار اٹھا

حضرت عدی بن حاتم نے عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا ۔ لوگوں کی زبانی ان تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات پہنچے تو وہ اس تذبذب میں مبتلا ہو گئے کہ حضورؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ وہ اپنے قبیلہ کے وفد کے ترجمان کی حیثیت سے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے ۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مسکین عورت وہاں آئی ۔ اس کے آنے کا مقصد حضورؐ کی خدمت میں کچھ عرض معروض کرنا تھا ۔ حضورؐ نے گلی میں کھڑے ہو کر اس کی عرضداشت کو سُنا اور اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک وہ عورت خود نہیں چلی گئی ۔

بن حاتم کا یہ منظر دیکھ کر وہ تذبذب اور شک دُور ہو گیا ، ان کا ضمیر پکار اٹھا کہ حضورؐ پیغمبر ہیں بادشاہ نہیں ہیں ۔

اب ہر مصیبت

جنگ احد کے دوران ایک مسلمان عورت کو خبر ملتی ہے کہ اس کا بھائی شہید ہو گیا ہے ۔ اس نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ راہِ خدا میں کام آیا ۔ پھر باپ کی شہادت کی خبر ملی ۔ اس نے دوبارہ خدا کا شکر ادا کیا ۔ پھر شوہر کے شہید ہونے کی اطلاع ملی ۔ اس نے کمال صبر کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہا اور اشتیاق کے ساتھ پوچھا :

"کہ جلدی سے بتاؤ ۔ خدا کا رسولؐ تو زندہ ہے نا ۔"

جب ان کی خیریت کی طرف سے اطمینان ہو گیا ۔ تو کہا ۔

الحمد للہ ! اب ہر مصیبت برداشت کر سکتی ہوں ۔"

دُکھ سے نجات

آج مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے۔ لیکن اس عظیم الشان مادی ترقی کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی خاص قسم کے عدمِ توازن کا شکار ہو چکے ہیں اور انہیں کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ہو جائے۔ اور یہ پیغام رحمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات قرآن مجید اور سیرت نبویہ میں موجود ہے رحمتِ پروردگار کے وجود کی پہچان اور سرمایہ مسرت و سعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملہ دُکھوں کی دوا بھی، اس میں تسلی اور غم کا علاج بھی ہے، مگر مربیانہ تربیت اور معلمانہ بشارت کے ساتھ انداز بغرض اصلاح بھی ہے بہرحال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلبِ انسانی دکھ سے نجات پاکر اطمینان حاصل کر سکے بلکہ اس سے بڑھ کر دلوں میں شادابی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ جو کسی قدر توانائی اور نشو نما کی صلاحیت کی ضامن ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغام میں یہ سب باتیں موجود ہیں۔

ایک نہیں دو پتھر

مدینہ کے محدود ذرائع و وسائل پر جب مہاجرین کی روزانہ بڑھتی ہوئی آبادی کا بوجھ پڑنے لگا اور لُٹے پٹے و بے سہارا لوگ اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ تو اکثر مسلمانوں کی غربت کا یہ عالم تھا کہ انہیں کھانے کو بھی کچھ میسر نہ تھا۔ اس آزمائش میں رسولِ خدا اور آپ کے گھر کے لوگ سب عام ساتھیوں کے برابر شریک تھے۔ غربت اور بھوک کے اس دور میں رہی سہی کسر بیماری نے پوری کر دی بخار کی ایک وبا پھیل گئی اور یہ بخار بڑا ہٹیلا اور موذی ثابت ہوا، ایک تو لوگوں کو مدینے کی نئی آب وہوا راس نہ آئی تھی اور ان کی طبیعت پہلے سے ہی خراب تھی اور اُوپر سے بخار کی وبا نے آلیا اور ساتھ ہی فاقے، کچھ غذا ملتی تو وہ بھی ناقص۔ چنانچہ اکثر مسلمان ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گئے۔ ایک طرف اسلامی تحریک کی کشتی مشکلات اور مخالفتوں کے طوفانوں میں پھنسی ہوئی تھی، اور نئی اُبھرنے والی اسلامی ریاست ہر پہلو سے اپنی تکمیل کے لیے محتاج تھی۔ مدینہ کے اندر اور باہر دشمنوں اور منافقوں سے بڑے خطرات تھے۔ تحریک کے ہراول دستے کو بیماری نے آلیا، اور فاقوں کے ساتھ ساتھ تن ڈھانکنے کو کپڑے کا بھی پورا انتظام نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس مرحلے کو چھوٹی سی انقلابی جماعت نے جس قوت اور جذبے کے ساتھ پار کیا۔ وہ اللہ پر ایمان، مقصد کی محبت اور آپس میں بے پناہ اخوت کے جذبے کی طاقت تھی۔

حضرت ابو طلحہؓ مصیبت و آزمائش کے اس دور کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بھوک کی مصیبت میں گھل گھل کر جب تنگ آ گئے تو سہارا حاصل کرنے کے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، حال بیان کیا اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ کئی روز کے فاقے کی وجہ سے (معدے

میں ہونے والی ایک خاص جلن کو روکنے کے لیے) پتھر باندھ رکھے تھے۔ اس پر تاریخ کی اس عظیم ترین ہستی نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا کہ ایک نہیں دو دو پتھر بندھے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر اپنا دکھڑا بیان کرنے والوں کی تسلی ہو گئی۔

ایک مرتبہ اسی حال میں حضرت ابوبکرؓ بے وقت آئے اور خواہش تھی کہ ذرا دل کی تسلی کے لیے اپنی تکلیف بیان کریں۔ مگر پھر خیال ہوا کہ اس سے سرورِ عالم کو خوامخواہ مزید پریشانی ہو گی۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ بھی آ پہنچے۔ وہ بھی اسی امتحان کا شکار تھے۔ آنے کی وجہ پوچھی گئی، تو انہوں نے صاف صاف عرض کیا کہ بھوک کے مارے بے تاب ہوں۔ حضورؐ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ میرا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے۔ طے پایا کہ اپنے رفیق ابوالہیثم کے ہاں چلیں۔

ابوالہیثم باغات کے مالک اور خوشحال تھے، تینوں اپنے رفیق کے ہاں پہنچے تو بیچارے خادم نہ ہونے کے سبب خود ہی پانی لینے گئے ہوئے تھے، آئے تو فرطِ مسرت سے لپٹ گئے۔ پھر باغ میں لے جا کر کپڑا بچھایا اور کھجوریں توڑ کر حاضر کیں، کھجوریں کھا کر ان فاقہ کشانِ راہِ حق نے ٹھنڈا پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کرتے اور ابوالہیثم کے لیے دعائے خیر کرتے واپس ہوئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک موقع پر بیان کیا کہ تحریکِ محمدیؐ کا میں ہی وہ رُکن ہوں جس کے ہاتھ سے ایک دُشمنِ حق کا پہلا خون گرا، میں ہی ہوں جس نے جہاد میں پہلا تیر پھینکا۔ ہم لوگوں نے ایسی حالت میں جہاد کیا ہے کہ ہم درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے اور اس وجہ سے مُنہ کے کنارے زخمی ہو جاتے تھے۔

حضورؐ کے رفیقِ خاص حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ "ایک زمانہ تھا کہ جب میں منبرِ نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بھوک اور فاقہ کی شدت کے مارے بیہوش پڑا تھا اور لوگ مجھ کو جنون زدہ سمجھ کر (بطورِ علاج) پاؤں سے میری گردن دباتے تھے۔ حالانکہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا وہ محض بھوک کا عالم ہوتا تھا۔

صرف بانٹنے والا ہوں

سلطنت کے مفتوحات اور مال و دولت کو دنیا کے حکمرانوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملکیت سمجھا اور اپنے ذاتی و خاندانی عیش و آرام کے سوا اُن کا کوئی دوسرا مصرف اُن کے نزدیک نہ تھا اور اگر وہ دوسروں کو کچھ دیتے تھے تو اس کو اپنا احسان سمجھتے تھے۔ لیکن جو نظام سلطنت اسلام نے قائم کیا اس میں سلطنت کا مال اللہ کا مال کہلاتا تھا۔ اور وہ صرف بیت المال کی ملکیت تھا اور مسلمانوں ہی کے لیے تھا۔ زکوٰۃ۔ صدقہ۔ خراج اور جزیہ جو کچھ وصول ہوتا تھا۔ وہ اگرچہ بحیثیت امیر سلطنت سب کا سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آتا تھا۔ لیکن آپ نے کبھی اس کو اپنا نہیں سمجھا اور نہ کبھی اس کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے بلکہ اسے عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ زکوٰۃ کی ساری رقم اپنے اور اپنے سارے خاندان بنو ہاشم پر حرام فرمادی اور بحکم الٰہی عام غربا اور ضرورتمندوں کا حق قرار دیا اور اس کا اعلان فرمایا:۔

قال ما اوتیکم من شئ وما امنعکم ان انا الا خازن اضع حیث ما امرت ترجمہ: میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں جس موقع پر خرچ کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ وہاں خرچ کرتا ہوں۔

دوسرے موقع پر فرمایا:۔

انما انا قاسم واللہ یعطی۔ میں صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا تو خدا ہے۔

بڑی قربانی نہیں

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہ کی بہن) شکست کی خبر سُن کر مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ وہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں۔ لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز و مشفق اور بہادر بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بدلہ لیا۔ ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہندہ (حضرت امیر معاویہ کی ماں) نے ان کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اُتر نہ سکا اس لیے اُگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔

جنگ اُحد میں مسلمانوں کی طرف سے ستر آدمی مارے گئے۔ جن میں زیادہ تر انصار تھے، لیکن مسلمانوں کی غربت کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہدا کی پردہ پوشی ہو سکتی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے ان کا پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتا۔ آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے۔ یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد میں بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آجاتا تو آنکھیں تر ہو جاتیں، شہدا غسل کے بغیر اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے۔

آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گزرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہو گئی اور اس طرح آپ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا کہ مسلمانو! "تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔"

جنگ کی صفیں نماز کی صفیں

ایک رات میدانِ جنگ میں ایک پہاڑی پر دو صحابیؓ پہرہ دینے کے لیے متعین ہوتے ہیں، ایک صاحب سو جاتے ہیں اور دُوسرے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دشمن ان کو تاک کر تیر مارتا ہے جو بدن میں آر پار ہو جاتا ہے۔ کپڑے خُون سے تر ہو جاتے ہیں مگر نماز میں محوّیت اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نماز تمام کر کے اپنے ساتھی صحابہؓ کو بیدار کرتے ہیں اور واقعہ سُناتے ہیں، ساتھی کہتے ہیں کہ تم نے اس وقت مجھے کیوں نہ جگایا جواب ملتا ہے۔ مَیں نے ایک پیاری سی سورۃ شروع کی تھی۔ دِل نے گوارا نہ کیا کہ اس کو ختم کیے بغیر نماز توڑ دوں۔

اس سے بھی زیادہ پُر اثر منظر یہ ہے کہ دشمنوں کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں، تیروں کا مینہ برس رہا ہے، نیزوں اور تلواروں کی بجلیاں ہر طرف کوند رہی ہیں۔ سر اور گردن اور دست و بازو کٹ کٹ کر گر رہے ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آجاتا ہے، فوراً جنگ کی صفیں نماز کی صفیں بن جاتی ہیں اور ایک اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ موت و حیات سے بے پرواہ ہو کر گردنیں جھکنے اور اٹھنے لگتی ہیں۔

موت نہیں حیات

خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور تنہا زندگی اسلام نہیں ہے اسلام جد و جہد سعی و عمل اور سرگرمی ہے وہ موت نہیں حیات ہے۔

قرآن کریم کا فرمان یہ ہے :-

"انسان کے لیے وہی ہے جو وہ کوشش کرے۔" (نجم ۳)

اور "ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں رہن ہے۔" (مدثر ۱)

اسلام عمل ہے، ترک عمل نہیں، ادائے واجبات ہے، عدم واجبات نہیں، ادائے فرض ہے۔ ترکِ فرض نہیں۔ اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کرام کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی، جن کا نقشہ یہ ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت تر، آپس میں رحم دِل ہیں ان کو دیکھو کے وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ خُدا کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ (فتح ۴۱)

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے۔ آپس میں برادرانہ مُحبت کے جذبات بھی ہیں۔ خُدا کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں اور پھر دنیا میں خُدا کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں "خُدا کی مہربانی" (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاشرت کو کہتے ہیں۔ اس رزق اور مُعاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خُدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

(سورہ نور ۱۵)

تجارت خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہے اور خُدا کی یاد بھی قائم ہے وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے۔ بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔

غلام

خاندان کے رکن بن گئے

انسان نے انسانوں کو جو براہ راست غلام بنا رکھا تھا۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم اور اپنے عمل سے اس کے انسداد کا ایسا شاندار پروگرام بنایا جس کی مثال قدیم دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تمام تہذیبوں میں یہ خیال چلا آرہا تھا کہ غلامی ایک فطری چیز ہے۔ ارسطو جیسا فلاسفر اور حکیم بھی کہتا ہے کہ غلامی ایک فطری چیز ہے اور بعض لوگ غلام ہی بننے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ قدیم تہذیبوں کے بڑے بڑے کارنامے غلام ہی کے رہین منت ہیں۔ اسلام نے دیکھا کہ دُنیا کا تمام معاشی نظام اسی لعنت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ ایسا ہمہ گیر تھا کہ بیک قلم اس کا منسوخ کرنا محال تھا۔ چنانچہ غلاموں کو آزاد کرنا ایک بڑے ثواب کا کام قرار دیا۔ اس کو خیرات کا بہترین مصرف بنا دیا اور یہ قانون بنا دیا کہ غلام کو کوئی شخص زبردستی غلام نہیں بنا سکتا۔ مالک کی شدید بدسلوکی کی وجہ سے غلام کو عدالت آزاد کر سکتی ہے۔ یہ بھی شرط لگا دی کہ غلام اس شرط پر رکھ سکتے ہو کہ جو تم کھاؤ، وہ اس کو کھلاؤ اور جو پہنو اس کو پہناؤ مقصد یہی تھا کہ اس شرط پر بھلا کون کسی کو نوکر رکھنا چاہے گا۔

مُسلمان غلامی کو صفحۂ ہستی سے تو نہ مٹا سکے لیکن اسلام کی تعلیم کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ غلامی کی وہ بھیانک صُورت نہ رہی جو دیگر اقوام میں پائی جاتی تھی۔ غلام خاندان کے رُکن بن گئے مذہبی پیشوا اور عالم دین بن گئے، امیر وزیر بن گئے، فوجوں کے سپہ سالار اور سربراہوں کے محبوب بن گئے۔ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ نے غلامی کو منسوخ کرنے کے لیے ایک بڑا قدم اُٹھایا کہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ اسلام سے پہلے اور اس کی معاصر دُنیا میں غلاموں کے بارے میں اس کی مانند کوئی تعلیم نہیں ملتی۔

تخت اُلٹ گئے

دنیا میں جو سلطنتیں قائم ہوئیں یا ہوتی ہیں ان کا عام قاعدہ یہ ہے کہ ایک فاتح ایک گروہ لے کر اٹھتا ہے اور لاکھوں کو تہ تیغ کر کے اپنی طاقت و قوت سے سارے جتھوں کو توڑ کر، ہزاروں گھروں کو ویران کر کے، سب کو زیر کر کے اپنی سرداری اور بادشاہی کا اعلان کر دیتا ہے اور ان تمام خُون ریزیوں کا مقصد یا تو شخصی سرداری اور بادشاہی کا اعلان کر دیتا ہے اور ان تمام خون ریزیوں کا مقصد یا تو شخصی سرداری یا خاندانی برتری یا قومی عظمت ہوتی ہے۔ مگر اسلامی جنگ و جہاد اور اسلامی نظامِ سلطنت کی جدوجہد میں ان میں سے کوئی چیز بھی مقصُود نہ تھی۔ نہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی سرداری، نہ خاندانِ قریش کی بادشاہی، نہ عربی سلطنت، نہ دنیا کی مالی حرص و ہوس، بلکہ اس کا ایک ہی مقصد تھا، صرف ایک شہنشاہِ ارض و سما کی بادشاہی کا اعلان اور ایک فرمانِ الٰہی کے آگے سارے بندگانِ الٰہی کا سربسجُود اور اس کی اطاعت۔

اسلام کا نظام سلطنت انہی اصولوں پر قائم کیا گیا اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک رہا، اس نظام سلطنت کا بڑا نتیجہ یہ تھا کہ اس میں قانون کی رو سے چھوٹے بڑے، اونچے نیچے، کالے گورے اور عربی و عجمی کی تفریق بالکل مٹ گئی، یمن اور بحرین کے ایران نژاد، نجد و حجاز کے عرب، حبش کے حبشی سب ایک ہی سطح پر آ کر کھڑے ہو گئے اور بادشاہی و شہنشاہی کے وہ تخت جو مشرق مغرب میں بچھے تھے الٹ گئے اور اسلام کی سلطنت کا امام اور دوسرے اہلکار حکام حقوق میں عام مُسلمانوں کے برابر کر دیئے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے یک قلم ان مصنوعی تفرقوں کو مٹا دیا۔ بیٹھنے کے لیے سونے چاندی کا سامان اور ریشمی لباس و فرش پر پابندی لگا دی گئی۔ سونے چاندی کے زیورات مردوں کے لیے ناجائز ٹھہرے، امامِ وقت اور اس کے حکام کے لیے مسجد اور اس کا صحن ایوان تھا، حجاب و دربان کے پہرے اُٹھ گئے۔ محافظ اور نقیب رخصت کر دیئے گئے۔ طلائی اور نقرئی و زمردیں تخت اُٹھوا دیئے گئے۔ امام اور اس کے حاکم عام مسلمانوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر بیٹھتے تھے اور ادخ پنج کی تعریف باقی نہیں رکھی گئی۔ چنانچہ وضع و لباس کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

ممتاز مقام

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپؐ حضرت عبداللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپؐ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا۔ لیکن آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آگیا۔

مجھ کو شرم آتی

اسیرانِ جنگ بدر دو دو چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے اور ارشاد ہوا کہ ان کو آرام کے ساتھ رکھا جائے، صحابہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے۔
ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس کر دیتے اور یہ اسی بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

تین بار پچھاڑ دیا

رکانہ مکہ کا ایک پیشہ ور پہلوان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اتنا شہ زور تھا کہ اگر وہ کسی جانور کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور بہت سے افراد اس کھال کو کھینچتے تو کھال پھٹ جاتی مگر رکانہ اپنی جگہ سے نہ سرکتا۔ ایک روز رسُول خُدا کے پاس گیا اور بولا " اگر آپؐ مجھے پچھاڑ لیں تو مَیں آپؐ کو اللہ کا نبی مان لوں گا"۔ چنانچہ مقابلہ ہوا، اور رکانہ کو شکست ہوئی، مگر اسے اطمینان نہ ہوا، اس نے کہا اے محمدؐ دوبارہ کشتی لڑو، جب رسُول پاکؐ نے اسے متواتر تین بار پچھاڑ دیا۔ تو رکانہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔
خُدا کی قسم! یہ اس دور کا عظیم ترین جادُوگر ہے۔ مَیں نے کبھی ایسا جادُوگر نہیں دیکھا، بخُدا میری طاقت سلب ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے پہلو کے بل مجھے زمین پر گرا دیا

بے نیاز ہو جاؤ گے

ایک بار چند انصاریوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مال کا سوال کیا اور آپؐ نے ان کا سوال پورا کیا، لیکن وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے اور پھر سوال کیا۔ حضور اکرمؐ نے پھر ان کا سوال پورا کر دیا۔
اس طرح جب دیتے دیتے تمام مال ختم ہو چکا تو فرمایا کہ:
"میرے پاس جو کچھ مال ہوگا میں تم سے بچا کر جمع نہ کرونگا"
"جو شخص خودداری چاہتا ہے، خدا اس کو خوددار بناتا ہے اور جو شخص بے نیازی حاصل کرتا ہے، خدا اس کو بے نیاز کر دیتا ہے" اس طرح ایک بار حکیم بن حزامؓ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار مال کا سوال کیا۔ آپؐ نے ہر بار ان کا سوال پورا کیا، لیکن آخر میں فرمایا:
"اے حکیم یہ مال نہایت مرغوب چیز ہے، جو شخص اس کو کھلے دل سے لیتا ہے، خدا اس میں برکت دیتا ہے اور جو شخص اس کو حرص کے ساتھ لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس شخص کے مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے، لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا" ان پر تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اس کے بعد کسی کا عطیہ نہیں قبول کیا۔
چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہی تعلیم دی اور ان سے فرمایا کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ، تو سب سے زیادہ بے نیاز ہو جاؤ گے۔

سیرتیں سمٹ کر

حضرت نوح کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بتوں کو توڑنے والوں کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی شاہانہ اور اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوتِ حق اور جوش و تبلیغ کا سبق ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت گریہ زاری، حمد و ستائش اور دعا و زاری کی کتاب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر بھروسہ اور اعتماد کی مثال ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں و سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔

جنت کی خوشبو

اسلامی جنگوں میں پیش آنے والے واقعات اس امر کی قطعی نفی کرتے ہیں کہ ایک مسلمان مجاہد کو جہاد پر اُکسانے والا سب سے بڑا محرک مادی طمع ہے۔ بدر، اُحد، موتہ وغیرہ کی جنگوں سے ظاہر ہے کہ مُسلمان مجاہدین صرف شرفِ شہادت اور جنّت کی نعمتیں حاصل کرنے کیلئے معرکوں میں پیش قدمی کرتے رہے ہیں۔ ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے شہادت کے بارے میں جنت کی بشارت سُنی، وہ کھجوریں کھا رہا تھا اس نے یہ کہتے ہوئے کھجوریں پھینک دیں کہ یہ کھجوریں میرے جنت کے داخلے میں تاخیر کا موجب ہیں اور یہ تاخیر میرے لیے ناقابل برداشت ہے، وہ معرکے میں کُود پڑا اور قتال میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔

معرکہ اُحد کے موقع پر ایک صحابی بے جگری کے ساتھ دشمنوں سے لڑ رہے تھے اور اُن کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

"خُدا کی قسم، میں اُحد پہاڑ کے قریب جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، کیوں نہ ہو جنت تو مجھے نظر آ رہی ہے۔"

اے آدم کے بیٹو !

اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے گنہگاروں اور سیہ کاروں کو بخشش و رحمت کا مژدہ ، عفو عام کا اعلان بار بار سنوایا ، رسول خدا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو محبت اور پیار سے پکارتا ہے اور نوید جانفزا سناتا ہے ۔

" اے آدم کے بیٹو ! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رکھو گے ، مَیں بخشتا رہوں گا ، خواہ تم میں کتنے ہی عیوب کیوں نہ ہوں ، مجھے پرواہ نہیں ،

اے آدم کے بیٹو ! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو ، میں تم کو معاف کر دوں گا ، خواہ تم میں کتنے عیب کیوں نہ ہوں ، مجھے پرواہ نہیں ، اے آدم کے بیٹو ! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو ، پھر تم میرے پاس آؤ ۔ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو ۔ تو میں بھی تمہارے پاس پوری سطح زمین بھر مغفرت لے کر آؤں گا ۔"

ہر حال میں اللہ سے تعلق

آپؐ اپنی حرکت و سکون، خواب و بیداری غرض کہ ہر حال میں اللہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، ذاتِ خُداوندی میں اس درجہ انہماک تھا۔ اپنے خالق کے رُوبرو اتنی دیر تک کھڑے ہوتے کہ آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں، آنحضرتؐ جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے پاؤں سوج جاتے، آپؐ سے جب اس کے متعلق پوچھا جاتا، تو فرماتے کیا میں اللہ کا شُکر گزار بندہ نہ بنوں؟

رات اور دن کی اکثر و بیشتر گھڑیوں میں آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، لیکن اپنے صحابہؓ کو ان کی برداشت سے بڑھ کر کام کرنے کو منع فرماتے تھے۔

حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت کو جب کوئی کام کرنے کی رغبت ہوتی، تو آپ محض اس خوف سے ملتوی کر دیتے کہ مُبادا لوگ اسے فرض سمجھ کر کرنے لگ جائیں۔

ایک مرتبہ کسی سفر میں آپؐ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے غار دیکھا۔ جس کے اطراف میں سبزہ اگا ہوا تھا، اس کا دِل گوشہ نشینی اور عبادت کرنے کی طرف مائل ہو گیا، آپؐ برہم ہوتے اور فرمایا کہ میں یہود و نصاریٰ کا دین لے کر نہیں آیا بلکہ حضرت ابراہیمؑ کا آسان اور سہل دین لایا ہوں۔

اسلام قبول کرلیا

عقبہ ابن ابو معیط جو مکہ میں پیغمبرؐ کا جانی دشمن تھا اور بدر میں گرفتاری کے بعد اس کا سر قلم کیا جا چکا تھا۔ اس عقبہ کی نوجوان بیٹی نے چپکے سے اسلام قبول کرلیا اور مدینہ پہنچ گئی۔

انصار بے اختیار رو پڑے

حنین کے معرکہ کے بعد رسُول اللہ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو مؤلفۃ القلوب کی قرآنی مد کے تحت مکہ کے اکثر رئیس (جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا) ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ حصہ دیا تاکہ ان کے دل مزید نرم ہوں اور وہ احسان کے رشتے سے اسلامی ریاست کے ساتھ مربوط تر ہو جائیں۔

اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا آپؐ نے قریش کو خُوب انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خُون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔
مشکلات میں ہم یاد آتے ہیں اور حاصلِ غنیمت دوسرے لوگ لے جاتے ہیں۔ یہ باتیں حضُور تک بھی پہنچیں تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا۔ جس میں لوگ جمع ہوئے آپؐ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ "تم نے ایسا کہا ہے"؟

جواب ملا کہ آپ نے جو سُنا ہے وہ صحیح ہے مگر یہ باتیں ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے نہیں کہیں بلکہ کچھ نوخیز نوجوانوں نے ایسے فقرے کہے تھے۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد آپ نے تقریر کی۔

" کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ پہلے گمراہ تھے ، خُدا نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت کی ، تم منتشر اور بکھرے ہوئے تھے ، خُدا نے میرے ذریعے سے تم کو متحد اور متفق کیا ، تم مفلس تھے خُدا نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال کیا" ؟

آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ " خُدا اور رسُولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے "

آپؐ نے فرمایا : " نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی ، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی ، تم جب مفلس ہوکر آئے تھے تو ہم نے ہر طرح کی مدد کی "

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ " تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو ! لیکن اے انصار ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ "

اس پر انصار بے اختیار رو پڑے یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور انہوں نے کہا کہ " ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلّم درکار ہیں "۔

اس طرح آپؐ نے عرب رؤسا کے دلوں کو فتح کرلیا ۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر دُنیا کو اسلام کے اصُولوں کی بشارت دینے اور لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کیلئے آمادہ ہوا تو پورے کا پورا جزیرہ نمائے عرب اس عظیم تاریخی کارروائی کے لیے مستعد تھا اور وہ عرب رؤسا ، جو شروع میں مولفۃ القلوب تھے بالآخر انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے دُنیا کو کفر و شرک سے نجات دلانے کے لیے معرکہ آرائی کی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے انتہائی شدید اور مشکل ترین جنگیں لڑ کر فتوحات حاصل کیں اور جزیرہ نمائے عرب کے باہر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے اور اسلامی مملکت کی توسیع اور اس کے لشکروں کی آناً فاناً بالادستی قائم کرنے میں بہترین کردار ادا کیا ۔

کبھی محبّت سے پکارا

خُدا کی ربوبیت جس طرح وحدہٗ لاشریک ہے کہ کوئی ہستی اس کی شریک نہیں، اسی طرح انسان کامل کی انسانیت اعلیٰ اور عبدیت کبریٰ بھی وحدہٗ لاشریک ہے کیوں کہ اس کی انسانیت وبندگی میں کوئی اس کا ساجھی نہیں اور اس کے حسن وجمال فردانیت کا کوئی شریک نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃُ والسلام کا ذکر جہاں کہیں کیا گیا وہاں ان سب کو ان کے ناموں سے پکارا ہے اور ان کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے تو ان کے ناموں کے ساتھ کیا ہے لیکن اس انسان کامل، اس فردِ اکمل، اس صفات بندگی کے وحدہٗ لاشریک کا اکثر مقامات میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا، نہ ہی کسی دُوسرے وصف سے نامزد کیا گیا۔ بلکہ صرف "بندہ" کے لفظ سے اس کے پروردگار نے اسے یاد فرمایا۔

وہ پاک ہے وہ خُداوند قدوس جس نے ایک رات اپنے "بندہ" کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

سورۃ جن میں فرمایا:۔ اور جب اللہ کا بندہ تبلیغ حق کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تاکہ اللہ کو پکارے تو کفار اس کو اس طرح گھیر لیتے ہیں گویا قریب ہے کہ اس پر آ گریں گے۔

سورۃ کہف کو اس آیت سے شروع کیا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے اپنے "بندہ" پر کتاب اتاری۔

سورۃ فرقان میں فرمایا:۔ کیا ہی پاک ذات ہے اس کی جس نے "الفرقان" اپنے بندہ پر اتارا تاکہ وہ تمام عالم کی گمراہیوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

سورۃ نجم میں فرمایا:۔ تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔

سورہ حدید میں کہا:۔ وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے۔

پس ان تمام مقامات میں آپؐ کا اسم گرامی نہیں لیا بلکہ اس کی جگہ صرف "بندہ" فرمایا حالانکہ بعض دیگر انبیاء کے لیے اگر "بندہ" کا لفظ فرمایا ہے تو اس کے ساتھ نام کی توضیح بھی کر دی ہے۔ سُورۂ مریم میں حضرت زکریا کے لیے فرمایا "ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی" سُورۂ ص میں کہا:۔ واذکر عبدنا داوٗد نیز واذکر عبدنا ایوب:

اس خصوصیت و امتیاز سے اسی حقیقت کو واضح کرنا مقصودِ الٰہی تھا کہ اس وجود گرامی کی بندگی اس درجۂ آخری و مرتبہ قصویٰ تک پہنچ چکی ہے جو انسانیت کی انتہا ہے اور جس میں اور کوئی بندہ اس بندۂ کامل کا شریک نہیں، پس بندگی کا فردِ کامل وہی ہے اور اس لیے بغیر اضافت و نسبت کے صرف "بندہ" کا لقب اس کو ناموں اور علموں کی طرح پہنچا دیتا ہے کیوں کہ تمام کائنات ہستی میں اس کا سا اور کوئی بندہ نہیں،

بس یہ وہ تھا کہ اس کے صفات الٰہیہ کا یہ حال رہا ہے، اس کی انسانیت و بندگی کی وحدت اس طرح فرمانفرمائے جمیع کائنات ہے۔ اس کی محبّت و محبوبیت کا خود رب السمٰوٰت والارض نے اعلان کیا اور اس کی رحمت کو اپنی ربوبیت کی طرح تمام عالمین پر محیط کر دیا۔ اسے اللہ تعالےٰ نے اپنی صفات رافت و رحمت سے متصف فرمایا اور اگر اپنے اپ کو "الرّحمٰن الرّحیم" کہا تو اسے بھی بالمومنین رؤف رحیم" قرار دیا اسے تمام قرآن حکیم میں کبھی نام لے کر نہ پکارا بلکہ کبھی صدائے عزت سے نوازا کہ یا ایہا الرسُول اور کبھی طریق محبت سے پکارا کہ یا ایہا المزمل! اس کے وجود با جود کی عزت و عظمت کو اپنی عزت کی طرح اپنے بندوں پر فرض کر دیا اور جا بجا حکم دیا کہ تعزروہ و توقروہ (اس کی عزت کرو اور اس کی توقیر بجالاؤ) پھر وہ کہ اس کی محبوبیتوں اور عظمتوں کا یہ حال تھا کہ اس کا وجود مقدس و اطہر تو بڑی چیز ہے، وہ جس آبادی میں بسا اور جس شہر کی گلیوں میں چلا پھرا، اس کی عزت کو بھی خدائے زمین و آسمان نے تمام عالم میں نمایاں کیا۔

ہم مکہ کی قسم کھاتے ہیں مگر اس لیے کہ تیرا وجود اس کی سرزمین میں رہا اور بسا ہے۔

مثال نہیں ملتی

دین و دنیا کو ہم آہنگی کے ساتھ گزارنا انتہائی مشکل چیز ہے۔ ایک طرف آنحضرت اپنے اہل و عیال، خاندان اور مسکینوں کی تربیت و سرپرستی کرتے ہیں۔ تو دوسری جانب اپنی اُمت کے اہم امور میں مشغول نظر آتے ہیں۔ سیاسی و حکومتی مہمات انجام دیتے ہیں۔ بادشاہوں کے پاس اپنے سفیر روانہ کرتے اور اُن کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں وفد آتے ہیں۔ آپ ان کا استقبال کرتے ہیں۔ فوج تیار کرتے ہیں۔ بذات خود ان کی قیادت فرماتے ہیں، غیر قوموں اور سلطنتوں سے جنگ کرتے ہیں، فتح و کامرانی کی تدابیر سوچتے اور شکست خوردگی کے اسباب کا انسداد کرتے ہیں، گورنروں کا تقرر کرتے اور بیت المال کی نگرانی کرتے ہیں۔ اموال خود اپنے ہاتھ سے رُوبرو تقسیم فرماتے ہیں، ساتھ ساتھ یہ ارشاد فرماتے ہیں " اگر میں خود عدل و انصاف نہ کروں تو دوسرا کون کرے گا؟"

دین حق کی تبلیغ کرتے، وحی رسالت کے اسرار و رموز لوگوں کو سمجھاتے ہیں، دینی مُعاملات کی تشریح اور اللہ کے احکام کی توضیح فرماتے ہیں۔

آپ نے اپنے دن کا ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ لوگوں کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے تقسیم کر رکھا تھا، لوگوں کی خدمت گزاری میں اگر زیادہ وقت گزر جاتا تو اپنے گھر کے مقررہ اوقات میں کمی واقع ہو جاتی، لیکن آپ اوقاتِ عبادت کی ہمیشہ حفاظت و نگہداشت فرماتے اور اپنی تمام زندگی اسی مستقل مزاجی اور پابندی کے ساتھ اس طرح گذاری جس کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی،

چنانچہ جنھوں نے اپنی زندگی کا نصب العین اور لائحہ عمل اسی جدوجہد کو قرار دیا، وہ حکومتوں کے امیر، قوموں کے رہنما اور زمانے کی سربرآوردہ ہستیاں کہلائے، اسی کا نتیجہ تھا کہ رسُول اکرم نے بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والوں، تجارت اور زراعت پیشہ لوگوں، دہقانوں اور تہذیب سے ناآشنا انسانوں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا مالک بنادیا یہ اس قابل ہو گئے کہ دُنیا کے حکمرانوں کو عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا سبق دے سکیں۔

شفقت و محبّت

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اپنے احسان کا اعلان فرمایا کیونکہ آپ کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو صرف آپ کی ذات اعلیٰ صفات کے لیے مختص ہے اور وہ ہے آپ کی شان رحمۃ للعلمین ، اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ کسی نبی ، کسی مرسل اور کسی پیغمبر کے لیے استعمال نہیں کیا ۔ اس طرح آپ کی صفتِ رحمت تمام عالمین ، عالمِ جمادات ، عالمِ نباتات ، عالمِ حیوانات ، عالمِ جنات و ملائک اور عالمِ انسانیت پر محیط ہے ۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ نے ہر مخلوق کو اپنی شفقت و محبّت اور رحمت و برکت سے نوازا مثلاً زمین کا تعلق عالمِ جمادات سے ہے رسُولِ رحمت نے فرمایا ۔
"اس پر اکڑ کر مت چلو" نباتات کی نشو نما تحفظ اور آبیاری کے لیے آپ نے بہت سی نصیحتیں فرمائیں ۔ حیوانات کے متعلق فرمایا کہ ان پر ظلم نہ کرو ۔ ان سے فائدہ اٹھاؤ ۔ ان کی دیکھ بھال کرو ان کی برداشت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو ۔ اس طرح بہت سی روایات بھی تاریخ و سیرت اور احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں ۔ جن سے تمام مخلوقات پر آپ کی رحمت و شفقت کا پتہ چلتا ہے ۔

لوہے کو موم بنایا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ معظمہ میں اپنی تعلیمات وافکار و تربیت کے ذریعے ایک ایسا گروہ تیار کر دیا تھا جو دنیاوی حرص وہوا سے بے نیاز اسلام کے انقلابی عقائد کا حامل تھا، توحید کی قوت سے آپ نے اس کے ایمان کو مضبوط کیا۔ حقیقت سالت کے چشمے سے آپ نے سیراب کیا۔ آخرت کی جواب دہی کے خوف سے آپ نے اس لوہے کو موم بنایا، اسلامی تعلیمات وکردار کے سانچے میں اسے ڈھالا اور خدا سے تعلق اور خدا پر بھروسہ کے ایمان سے آپ نے اس گروہ کو فولادی گروہ بنایا جب آپ نے ایک ایسا گروہ تیار کر دیا جو اپنی نفسانی اغراض سے بے نیاز اور دنیاوی مفاد و مقاصد سے بالاتر ہو کر صرف خدا کی رضا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کے لئے جان پر کھیل سکتا تھا۔ مال لٹا سکتا تھا، گھر بار قربان کر سکتا تھا۔ چلتے ہوئے کاروباروں اور تجارتوں پر لات مار سکتا تھا جو خدا کے سوا دوسرے کسی کا وفادار اور پرستار نہ تھا اور رسولِ اکرم کے سوا دوسرے کسی کا تابع اور جان نثار نہ تھا۔ تب آسمان سے حکم ہوا کہ اب یہ گروہ پختہ کار اور مقبول بارگاہ تھا، اور اسے باطل کے مقابلے میں میدان جنگ میں اتارا جا سکتا تھا۔ ایمان کی پختگی کے اس مقام پر پہنچ کر ہجرت کا عام حکم ہوا تھا۔ اب یہ سونا کندن بن گیا تھا اور اب اسے بازار میں آزمائش کے لئے لایا جا سکتا تھا اسلامی تحریک اب عدم تشدد اور ظلم برداشت کرنے کے دور سے گزر کر قوت آزمائی اور مخالفانہ جدوجہد کے دور میں داخل ہو گئی تھی۔ ہجرت کا اعلان یہی ثابت کرتا تھا۔ اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہ تھا کہ دونوں کش مکش کرنے والے گروہ اکٹھے نہ رہیں بلکہ مدمقابل ہو جائیں، آمنے سامنے آجائیں اور ہر شخص اپنے نظریات کی صداقت و حقیقت کا امتحان میدان جنگ میں دینے کے لئے تیار ہو جائے۔

اقوام عالم کے لیے رحمت

تاریخ شاہد ہے کہ ایک عشرہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپؐ نے تاریخ کا رُخ صحیح سمت موڑ دیا۔ باطل قوتوں کو شکستِ فاش دی، تمام جزیرہ نما عرب کو فتح ہی نہیں کیا بلکہ ان کے باشندوں کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا اور وہ جوق در جوق تحریک اسلام میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح آپؐ نے عرب کو متحد کر کے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا اور اسلامی حکومت کی قوت سے قیصر و کسریٰ ایسی عظیم سلطنتیں بھی خوف کھانے لگیں۔

آپؐ نے عرب کے وحشی و خونخوار بدویوں کو مہذب و متمدن انسان بنایا، مشرکوں اور بُت پرستوں کو مومن موحد بنایا، نجس و ناپاک لوگوں کو مطہر و پاکباز بنایا۔ شیطان کے پیروؤں کو رحمان کا بندہ بنا دیا، ظالموں، جاہلوں اور ان پڑھ لوگوں کو علم و حکمت سکھائی ان کو پرہیز گار اور نیک بنایا، ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین کی۔ ان میں شوقِ جہاد و شہادت پیدا کیا اور انہیں اقوام عالم کے لیے باعثِ رحمت بنا دیا،

انہیں حکومت کی دیکھ بھال کے طریقوں سے آگاہ کیا۔ ان کے دلوں میں اطاعت و اتحاد اور تنظیم کی اہمیت کا خُدا کی ذات پر یقین محکم پیدا کیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتہائی قلیل مدت میں ایسے ایسے عالم و حکیم اور فقیہہ و مجتہد پیدا ہوئے۔ جن کے علمی و تحقیقی کارناموں پر آج بھی علمی دُنیا فخر کرتی ہے اور ان کے علم و حکمت کے چراغوں کی روشنی سے آج بھی علم کے متلاشی فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان میں ایسے ایسے سپہ سالار و فاتح پیدا ہوئے جو تاریخ ساز عہد آفریں ثابت ہوئے اس کے علاوہ ان میں ایسے ایسے عظیم الشان منتظم پیدا ہوئے جن کے حسنِ انتظام کی تعریف میں تاریخ رطبُ اللسان ہے۔

مختصر آیہ کہ ان اور دیگر بے مثال کارناموں کی بدولت تاریخ نے حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجا طور سے ہر زمان و مکان کا عظیم ترین مثالی انسان تسلیم کیا اور ربّ علیم و حکیم نے آپؐ کی شخصیت و سیرت کو بنی نوع انسان کے لیے حسین نمونہ قرار دیا۔

خدا ایک ہے

رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت کے اثر کو دیکھ کر کفار آپؐ کو نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل اور کبھی شاعر کہتے، نبوت کے دعویٰ کو سُن کر مجنون پکارتے، راستوں میں کانٹے بچھاتے آپؐ کی شان میں گستاخیاں کرتے، نماز پڑھنے کے دوران شور کرتے اور گالیاں دیتے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ سجدہ میں گئے تو عقبہ نے اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر ڈال دی۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو خبر ہوئی اگرچہ اس وقت آپ کی عمر چھ برس کی تھی لیکن جوش محبت سے دوڑتی ہوئی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو بُرا بھلا کہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں مجمع عام میں اسلام کی دعوت کا وعظ فرماتے تو ابولہب ساتھ ساتھ کہتا جاتا کہ "یہ جھُوٹ کہتا ہے۔"
ایک مرتبہ آپؐ ذوالمجاز کے بازار میں گئے اور لوگوں سے کہا "لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے۔" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کے فریب میں نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔"

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپؐ کی گردن میں چادر لپیٹ کر زور سے کھینچی۔ اتفاقاً حضرتِ ابوبکرؓ آگئے اور آپؐ کا شانہ پکڑ عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ "خُدا ایک ہے۔"

مجھے پکارو، میں تم کو جواب دُوں گا

تمام مذہبوں نے عبد و معبُود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے قدیم بُت خانوں میں کاہن اور پجاری تھے۔ یہودیوں نے بنی لادی اور ان کی نسل کو خُدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا۔ عیسائیوں نے بعض حواریوں اور اُن کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا اور زمین پر کھولیں گے وہ آسمانوں پر کھولا جائے گا ان کو تمام انسانوں کے گناہ مُعاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام میں پوجاریوں، کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں۔ یہاں وساطت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف خُدا کو ہے، عبد و معبُود اور خُدا اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مُسلمان ہے، نماز کا امام ہو سکتا ہے، اور قربانی کر سکتا ہے، نکاح پڑھا سکتا ہے، مذاہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے۔

یہاں انسانوں کو، اُدعُونی اَستَجِب لکم "اے لوگو (بلا واسطہ) مجھے پکارو، میں تم کو جواب دوں گا۔"

کی صدائے عام ہے ہر شخص ہر وقت اپنے خُدا سے باتیں کر سکتا ہے۔ اس کے آگے جھک سکتا ہے اور دل کی عقیدت کے نذرانے بغیر کسی واسطے کے پیش کر سکتا ہے۔ یہاں خدا اور بندہ کے درمیان کوئی دخل دینے والا نہیں۔ یہ سب سے بڑی آزادی ہے، محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اِنسانوں کو عطا ہوئی یعنی کہ خُدا کے معاملہ میں اِنسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی۔

نبوت کی پُرجلال آواز

حضرت عمر بن خطاب قریش کی مخالفت اسلام کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون تھے۔ ایمان لانے والوں پر ظلم و ستم کرنے میں پیش پیش تھے۔ قریش میں اُن کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بہادر تھے۔ طاقت ور تھے، شہسوار تھے، زبان آور تھے اور اُن کی قوتِ بیان کا لوہا مانا جاتا تھا قریش کو یہ تصور بھی نہ تھا کہ ان جیسا آدمی بھی ایک روز ان کے مقابلہ میں اسلام کی علمبرداری کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا، اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے:۔

خود حضرت عمر فرماتے ہیں:۔

ایک شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کے لیے گھر سے نکلا، مگر آپؐ مجھ سے پہلے مسجد میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپؐ نماز میں سورۂ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور سننے لگا۔ میں اس کلام کو سن کر حیرت میں تھا۔ کلام کا نظم اور انداز نہایت دل کش معلوم ہوتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ خدا کی قسم یہ شاعر ہے، ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝

"یہ ایک بزرگ قاصد یعنی رسول اکرم کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم میں سے کم ہی ایمان لاتے ہیں۔"

میں نے جو سنا تو فوراً دل میں خیال آیا کہ اوہو! یہ تو میرے دل کی بات جان گیا یہ کاہن ہے اسی کے بعد ہی آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۚ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں ہے۔ تم بہت کم نصیحت پاتے ہو۔ یہ تو جہانوں کے رب کی طرف سے اُترا ہے۔"

آپؐ نے یہ سُورہ آخر تک پڑھی اور مَیں نے محسُوس کیا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر رہا ہے۔"
لیکن ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ ایک مستقل مزاج اور پختہ کار آدمی تھے اس لیے اس موقعہ پر ان میں تغیر پورا نہیں ہوا اور وہ اپنی روش پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دِن دشمنی کے جوش میں تلوار لے کر اس ارادے سے گھر سے نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی تمام کر دیں۔ راستے میں اتفاق سے نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی جو حضرت عمرؓ کے قبیلے کے اشراف میں سے تھے اور خفیہ طور پر مُسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا "کیوں عمر کدھر جا رہے ہو؟" بولے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں" انہوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود تمہارے بہنوئی سعید بن زیدؓ اور تمہاری بہن فاطمہؓ اسلام لا چکے ہیں" حضرت عمرؓ پلٹ کر سیدھے بہن کے ہاں پہنچے وہاں حضرت خباب الارت موجُود تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ حضرت فاطمہؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے حضرت عُمرؓ کی آمد جب محسوس ہوئی۔ تو حضرت خباب گھر کے ایک حصّے میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے قرآن پاک کے اجزا چھپا لیے۔ لیکن حضرت عمرؓ پہلے ہی دروازے میں سے سُن چکے تھے کہ یہ کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پوچھا آپ لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا مَیں نے خود سُنا ہے اور واللہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم دونوں باپ دادا کے دین سے خارج ہو گئے ہو اور محمدؐ کے دین کی پیروی اختیار کر چکے ہو۔ پھر اپنے بہنوئی کو بہت مارا، بہن شوہر کو بچانے کے لیے اُٹھیں تو انہوں نے ان کو بھی مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ تب دونوں میاں بیوی نے کہا کہ ہاں ہم مُسلمان ہو گئے ہیں۔ اب تمہارا جو جی چاہے کر لو ہمیں تمھاری کوئی سختی اس راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دِل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبّت کی

نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سُناؤ۔ بہن نے کہا۔ تم اپنے شرک کی وجہ سے نجس ہو اور قرآن کے اجزا کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگا سکتا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ سورہ طٰہٰ تھی۔ آپ نے پڑھنا شروع کیا اور جب اس آیت پر پہنچے۔

انسنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری۔

"میں ہوں خدا، میرے سوا کوئی خدا نہیں تو بندگی میری کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

تو بے اختیار پکار اُٹھے "کیسا عمدہ اور بلند پایہ کلام ہے یہ" حضرت خبابؓ ان کی یہ بات سُنتے ہی باہر نکل آئے اور کہا اے عمرؓ مجھے اُمید ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے نبی کی دُعا کا مصداق بننے کے لیے چن لیا ہے۔ مَیں نے کل ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خُدایا ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ بن خطاب کے ذریعے سے اسلام کی تائید فرما۔ پس اے عمر اللہ کی طرف آؤ۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کے قریب واقع تھا اپنے چند اصحاب کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت عمرؓ اپنی کمر سے تلوار باندھے ہوئے آستانہ مُبارک پر پہنچے اور دستک دی، صحابہ کچھ خوفزدہ ہو گئے، لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا "آنے دو" مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا"

حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آپؐ خود آگے بڑھے اور عمرؓ کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے؟" نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

علم مقدّس فریضہ

نبی امی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہوں نے کسی معلم کے سامنے کبھی زانوئے ادب تہہ نہیں کیا تھا اور نہ انہیں کسی عالم کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا، علم کے حصول کو ہر مسلمان کا ایک مقدس فریضہ قرار دیا۔

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز "دارارقم" تھا۔ یہ مکان ارقم بن ابی ارقم کا تھا جو کوہ صفا کے دامن میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال یعنی ۶ھ نبوی کے آخر تک یہاں اشاعت اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام دیتے رہے۔

"دارارقم" سے قبل حضرت خدیجہ الکبریٰ کا مکان جو "داب الحجر" میں واقع تھا۔ سب سے پہلی تربیت گاہ کہا جا سکتا ہے۔

"دارارقم" کے بعد "شعب ابی طالب" بھی تربیت گاہ کہی جا سکتی ہے۔ جہاں محرم ۷ھ نبوی سے ۱۰ھ نبوی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور خاندان کے لوگ محصور رہے۔

مدینہ منورہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی درخواست پر آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لیے بھیجا۔ حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ نے اپنا مکان دیا گویا یثرب میں سب سے پہلے مدرسہ کی بنیاد پڑی ہجرت کے بعد رسول اللہ نے آٹھ دس ماہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان پر قیام فرمایا، مدینہ میں یہ دوسری تربیت گاہ کہی جا سکتی ہے۔

اوپن یونیورسٹی

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں علم کا ذوق اس قدر عام فرمایا تھا کہ اونٹوں کے چرولہے میدانوں اور ریگستانوں میں اپنے اونٹ بھی چراتے تھے اور ساتھ ہی دینی علوم کی تحصیل بھی کرتے جاتے تھے ۔ چنانچہ حضرت براءبن عاذبؓ کا قول ہے

"ہم لوگوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ساری حدیثیں نہیں سُنیں بلکہ ہمارے دوست احباب انہیں ہم سے بیان کرتے تھے اور ہم لوگ اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہتے تھے۔"

گویا مُسلمانوں نے علم کی روشنی سے عہد رسالت ہی میں ریگستانوں اور چراگاہوں کو اسلام کی اوپن یونیورسٹی بنا دیا تھا ۔

علی بن ابی زُرعہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ نے اپنی وفات کے وقت ایک لاکھ ایسے صحابہ چھوڑے جو عالم ہونے کے ساتھ حضور کی حدیثیں لوگوں کو سنایا کرتے تھے ان میں مرد تھے اور عورتیں بھی ۔

یہ تھا اِسی اُمیؐ کا فیض جس نے کسی معلم، کسی یونیورسٹی یا کتابوں سے کچھ حاصل نہیں کیا تھا.

تھامس کارلائل لکھتا ہے ۔

"ایک بات اس جگہ اور قابل لحاظ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا تھا ۔ وہ اُمیؐ تھے. نہ انہوں نے اگلے علوم کسی سے سیکھے تھے اور نہ پچھلے کیوں کہ وہ خود ان تمام چیزوں سے غنی تھے، لیکن ان کے منہ سے جو کلمہ بھی نکلتا وہ حکمتِ علمی میں ڈوبا ہوا ہوتا جہاں بولنے کا موقع نہ ہوتا تو بالکل ساکت رہتے اور جب بولتے تو عقل و اخلاص اور حکمت کے موتی جھڑتے ۔

لوگوں کے ساتھ آسانی

جب عربوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو اب ضروری ہو گیا کہ ایک وسیع تعلیمانی نظام قائم کیا جائے جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے عہد نبوی کے اختتام پر حکومت اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر معلم بھیجد یئے جاتے۔ کچھ صوبہ دار گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ بات تفصیل کے ساتھ شامل کردی جاتی کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔

آپؐ نے جو اسلامی نظامِ تعلیم قائم کیا۔ اس میں سب سے مقدم اور اہم قرآنِ کریم کی تعلیم تھی جو ہر فرد کے لئے لازمی تعلیم تھی۔ بچے، بوڑھے مرد اور عورتیں سب یہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حضور اکرم کو مترجمین کی بھی ضرورت ہُوا کرتی تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت جو دربار رسالت کے میر منشی کہے جا سکتے ہیں۔ فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) جانتے تھے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق انہوں نے طبرانی لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔

رسُول کریمؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو ناظم تعلیمات بنا کر یمن بھیجا، جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کیا کرتے اور مدارس کی نگرانی کرتے۔ معاذؓ بن جبل اور ابوموسیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں اسلام کی تعلیم کے لیے مامور فرمایا تھا۔ ان کی روانگی کے وقت ان سے ارشاد فرمایا کہ

"لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا اور انہیں سختی میں نہ ڈالنا" خوشخبری اور بشارت انہیں سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا اور تم آپس میں مِل جُل کر بیٹھنا"

معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندگی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد ساٹھ ستر مکہ والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے اُن لوگوں کا جو مال دار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔

حضرت عبادہ ابن الصامتؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے صفہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دوں۔

آپؐ نے مدینہ مُنوّرہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی اس کے شمالی گوشے میں ایک چبوترا بنایا جس پر ایک سائبان تھا، یہی "صفہ" کہلایا یہاں لوگ بے تعلق ہو کر دین کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہتے ان لوگوں نے اپنی زندگیاں اسلامی علوم سیکھنے کے لے وقف کر دی تھیں یہ اصحابِ صفہ بھی کہلاتے تھے۔

صفہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ باہر سے جو لوگ طلبِ علم کے لیے آئیں انہیں اس میں ٹھہرایا جائے اور تعلیم دی جائے۔ اسلام کی اس پہلی درسگاہ میں تقریباً ستّر، اسّی طلباء تعلیم پاتے تھے دِن کو صفہ والے لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو پڑھتے تھے۔ لیکن اصحابِ ثروت کی طرف سے کافی تعاون ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست ان لوگوں کے کھانے پینے کے مسئلہ کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ کوئی خراب چیز اگر اُن لوگوں کے لیے بھیجتا تو حضورؐ اس پر ناخوشی کا اظہار فرماتے۔ صفہ دِن کو مدرسہ کا کام اور رات کو قیام گاہ کا کام دیتا۔

صرف صفہ ہی نہیں بلکہ پوری مسجد نبوی تعلیم گاہ تھی۔ جہاں دینی اور دنیوی تعلیم دی جاتی تھی، مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی تعلیم حضرت ابو ہریرہؓ کے سپرد تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعُود، ابنِ ابی کعب اور حضرت زید بن ثابت یہیں درس دیا کرتے تھے۔ اس جامعہ میں اصحابِ ذوق دور دراز

ممالک سے علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔
مقامی طلبا کے علاوہ دُور دراز کے طلبہ بھی آتے اور اپنا ضروری نصاب مکمل کرکے اپنے وطنوں کو واپس جاتے تھے۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور بڑے صحابہ کرام ان درسوں میں شریک رہا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے درس کے مقامات کا اکثر معائنہ کرتے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے یہیں سے لوگ بھیجے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ لوگ نوافل اور دُعا میں مشغول تھے اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھے کام کر رہے ہیں۔ البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے۔ جو لوگ خُدا سے کچھ مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خُدا کی مرضی ہے چاہے تو دے، چاہے تو نہ دے۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلّم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔
یہ کہتے ہوئے آپ نے اس حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے حضور اکرمؐ کے وقت سے شروع ہوا آپ کو خطوط کی صفائی اور وضاحت کا بہت لحاظ رہتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے "کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریت ڈال کر خشک کر لو"۔
مختلف حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن و سُنّت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت علم الانساب اور علم تجوید القرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "استاد کو بہت تعظیم دی جائے"۔

نفع کا سودا

مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝

کون ہے جو اللہ کو قرض دے ؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے، اور اس کے لیے بہترین اجر ہے ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ کی زبان مبارک سے صحابہؓ نے اس کو سنا تو حضرت ابوالدحداحؓ انصاری نے عرض کیا " یارسول اللہؐ " کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے ؟ حضورؐ نے جواب دیا ، ہاں اے ابوالداح ۔ انہوں نے کہا ، ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھلایئے ۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اُن کی طرف بڑھا دیا ۔ انہوں نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا " یارسول اللہ میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دے دیا " اس باغ میں کھجور کے ۶ سو درخت تھے ۔ اسی میں ان کا گھر تھا ، وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے اپنے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا ۔

" وحداح کی ماں ، نکل آؤ ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے "۔

وہ بولیں " تم نے نفع کا سودا کیا وحداح کے باپ "۔

اور اسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے نکل گئیں ۔

عملی مجسّمہ

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اُصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے، تم اس طرح خُدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ بیوی بچّوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچّوں کے لیے سب سے اچھا ہے اور مَیں اپنے اہل و عیال کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔

آخری حج کا موقعہ ہے، شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو خُدا کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے۔ عرب کے باطل رُسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے۔ فرمایا۔

آج عرب کے تمام انتقامی خُون باطل کر دیئے گئے۔ یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو مُعاف کردو، اور سب سے پہلے مَیں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کا خون مُعاف کرتا ہوں۔"

جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج ختم کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ ابن عبدالمطلب کا سودی بیوپار منسوخ کرتا ہوں۔"

صرف محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، بے نیازی، ایثار، سخاوت، تواضع، خاکساری، عاجزی، غرض نشیب و فراز، بلند و پست تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس!

اگر آپ دولتمند ہیں تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزانوں کے مالک کی تقلید کریں، اگر غریب ہیں تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنئے، اگر سربراہ ہیں تو سلطان عرب کا حال پڑھیں اگر رعایا ہیں تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھیں، اگر فاتح ہیں تو جنگ بدر و حنین کے سپہ سالار پر

نگاہ ڈالیں، اگر آپ نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کریں۔ اگر آپ استاد ہیں تو صفہ کی درس گاہ کے معلّم قدس کو دیکھیں، اگر شاگرد ہیں تو رُوح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جمائیں اگر وعظ اور ناصح ہیں تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنئے، اگر تنہا اور بے کسی کے عالم میں حق کے اعلان کا فرض انجام دینا چاہتے ہیں تو مکہ کے بے یار و مددگار نبیؐ اکرم کا اسوۂ حسنہ آپ کے سامنے ہے اگر آپ حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہیں تو فاتح مکہ کا نظارہ کریں۔ اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہیں تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھیں اگر یتیم ہیں تو عبدُاللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولیے۔ اگر آپ بچّہ ہیں تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھیں، اگر آپ جوان ہیں تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھیں۔ اگر سفری کاروبار میں ہیں تو بصریٰ کے تجارتی قافلہ کے سالار کو ڈھونڈیں۔ اگر عدالت میں قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہیں تو کعبہ میں نُورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے منصف کو دیکھیں جو حجرِ اسود کو کعبہ میں اس کے مقام پر رکھ رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھیں جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ اگر آپ شوہر ہیں تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کریں، اگر اولاد والے ہیں تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ وحسینؓ کے نانا کا حال پوچھیں، غرض آپ جو کوئی بھی ہیں اور کسی حال میں بھی ہیں تو آپ کی زندگی کے لیے نمونہ، آپ کے کردار کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، آپکی زندگی کی تاریک راہوں کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر ذاتِ اقدس کے خزانہ میں ہر وقت اور ہر پل مل سکتا ہے۔

فصیح ترین عرب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے۔ آپ جب اپنے حجرے سے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ کے ساتھ نقیب ہوتے تھے، نہ آپ خطبار کا لباس پہنتے تھے۔ ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا، جب ضرورت پیش آتی، آپ فی البدیہہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ کہ آپ نے زمین پر، منبر پر، اُونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ دینا پڑتا تھا تاہم آپ کے خطبے مختصر ہوتے تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بارگاہِ الٰہی سے بھی یہ وصفِ کامل عطا کیا گیا تھا چنانچہ آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا:۔

"میں فصیح ترین عرب ہوں،

"میں کلمات جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں"۔

مختصر خطبہ!

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں کیں۔

"ہاں خُدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے، وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے، خُدا کا پردہ نور ہے۔

دین اسلام آسان ہے

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام آسان ہے۔ اس میں کسی قسم کی تنگی سختی اور تکلیف انسان کی وسعتوں سے زیادہ نہیں ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ دین ہر ایک کی بس کی بات ہے۔ اپاہج بیمار، غنی و نادار، حاکم و محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور کسان، عورت و مرد، بوڑھا، بچہ، ہر طبقہ و ہر فرد، ہر حال اور ہر لمحہ اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے کہ دین کے احکام ہر شخص کی گنجائش و وسعت کے مطابق ہی آتے ہیں یہی وہ رحمت ہے جس کا نام و نشان شاید ہی کسی دوسرے مذہب میں ملتا ہو۔ قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی سہولتوں کا تذکرہ بہت سے مقامات پر کیا ہے۔

خدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ کی تکلیف (حکم) نہیں دیتا۔ (البقرہ ۲۸۶)

خدا کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (الطلاق۔ ۷)

اور تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔ (البقرہ ۔ ۱۸۵)

اور تمہارے لیے دین میں اس نے (خدا نے) تنگی نہیں کی۔ (حج ۔ ۷۸)

عملی مثالوں سے روشن

تاریخ کی دُنیا میں ہزاروں ، لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں ۔جنہوں نے آنے والوں کے لیے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں ۔ ایک طرف شاہانِ عالم کے شان و شوکت والے دربار ہیں، ایک طرف سپہ سالاروں کی جنگی قطاریں ہیں ایک طرف حکما اور فلاسفروں کا سنجیدہ گروہ ہے ۔ ایک طرف فاتحین عالم کی پُرجلال صفیں ہیں ۔ ایک طرف شعراء کی بزم رنگین ہے ایک طرف دولتمندوں اور خزانوں کے مالکوں کی شاندار عمارتیں اور کھنکتی تجوریاں ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے ۔ کارتھیج کا ہینیبال ، مقدونیہ کا سکندر ، رُوم کا سیزر ، ایران کا دارا یورپ کا نپولین ، ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے ، سقراط ، افلاطون ، ارسطو ، دیوجانس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکما اور فلاسفروں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے ، نمرود و فرعون اور ابو جہل و ابولہب دوسری شخصیتیں ہیں ، قارون کی ایک الگ زندگی ہے ۔غرض دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں جو بنی آدم کی عملی زندگی کے لیے سامنے ہیں ۔ لیکن ان مختلف قسم کے انسانوں میں سے کس کی زندگی نوع انسان کی سعادت ، فلاح اور ہدایت کی ضامن اور خود کفیل ہے اور اِنسان کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے ؟ کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لیے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا ہے ؟ کیا ان کی زندگی انسانوں کی باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی سُلجھا سکی ۔اِنسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی ؟ ہماری رُوحانی مایوسیوں اور نا امیدیوں کا کوئی علاج بتا سکی ؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی ؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی ؟

چنانچہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی اور اچھائی کا نُور ہے جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اُجالا ہے کیا وہ انہی نیک ہستیوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے جن کو تمام انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہیں ۔

آج انسان کے سرمایہ میں فلاح، سعادت، اخلاق، نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے جو کچھ اثرات و نتائج ہیں وہ سب انہی ہستیوں کے فیوض و برکات ہیں وہ جگہ جگہ اپنے نقش قدم چھوڑ گئے ہیں اور دُنیا کم و بیش انہی پر چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی ڈھونڈ رہی ہے۔

نوحؑ کا جوشِ تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولہ توحید، اسحاقؑ کی وراثت پدری اسماعیلؑ کا ایثار، موسیٰؑ کی سعی و کوشش، ہارونؑ کی رفاقت حق، یعقوبؑ کی تسلیم، داؤدؑ کا غربت حق پر ماتم، سلیمانؑ کی حکمت کی باتیں، زکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی پرہیزگاری، عیسیٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعتراف قصور، لوطؑ کی جانفشانی ایوبؑ کا صبر یہی وہ حقیقت نقش و نگار ہیں جن سے ہماری رُوحانی اور اخلاقی دُنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں ان صفات عالیہ کا وجُود ہے وہ انہی عظیم ہستیوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

چنانچہ صرف عقیدہ سے نہیں بلکہ عقلی استدلال اور دُنیا کی عملی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ بنی نوعِ انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قوتوں میں اعتدلال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقہ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے جو خُدا کے نبی کے طور پر اس دُنیا میں آتے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔

مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک پُوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائیڈ بک دے دے۔ جس کو لے کر اس کی تعلیم و ہدایت کے مُطابق ہر مُسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے یہ رہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد محمد مُصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن نے کہا:۔

"اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانے والا اور (غافلوں کو) ہوشیار کرنے والا اور خُدا کی طرف اس کے حکم سے پُکارنے والا اور ایک روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (احزاب۔ ٦)

غضب کی بجائے رحمت

مشرکینِ مکہ کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور دوسرے مسلمانوں پر مظالم اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہر بدکردار کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جاتا جس نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے مال وجائیداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے مال وجائیداد پر تصرف کیا جاتا لیکن کیا دنیا کی تاریخ کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتی ہے کہ ایک مظلوم نے فاتح ہو کر بھی مغلوب ظالموں کو نہ صرف مُعاف کر دیا ہو بلکہ ان سے کوئی باز پرس تک نہ کی ہو۔ مسلمانوں کی جائیداد بھی واپس نہ لی ہو اور اس فوج میں وہ صحابہؓ بھی شامل تھے جن کی جائیدادوں پر مشرکین مکہ قابض تھے بڑی خوشی سے اس فیصلہ کو قبول کیا ہو۔ رسُول اللہ صلی دشمنوں کے لیے بھی غضب کی بجائے رحمت ثابت ہوئے اور صحابہؓ کرام اس رحمتِ مجسم کے حقیقی جاں نثار ساتھی۔

ضبطِ نفس

آپ کا دستور تھا کہ سفر جہاد میں اگر مسلمانوں سے کوئی لغزش ہوتی تو آپ فوراً تنبیہہ فرماتے، سفر خیبر میں جب اسلامی لشکر خیبر کے قریب پہنچا تو کچھ لوگوں نے بلند آواز سے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔
اس پر آپ نے سخت لہجہ میں فرمایا۔
ضبطِ نفس سے کام لو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ سمیع وقریب کو پکار رہے ہو، جو ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہے۔

سوائے تن کے کپڑوں کے

آپؐ کے ایک صحابی ابو حدرد اسلمی ایک یہودی کے مقروض ہوگئے لیکن ادائیگی کے لیے ان کے پاس سوائے تن کے کپڑوں کے جو وہ پہنے ہوئے تھے اور کوئی چیز نہ تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے۔ ابو حدرد نے یہودی سے مزید مہلت مانگی، لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ حضورؐ نے ابو حدرد کو ادائیگی کے لیے کہا۔ ابو حدرد نے اپنے حالات سامنے رکھ کر عذر کیا لیکن یہودی قرض خواہ کی غیر انسانی ذہنیت کے پیش نظر آپؐ نے اصرار کیا کہ جیسے بن پڑے ادائیگی کرو، صحابی نے پھر عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ غزوہ خیبر قریب ہے۔ شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں لیکن آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو۔ آخر اپنا تہ بند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔

کرم

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریش رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پر نعوذ باللہ آپؐ کا کام تمام کر دے گا کہ اچانک وہ گرفتار ہو جاتا ہے آپؐ کے پاس لایا جاتا ہے اس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔

سخت جلال میں

آپ کی نظر میں امیر و غریب، چھوٹے بڑے، آقا و غلام سب برابر تھے۔ حضرت سلمانؓ و صہیبؓ و بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ آپؐ کی بارگاہ میں قریش کے سرداروں سے کم رُتبہ نہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جُرم میں پکڑی گئی۔ ثبوتِ جرم کے بعد آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چونکہ یہ ایک بڑے قبیلہ کی عورت تھی۔ اس لیے اس قبیلہ کے لوگ جو اس عورت کے رشتہ دار تھے۔ اُسامہ بن زید کے پاس آئے تاکہ وہ حضورؐ سے اس عورت کی سفارش کریں۔ اُسامہؓ بن زید سے آپؐ نہایت محبت رکھتے تھے۔ جب اسامہؓ سفارش کرنے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ سخت جلال میں آگئے اور فرمایا کہ:-

"اے اسامہؓ تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو"۔ پھر آپؐ اُٹھے اور آپؐ نے خطبہ میں فرمایا کہ:-

"اے لوگو! تم سے پہلے کی قومیں اس لئے تباہ ہوگئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا خاندانی شخص چوری کرتا تھا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے۔ (یعنی ایسی ناانصافیاں ہی اُن کی بربادی کا سبب ہوئیں) خُدا گواہ ہے کہ اگر فاطمہ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی ہوتی تو یقیناً میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

آخر مجرمہ کا ہاتھ قلم کرا دیا گیا۔

لیکن وہ ظالم لے ہی گئے

حضرت ابو سلمہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ اور بھی زیادہ اثر انگیز تھا۔ انہوں نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی اور پھر واپس آکر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے بھی وہ پہلے مسلمان تھے۔

حضرت ام سلمہؓ اپنی ہجرت کی داستانِ الم بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

" میرے شوہر ابو سلمہؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ اپنے بچہ سلمہ کو گود میں لیے ہوئے نکلی اور وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل تھامے آگے چل پڑے۔ میرے میکے کے لوگوں نے انہیں جاتے ہوئے دیکھ لیا تو راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ تم خود جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ لیکن ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ مارا مارا پھرنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے ابو سلمہ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے لے چلے۔ اس کے بعد ابو سلمہ کے خاندان والے آگئے۔ انہوں نے کہا " تم نے جب ہمارے آدمی سے لڑکی چھین لی ہے تو پھر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو اس کے پاس کیسے چھوڑ دیں "

چنانچہ وہ بچے کو چھین کر چل دیئے۔ اس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اتر گیا، لیکن وہ ظالم لے ہی گئے۔ خاندان والوں نے مجھے گھر لے جا کر بند کر دیا اور ابو سلمہ تن تنہا مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

میں سال بھر تک روزانہ گھر سے نکل کر اس جگہ چلی جاتی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور وہاں بیٹھ کر روتی رہتی۔ ایک روز ایک شخص کو بے حد ترس آیا تو اس نے جا کر میرے خاندان والوں سے کہا کہ تم اس مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے۔ تم نے اسے شوہر سے بھی جدا کر دیا اور بچے سے بھی۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ چنانچہ میرے اہل خانہ نے مجھے اجازت دے دی کہ اگر تو اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ ابو سلمہ کے خاندان والوں نے میرا بچہ بھی واپس کر دیا۔

مدینہ تک کا ایک طویل سفر وہ بھی اکیلی خاتون کے لیے آسان بات نہ تھی، راستے میں خوفناک گھاٹیاں،

پہاڑ، ریگزار، کڑکتی جھلسا دینے والی دھوپ اور ریگستان کی شدید تپش میں بے آب و گیاہ چٹانوں کے طویل پیچ و خم سے گزرنا تھا۔ لیکن ایمان کے جذبے سے سرشار اور فولادی عزائم کی مالک ام سلمہؓ اپنے بچے کو لے کر اکیلی مدینے کو روانہ ہوگئی۔

جب تنعیم کے قریب پہنچی تو خاندان عبدالدار کے ایک بزرگ عثمان بن طلحہ راستے میں ملے۔ انہوں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بنو امیہ کی بیٹی تن تنہا کہاں جا رہی ہو؟"

ام سلمہؓ نے بتایا۔

"میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں"۔

کہنے لگے، "تمہارے ساتھ کوئی ہے؟"

ام سلمہؓ نے کہا۔

"خدا اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں"۔

طلحہ کہنے لگے۔

"خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا"۔

اور میرے اونٹ کی نکیل تھام کر آگے آگے چلنے لگے۔ واللہ میں نے ان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ جب کسی منزل پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھا کر خود دُور ہٹ جاتے۔ جب میں بچے کو لے کر نیچے اتر آتی تو وہ اُونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے جا لیٹتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اُونٹ کو لا کر بٹھا دیتے تو پھر الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور مجھ سے کہتے۔

"سوار ہو جاؤ"۔ میرے سوار ہو لے کے بعد وہ اُونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہو جاتے۔ مدینے تک سارا راستہ انہوں نے یونہی طے کیا۔ جب قبا کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا۔

"تمہارے شوہر وہاں ہیں ان کے پاس چلی جاؤ اللہ تمہیں برکت دے"۔

اس کے بعد جس طرح پیدل وہ آئے تھے اسی طرح پیدل مکہ کی طرف وہ روانہ ہو گئے۔

ہر لمحہ اسی فکر میں

آپ نے بعثت سے لے کر اپنے آخری سانس تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش اس انہماک اور تندہی سے کی کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کا ہر لمحہ اسی فکر میں بسر ہوتا تھا کہ کس طرح خدا کا یہ پیغام خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور ان کو جہنم کی آگ اور دنیا کے نقصان سے بچائیں۔ یہ فکر آپ کو اس قدر رہتی تھی کہ ایک مرتبہ آپ دن بھر کی تبلیغی جدو جہد اور دشمنوں کی اذیت رسانی سے چُور ہو کر رات کو تھکے ہارے گھر پہنچے۔ بدن تیز بخار سے تپ رہا تھا اور آپ چند لمحوں کے لیے لیٹ گئے۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ مکہ سے چند میل دور ایک پہاڑی کے نیچے ایک قافلہ آ کر رُکا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ ان تک خُدا کا پیغام پہنچائیں۔ لوگوں نے عرض کیا! یا رسُول اللہ! آپ بہت تھکے ہوتے ہیں، قافلہ والوں سے کل صُبح مل لیں۔ آپ نے فرمایا! کیا معلوم صُبح تک مجھے موت آلے یا وہ قافلہ راتوں رات کہیں اور چلا جائے اور اس صُورت میں میرا فرض نامکمل رہ جائے۔

آئیڈیل سیرت

وہ سیرت یا نمونہ جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں۔ ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک نفسیات یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر موثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے۔ طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لئے ایک کامل سیرت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے اہم اجزاء کی تاریخیت پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے لمحات کی مشغولی کے لئے پیش نہیں کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں۔ لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابلِ عمل اور قابلِ تقلید ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرضی اور خیالی قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا اس لئے پُر اثر ہونے کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین

رکھتے ہیں۔ ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے۔ البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض حیثیتوں سے ترجیح ہے " ان پیغمبروں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے " (بقرہ)

حیاتِ جاوداں، ختم نبوت اور آخری کامل انسان سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اسلئے عنایت نہیں ہوا کہ ان کو دائمی آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بتدریج وہ دنیا سے ناپید ہو گئیں۔

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زندگی کی کتاب کا ہر ورق ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔ کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحینِ دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جا سکتی ہیں لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں۔ غور کریں کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے بہت بڑے حصہ پر قابض ہیں مگر ان سب کے ہوتے ہوئے تاریخی حیثیت سے بودھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر ہم اپنے قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزا تلاش کریں تو ہم کو بھی ناکامی ہوگی زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے مگر قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا اس کے تو تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکی مزاج اور یورپین علماء کو شبہ۔ مستشرقین میں سے جو

لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالاتِ زندگی کا کچھ کچھ تقرر کرتے ہیں۔ تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسہ پر عملی زندگی کی بنیاد قائم نہیں کرسکتا۔

جینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے۔ حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے۔ لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہمیں کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر خود وہ تورات جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد عالمِ وجود میں آئی ہے۔ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہے۔ اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اخیر ایڈیشن کے آرٹیکل "بائبل" میں موجود ہے۔ اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیلوں میں درج ہیں۔ مگر ان بہت سی انجیلوں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی انجیل طفولیت انجیل برنا باس وغیرہ نامستند ہیں۔ ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کسی سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا۔ واضح طور سے ثابت

نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔حضرت عیسٰی اسلام سے سب سے پہلے العہد پیغمبر ہیں۔جن کے پیرو پوری دنیا میں بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل و اسیریا، عرب و شام ، مصر و افریقہ ، پاکستان ، بھارت اور ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظرِ عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق نئے سرے سے ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں ۔

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی اگر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیا علیہ السلام و الصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔

آئیڈیل زندگی کا سب سے آخری معیار عملیت ہے۔ عملیت سے یہ مقصود کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو۔ اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔ خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر شخص پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر

دقت نہیں پیش کرسکتا۔ وہ عمل ہے انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل۔ اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظریے نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار نہ قائم کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے۔

چنانچہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیان مذاہب میں سے کون اپنی
عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے۔

چنانچہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو "آئیڈیل زندگی" اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا کہ انسان کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا۔ ہم کو نو صلح و جنگ، فقر و دولت، تعلقات خداوندی و تعلقات عباد، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، گھر میں اور باہر، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیئے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے۔ زبانی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدی کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔

اِس سے یہاں یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیا کی زندگیاں ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں یا جو آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ وہ انبیاؑ محدود زمانہ اور مقررہ قوموں کیلئے تھے۔ اس لئے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی صرف محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

غریب آدمی کو نصیحت

ایک غریب انصاری! یا رسول اللہ، حاجت مند ہوں، کچھ عطا فرمائیے۔

رسول اللہ! کیا تیرے گھر میں کچھ بھی نہیں ؟

انصاری ! صرف ایک کمبل ہے۔ جس سے اوڑھنے بچھونے کا کام لیتے ہیں۔ پانی پینے کا ایک پیالہ ہے۔

رسول اللہ! یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔

(کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے) کون ہے جو ان دونوں چیزوں کو خرید لے

ایک شخص ! یارسول اللہ مَیں ان کی قیمت ایک درہم دے سکتا ہوں۔

رسولؐ اللہ! اے لوگو! کوئی ہے، زیادہ قیمت لگانے والا؟ (۳ بار فرمایا)

دوسرا شخص! یارسول اللہ! مَیں دو درہم دینے کو تیار ہوں۔

رسولؐ اللہ ! اچھا یہ چیزیں لے لو اور دو درہم اس کے مالک کو دے دو۔

(انصاری سے) سنو! ایک درہم میں اپنے بال بچوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لو اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید لو۔ پھر میرے پاس آؤ۔

وہ شخص کلہاڑی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا (کلہاڑی انصاری کو دیتے ہوئے) جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو۔ پندرہ دن تک میرے پاس نہ آنا۔

وہ شخص پندرہ دن بعد حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

انصاری ! یارسولؐ اللہ۔ کل ۱۰ درہم کمائے۔ کچھ کا تو کپڑا خریدا اور کچھ پیسوں سے غلہ۔

رسولؐ اللہ ! اپنی محنت سے کمانا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔

سوال کرنا صرف تین آدمیوں کو زیب دیتا ہے۔ ایک وہ جو فقر و فاقہ سے بالکل زار و لاچار ہو گیا ہو، دوسرا وہ جس پر قرض کا بوجھ ہو یا تاوان کا، تیسرا وہ جس کو خون بہا ادا کرنا ہو اور ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

اس کے سوا

ایک مرتبہ ایک صحابی نے شادی کی، سامانِ ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے۔ حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

کوئی دوسری مثال

" داعی انقلاب" کا اطلاق اگر نسلِ آدم کے کسی فرد پر بہ تمام و کمال درست ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ انسانی کے دوران جتنے بھی انقلاب آتے وہ بشمول انقلابِ فرانس و انقلابِ رُوس سب کے سب جزوی تھے اور ان کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے صرف ایک ہی گوشے میں تبدیلی رونما ہوئی، جیسے انقلابِ فرانس سے نظامِ سیاست و حکومت میں اور انقلابِ رُوس سے نظامِ معیشت کے تفصیلی ڈھانچے میں۔ جب کہ نبی اکرم نے جو انقلابِ عظیم دنیا میں برپا کیا، اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رونما ہوئی اور عقائد و نظریات علُوم و فنون قانون و اخلاق، تہذیب و تمدن، معاشرت و معیشت اور سیاست و حکومت الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی ایک گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

اس کے علاوہ اس اعتبار سے نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں کہ کسی ایک ہی شخص نے انقلابی فکر بھی پیش کیا ہو پھر دعوت کا آغاز بھی خود ہی کیا ہو۔ پھر تنظیمی مراحل بھی خود ہی طے کئے ہوں۔ پھر اس انقلابی جدوجہد کو کشمکش اور تصادم کے جملہ مراحل سے گذار کر خود ہی کامیابی سے ہمکنار کر دیا ہو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت حیرت انگیز اور حد درجہ عظیم معجزہ ہے کہ آپ نے ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز فرما کر کُل ۲۲ برس میں انقلاب اسلامی کی تکمیل فرما دی اور ایک وسیع و عریض خطے پر دینِ حق کو اپنے سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے سمیت عملی طور پر قائم و نافذ کر دیا۔

سیرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دُنیا میں بابل واسیریا و ہندوستان وچین، مصروشام، یونان ورُوم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوتے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریہ قائم کئے گئے، تہذیب وشائستگی کے بڑے بڑے اصُول بناتے گئے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، مِلنے جُلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم وخوشی، دعوت وملاقات، مصافحہ وسلام، غسل وطہارت، عیادت و تعزیت، تبریک وتہنیت، دفن وکفن کے بہت سے رسوم، آداب، شرائط اور ہدایات مرتب ہوتے اور ان سے ان قوموں کی تہذیب وتمدن اور معاشرت کے اصُول بناتے گئے۔ یہ اصول سیکڑوں برس میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے، صدیوں میں اِن کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ فنا ہو گئے۔ لیکن اسلام کا یہ تمدن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا اور چودہ سو برس سے کل روئے زمین کی سینکڑوں مختلف قوموں میں

یکسانیت کے ساتھ قائم ہے۔ کیوں کہ اس کی بنیاد ایک ہے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔

اس زندگی کے آئینہ میں صحابہ نے اپنی زندگیاں سجائیں اور ان کا عکس تابعین نے اتارا اور اس طرح وہ تمام دنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی۔ وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی صحابہ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا۔ وہ تمدن آج اگرچہ کامل نہیں مگر اس کے نقش و قدم اب بھی ہیں اور اسی پر مسلمان چل رہے ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی جو تمام صحابہ کی زندگی بن گئی تھی اور وہی کبھی دنیائے اسلام کی زندگی بن گئی تھی اور وہ کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے۔ افریقہ یا ہندوستان کا کوئی خاندان جب آج عیسائی ہوتا ہے تو اس کو مذہب گو انجیل سے لیکن تہذیب و تمدن اور عملی زندگی کا سبق یورپ کے بنائے ہوئے تمدن سے سکھایا جاتا ہے۔ لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے وہیں سے تہذیب و تمدن اور شائستگی کا سبق بھی ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

گویا سیرتِ محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے۔ جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے۔ اور اسی لیے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لیے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکی تھیں

عکرمہؓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے تھے۔ جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ مکہ جب فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے وہ بھاگ کر یمن چلے گئے اُن کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور محمد رسول اللہ کو پہچان چکی تھیں۔ وہ خود یمن گئیں، عکرمہ کو تسکین دی اور اُن کو لے کر مدینہ آئیں۔ حضورؐ کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو ان کے خیر مقدم کے لیے اس تیزی سے اُٹھتے ہیں کہ جسم مبارک سے چادر گر جاتی ہے، پھر جوشِ مسرت سے فرماتے ہیں:-

"مرحبا بالراکب المهاجر" اے مہاجر تیرا آنا مبارک۔

راتوں کے راہب

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے، صحابہؓ فوج کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لیے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے وہ یہاں مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو سر سے پاؤں تک اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں کہ مسلمان سپاہی کیسے ہیں۔

"وہ راتوں کے راہب ہیں اور دِن کے شہسوار"

یہی اسلام کی اصل زندگی ہے۔

فوری انصاف

شوال سنہ ھ میں قبیلہ عرینہ کے آٹھ آدمی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے۔ مدینہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی اور بیمار پڑ گئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کی غرض سے اپنی نواحِ قبا میں اُس چراگاہ کی طرف بھیج دیا۔ جہاں آپؐ کے اُونٹ چرتے تھے وہ لوگ وہاں رہے، یہاں تک کہ تندرست اور فربہ ہوگئے۔ اس کے بعد ان کی نیت اچانک خراب ہوگئی اور ایک دن سرکاری چرواہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام یسار کو پکڑا اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری، بے رحمانہ طریقے سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کیا اور رسُول اللہ کی اونٹنیاں ہنکا کر لے گئے۔

یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا عجیب و غریب تھا کیوں کہ بیک وقت ارتداد، ڈاکہ قتل، محاربہ اور بے رحمانہ سلوک کے جرائم کا رتکاب لیا گیا تھا اور گویا عین دار الحکومت مدینہ میں جہاں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے رکھی تھی، وہاں امن و امان خراب کرنے کے علاوہ اس نظام صالح کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی گئی جسے قائم کرنا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں داخل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسُول اللہؐ نے فوری کارروائی کی اور اُن کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے پہلے تو فوری طور پر ۲۰ سواروں کے ساتھ کرز بن جابر الفہری کو تعاقب میں بھیج کر انہیں گرفتار کرایا اور اس کے بعد قصاص عادل کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں عدل و انصاف کی رو سے مجرموں کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں پھر وہیں سولی پر لٹکا دیا گیا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

خطبۂ تبوک

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر تیس ہزار صحابہؓ کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا :-

○ - سب سے زیادہ سچی بات کتابِ خُدا قرآنِ کریم ہے اور سب سے مضبُوط سہارا تقویٰ کا کلمہ ہے۔

○ - سب سے بہتر مِلت ، مِلتِ ابراہیمیؑ ہے۔ سب طریقوں سے بہترین طریقہ خُدا کے رسُول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

○ ۔ تمام باتوں میں بہتر بات اللہ کا ذکر ہے ۔ سب قصوں میں سے بہتر یہ قرآن ہے ۔

○ ۔ بہترین کام وہ ہیں جو انسان پوری تن دہی اور عزمِ راسخ سے کرے ۔ اور بدترین کام وہ ہیں (جو دینِ خُدا میں) از خود وضع کر لیے جائیں ۔

○ ۔ تمام راہوں میں سب سے عمدہ راہ پیغمبروں کی راہ ہے ۔ سب سے بہتر موت جامِ شہادت پینا ہے ۔ سب سے بُرا نابینا پن، ہدایت کے بعد گمراہی ہے ۔

○ ۔ بہترین عمل وہ ہے جو نفع دے اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے ۔ بدترین اندھا پن دِل کا اندھا پن ہے ۔

○ ۔ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ۔

○ ۔ جو چیز کم ہو مگر کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ہو تو زیادہ مگر غافل کرنے والی ہو ۔

○ ۔ بدترین معذرت موت کے وقت کی معذرت ہے ۔

○ ۔ بدترین ندامت قیامت کے دِن ہوگی ۔

○ ۔ سُنو بعض ایسے لوگ ہیں جو بہت دیر کر کے جمعہ میں آتے ہیں اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خُدا کا ذکر لا تعلقی سے کرتے ہیں ۔

○ ۔ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک جھوٹی زبان ہے ۔

○ ۔ بہترین تونگری دِل کی تونگری ہے ۔

○ ۔ اصلی کار آمد توشہ تقویٰ ہے ۔

○ ۔ دانائیوں کا سرتاج اللہ عزّ وجل کا ڈر ہے ۔

○ ۔ دِلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے ۔

○ ۔ شک کفر کا ایک جُز ہے ۔ میت پر چیخنا چلانا جاہلیت کا عمل ہے ۔

○ ۔ خیانت دوزخ کی آگ ہے ۔

○ ۔ شراب کا پینا دوزخ کی آگ سے داغے جانے کے مترادف ہے (بُرے اشعار ابلیس کی

طرف سے ہیں۔ شراب تمام گناہوں کا منبع ہے۔

○۔ سب سے بُری خوراک یتیم کا مال ہے۔

○۔ سعادت مند اِنسان وُہ ہے جو دُوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدنصیب اِنسان وُہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی بُرا لکھ دیا گیا ہو۔

○۔ تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے میں جانا ہے اور معاملہ آخرت پر منحصر ہو گا۔ عمل کا مدار انجامِ کار پر ہو گا۔

○۔ سب سے بُرا خواب جھُوٹا خواب ہے۔

○۔ ہر آنے والی چیز قریب ہے۔

○۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے اس کا گوشت کھانا (اسکی غیبت کرنا) خُدا کی نافرمانی ہے اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔

○۔ جو خدُا سے استغنا (بے پروائی) کرتا ہے خدا اسے جھٹلاتا ہے۔ دوسروں کی خطائیں بخش دیگا اسے بخش دیا جائے گا۔

○۔ جو دوسروں کو مُعاف کر دے گا اللہ اس کے گناہ مُعاف کر دے گا۔

○۔ جو غصّہ پی جائے گا اللہ اسے اس کا اجر دے گا۔

○۔ جو مصیبت پر صبر کرے گا اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

○۔ جو سُنی سنائی باتیں پھیلائے گا اللہ اس کو رسوا کرے گا

○۔ جو شخص تکلیف سے صبر ظاہر کرے گا اللہ اس کا صبر بڑھا دے گا اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا اللہ اس کو عذاب دے گا۔

○۔ مَیں اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔

فوراً وحی نازل

ایک دن حرم کعبہ میں سردارانِ قریش جمع تھے اور رسول اللہ ان کو اسلام کے بارے میں سمجھا رہے تھے کہ عبداللہ ابن ام مکتوم (نابینا تھے) ایک قائد کے ساتھ ادھر آنکلے اور حضورؐ کی گفتگو کے درمیان ہی پوچھا کہ جو کچھ آپ کو خدا نے سکھایا ہے، مجھے بھی سکھائیے۔ آپ نے اشارے سے قائد کو سمجھایا، قائد کی بات ابن مکتوم نے نہ مانی اور دوبارہ آپؐ کی گفتگو میں دخل انداز ہوئے، حضورؐ نے یہ دیکھ کر کہ اگر وہ اس نابینا کی باتوں میں الجھ گئے تو اس گفتگو کا سلسلہ جو ان کے اور سردارانِ قریش کے درمیان جاری تھا ٹوٹ جائے گا، اس کے اصرار کو اہمیت نہ دی اور دوسرے لوگوں سے گفتگو کرتے رہے۔ اللہ نے یہ بات پسند نہ فرمائی، کیونکہ یہ چیز اسلام کی رُوح کے خلاف تھی کہ ایک صاحبِ ایمان معذور کی پروا نہ کی جائے اور ان لوگوں کی طرف دھیان دیا جائے جو ابھی تک ایمان کی نعمت سے محروم تھے، فوراً وحی نازل ہوئی۔

اے ہمارے پیغمبر یہ کیا بات ہے کہ آپؐ کی پیشانی پر شکن پڑ گئے اور اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ کیا اس لیے کہ ایک نابینا آپؐ کی مجلس میں آبیٹھا۔ آپ کو کیا علم ہے کہ شاید یہی نابینا آپؐ کی فیضانِ صحبت سے ان امیروں سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔

اور پھر حضورؐ کے فیضِ صحبت سے ابن مکتومؓ بہت بڑے مبلغ بنے اور کفار کو اسلام کے بارے میں سمجھاتے اور مسلمانوں کو قرآن اور شریعت کی تعلیم دینے میں پوری زندگی صرف کر دی۔

چنانچہ جب مکہ کے باہر علی الاعلان تبلیغ کا موقع ملا اور اس موقع کے لیے آزمودہ کار مبلغین کی ضرورت لاحق ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب ابن مکتومؓ اور مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور یہ دونوں اس امتحان میں بہت کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ۱۳ غزوات کیے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے، جس میں آپؐ نے ابن مکتوم کو اپنا نائب بنا کر مدینہ میں نہ چھوڑا ہو، وہ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھاتے تھے۔

چودہ سو سال پہلے

اخیر عہدِ نبوی میں مدینہ کا شہر مغرب میں بطحان تک، مشرق میں بقیع الفرقد تک اور شمال مشرق میں بنی ساعدہ کے مکانات تک پھیل چکا تھا۔ اور رسول اللہؐ نے اب وہاں مزید مکانات تعمیر کرنے سے روک دیا، شہری منصوبہ بندی کے ضمن میں آنجناب کا یہ اقدام زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جنہیں جدید صنعتی شہروں کی تعمیر، اخلاق سے عاری اور انتشار انگیز معاشرت کا قریبی

مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے، اس لیے آپؐ نے نئے شہر مدینہ کو ایک خاص حد سے زیادہ نہ بڑھنے دیا اور اس شہر کی زیادہ سے زیادہ حد پانچ سو ہاتھ مقرر کی اور فرمایا کہ شہر کی آبادی اس حد سے بڑھ جائے تو نیا شہر بسائیں اور آپؐ نے اپنی زندگی میں اس اصول پر عمل کرتے ہوئے دو اقدام کیے۔

ایک یہ کہ اضافی آبادی کو یا تو اور زمینوں میں پھیل جانے کا حکم جاری کیا تاکہ اس طرح ایک توزیعی انقلاب لایا جا سکے اور دوسری طرف نئے لوگوں کی رہائش کے لیے گنجائش نکالی جا سکے مثلاً سلمہ بن اکوع کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ نے ان کو کھلی زمینوں پر آباد ہونے کا حکم دیا تھا۔ حضرت سعدؓ کو عتیق میں قتل کر دیا گیا اسی طرح اندرونِ مدینہ کے قریوں میں اور مدینہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے متعلق آپؐ کا یہ ارشاد فرمانا (کہ دیہاتوں میں رہنے اور کھیتی باڑی کرنے کے باوجود) اعراب کی طرح نہیں ہیں کیونکہ یہ (جنگ کے لیے) طلب کرنے پر فوراً آجاتے ہیں لہٰذا مالِ غنیمت میں برابر کے حصے دار ہیں) آپؐ کی اس پالیسی کا آئینہ دار ہے اور دوسرے یہ کہ قریظہ و بنو نضیر کی مفتوحہ بستیوں یا اندرون مدینہ کے دیگر قریوں میں پھیلا دیا تاکہ ایک جانب معاشرتی ناہمواریاں پیدا ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں اور دوسری طرف صحتمند اور تعصبات سے پاک معاشرے کی تخلیق کی جا سکے اور یہ حقیقت ہے کہ رسالتمآب نے اپنے مقاصد میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ آج کل چین اور کچھ مغربی ممالک میں ٹاؤن پلاننگ کے انہی سنہری اصولوں پر جنہیں رسولِ خدا نے چودہ سو سال پہلے آزمایا تھا، عمل کر کے معاشرتی ہیجان اور تہذیبی انتشار کی شدت کو کم کرنے میں ایک حد تک نمایاں کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں۔

آپؐ سے پیشتر مدینہ میں ناجائز تصرفات عام تھے۔ آپؐ نے اس کو سختی سے منع کر دیا۔ گلی یا کوچے کی کم سے کم چوڑائی، جھگڑا ہونے کی صورت میں سات ہاتھ (اذرع) مقرر کی، اندرون مدینہ کی آبادیوں میں گلیاں عام طور پر تنگ ہوتی تھیں۔ اس لیے مدینہ کی کالونی میں بھی گلی کوچے تنگ مگر سیدھے تھے باوجود یکہ آپؐ کے اور دیگر صحابہؓ کے مکانات مختصر تھے مگر آپؐ نے کشادہ مکانات کو پسند کیا اور فرمایا کہ خوش بخت ہے وہ جس کی جائے رہائش وسیع اور پڑوسی نیک ہو۔

جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی

فتح مکہ کے دِن ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر کچھ عرض کرنا چاہا مگر رعب نبوی سے وہ کانپنے لگا۔

آپؐ نے فرمایا، "گھبراؤ مت، اطمینان سے بات کہو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، بلکہ میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی"۔

نہیں کا لفظ

مُحَمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز کیوں نہ ہوتی مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔ لوگوں کو عام حکم دیا جاتا تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اُس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے۔

دنیا کا پہلا تحریری آئین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں بچ کر مدینہ چلے جانے کے واقعہ نے کفارِ مکہ کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک وفد مدینہ بھیجا اور مطالبہ کیا کہ رسولِ خدا کو مدینہ سے نکال دیا جائے یا ان کے سپرد کیا جائے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مدینہ والوں کو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔ کفارِ مکہ کا یہ وفد ناکام و نامراد واپس گیا مگر ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ اب کچھ ہو کر رہے گا اور ہمیں اپنے دفاع اور سلامتی کے لیے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس واقعہ کے دو اہم اور دور رس نتائج نکلے۔ مدنی ریاست کا آئین مرتب ہوا اور مدینہ کے ارد گرد ایک بفر سٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔

رسولِ خدا نے مدینہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک عام اجلاس طلب کیا ۔ یہ اجلاس آنحضورؐ کے ذاتی خدمت گذار حضرت انسؓ کے والد کے گھر پر ہوا ۔ رسولؐ اللہ نے اس اجلاس میں تجویز پیش کی کہ مدینہ کے لوگوں میں باہمی تنازعات کے خاتمہ اور کسی بیرونی حملہ آور کی حوصلہ شکنی کے لیے مدینہ کی ایک ریاست قائم کی جائے ۔ یہ ریاست ایک کنفیڈریشن ہو جس کے تمام یونٹوں کو بڑی حد تک خود مختاری حاصل ہو ، کسی جرم کے بارے میں سزا کے خلاف ریاست کے سربراہ سے اپیل کی جا سکے گی ۔ سربراہِ مملکت کو جنگ یا امن کے دنوں میں کسی مہم کے لیے افراد کے قطعی انتخاب کا اختیار ہو گا ۔ سماجی تحفظ کے لیے بھی ایک مضبوط نظام قائم کیا گیا ۔ خون بہا کی صورت میں بھاری رقم متعین کی گئی جو اس صورت میں ادا کرنا ضروری تھی جب قتل کے مجرم کو سزائے موت نہ دی جائے دشمن سے جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ بھی مقرر کر دیا گیا ۔

اس دستوری معاہدے سے سیاسی ، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آ گیا ۔

مدینہ کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہو گئی ۔

دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور اس کے کسی عنصر کے لیے قریش کی حمایت کے دروازے بند ہو گئے ۔ نیز دفاعی لحاظ سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا ۔

اس دستوری معاہدہ سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظامِ حیات کی بنیاد رکھ دی گئی ۔

معاہدے کی تمام دفعات پر اتفاقِ رائے کے بعد انہیں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ۔ یہ معاہدہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے جو کسی سربراہِ مملکت نے جاری اور نافذ کیا ہے ۔ اس تاریخی دستاویز کی تفصیل درج ذیل ہے ۔ جو " **میثاقِ النبیؐ** " کے عنوان سے معروف ہے ۔

میثاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان ہے ۔

ا ۔ محمد نبی رسول اللہ ۔ ب ۔ مسلمان قریشِ مکہ از ساکنینِ شہر مدینہ ۔ ج ۔ مدینہ کے مسلمان

د ۔ مدینہ کے یہودی ۔ ﻫ ۔ مدینہ کے نصرانی ۔ و ۔ مدینہ کے غیر مسلم

دفعہ اوّل — یہ سب گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

دفعہ دوم ان میں سے ہر ایک گروہ فرداً فرداً مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہے اور اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل گروہ بھی شامل ہیں ۔

۱ ۔ بنو عوف ۲ ۔ بنو حارث از قبیلہ خزرج ۳ ۔ بنو ساعدہ ۴ ۔ بنو جشم ۵ ۔ بنو نجار ۶ ۔ بنو عمرو بن عوف ۷ ۔ بنو نبیت ۸ ۔ بنی اوس ۔

دفعہ سوم

۱ ۔ کوئی گروہ دیت کی مقررہ حدوں میں تخفیف کی راہ پیدا نہ کرے ۔

۲ ۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مظلوم حلیف (موالی) کے مقابلے میں اپنے حلیف (موالی) کی ناحق حمایت نہ کرے ۔

۳ ۔ جو شخص باہم ادائے دیت میں سفارش کی راہ پیدا کرنے کی سعی کرے اس شخص کے خلاف دوسرے مسلمانوں کو ورثائے قتیل کی مناسب طرفداری کرنا ہوگی ۔

۴ ۔ جو مسلمان خود یا اس کا بیٹا جماعت میں فساد اور تفرقہ پیدا کرنے میں ساعی ہو ، اس کے خلاف دوسرے مسلمانوں کو یک جا ہو کر یہ فتنہ فرو کرنا ہوگا ۔

۵ ۔ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کافر مارا جائے تو دوسرے مسلمان کا کافر کی حمایت میں مسلمان پر جو رو

تعدی کرنا خلافِ معاہدہ ہوگا ۔

۶ ۔ اگر کافر مسلمان کے درپے ہو تو کسی مسلمان کو ایسے کافر کی حمایت نہ کرنا ہوگی ۔

۷ ۔ مُسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پر خُدا کی پناہ میں ہے اور تمام مُسلمان ایک دوسرے کے دوستدار ہیں۔

دفعہ چہارم

۱ ۔ ایک مسلمان کے لیے کسی یہودی کے ایسے معاملہ میں مدد کرنے کا کوئی حرج نہیں جس سے وہ یہودی مسلمان کے انصاف پر اطمینان حاصل کر سکے ۔

۲ ۔ مسلمان کے لڑائی میں شہید ہونے کے بعد کسی دوسرے مسلمان پر اُسکی ذمہ داری عائد نہ کی جائیگی۔

۳ ۔ تمام مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے ۔

۴ ۔ کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کے خلاف پناہ نہ دے گا ، نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہوگا جو مشرک نے ناجائز طور سے مسلمان کے مال سے حاصل کیا ہو اور نہ کوئی مُسلمان مشرک کی حمایت میں مسلمان کے درپے ہوگا ۔

۵ ۔ مومن کے قتل ناحق پر اگر ورثائے قتیل رضامندی سے دیت لینے پر مائل نہ ہوں تو قاتل کو جلّاد کے حوالے کیا جائے گا ۔

۶ ۔ جو مسلمان اس معاہدہ میں شامل ہے، اگر وہ دِل سے خُدا تعالیٰ اور روز محشر پر ایمان لاچکا ہے تو اسے کسی مفسد کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔ مفسد کو پناہ دینا بھی اس کی حمایت میں شامل ہے ۔ ایسے بے انصاف مُسلمان پر دُنیا و آخرت دونوں میں خُدا کی لعنت اور عذاب ہے جس عذاب کے بدلے میں اس سے کوئی بدل قبول نہ کیا جائے گا ۔ (ذیلی دفعہ (نمبر ۷) بلا استثنا تمام مسلمانوں پر لاگو ہے ۔

۷ ۔ مسلمان اپنے تمام باہمی تنازعات میں خُدا اور اس کے رسُول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف رجوع کرنے کے پابند ہوں گے ۔

یہود شرکائے معاہدہ کے لیے

۱ ۔ مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت کرنا ہر یہودی پر واجب ہوگا۔

۲ - قبیلہ عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے ۔

۳ - یہ ذمہ داری بنو عوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی مانند عاید ہوگی اور عدم پابندی کی صورت میں انکے آقا انکی طرف سے جواب دہ ہوں گے ۔ سرکشی کی صورت میں نہ صرف بنو عوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچوں پر بھی مواخذہ کیا جاسکتا ہے ۔

۴ - اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل یہود بھی شامل ہیں :۔

۱ ۔ بنو نجار ۲ ۔ بنو حارث ۳ ۔ بنو ساعدہ ۴ ۔ بنو ثعلبہ اور اُن کے حلیف ۵ ۔ بنو جشم ۶ ۔ جفنہ جو بنو ثعلبہ کی شاخ ہے ۔ ۷ ۔ بنو شطیبہ ۔ الغرض یہ دفعہ ہر یہودی قبیلہ کے حلیفوں پر لاگو ہے ۔

۵ - ان میں سے کوئی فرد یا شاخ یا قبیلہ اس دفعہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتا ۔

۶ - نہ ان میں سے کوئی فرد یا جماعت کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار پا سکتا ہے ۔

۷ - اِن میں جو فرد یا جماعت قتلِ ناحق کا ارتکاب کرے اس کا وبال اسکی ذات اور اہل وعیال سب پر آسکتا ہے ۔

۸ - ان یہود میں سے کسی پر ناحق ایسی تہمت پر اس کا ناصر اور حامی خدا ہے ۔

۹ - مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارفِ زندگی کے خود کفیل ہوں گے ۔

۱۰ - دونوں میں سے جو فرد اس قرارداد سے منحرف ہوگا دوسرا فریق اس باغی پر قابو حاصل کرنے میں پہلے فریق کا معاون ہوگا

۱۱ - یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے گروہ اور فرد کے ساتھ صلح اور نصیحت پر عامل رہیں گے اور صلح اور نصیحت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی درمیان نہ آنے دیں گے ۔

۱۲ - فریقین میں سے کوئی فرد یا جماعت دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہ کرے گی البتہ ایک دوسرے گروہ کے مظلوم کی حمایت کرنا اس کا فرض ہوگا ۔

۱۳ - مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروفِ پیکار ہیں یہود ان کی مالی اعانت کرتے رہیں گے ۔

۱۴ - شہر مدینہ میں ایک دُوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے ۔

۱۵ - ہر فرد اپنے ہمسائے کی طرفداری اپنے نفس کی مانند کرتا رہے گا ۔

۱۶ - اِس معاہدے کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلاف اور تنازعہ کا مقدمہ خُدا اور اس کے رسُول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کریں گے ۔

۱۷ - شرکائے مُعاہدہ میں سے کوئی فرد یا جماعت قریشِ مکہ کو اپنے ہاں پناہ نہ دے گی اور نہ قریش مکہ کے کسی حلیف کی حمایت کرے گی ۔

۱۸ - مدینہ پر حملہ ہونے کی صُورت میں شرکائے معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آور کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریق کی حمایتی ہوگی ۔

۱۹ - شرکائے قرار داد کسی جماعت کی طرف سے دشمن کے ساتھ مصالحت میں دُوسرے گروہ میں شریک ہونگے

۲۰ - دشمن سے صلح کی صُورت میں اگر کسی نوع کی منفعت ہوگی تو مسلمانوں کی مانند دُوسرے شرکائے قرار داد بھی اس سے نفع اندوز ہوں گے ۔

۲۱ - البتہ جو شخص اپنے دین سے منحرف ہوجائے اس کے لیے یہ دروازہ بند رہے گا ۔

۲۲ - جنگی حالت میں فریقِ مُعاہدہ کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصّہ ادا کرنا ہوگا ۔

۲۳ - قبیلہ اوس کے یہود اور ان (یہود) کے موالی (حلیف) بھی اس قرار داد کے اِسی طرح پابند ہیں جس طرح وہ قبائل جن کا نام بنام ذکر اُوپر آچکا ہے ۔

حرفِ آخر

۱ - اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کرسکتا ۔

۲ - جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے اور وہ شخص جو مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ نقلِ مکانی کرنا چاہے ان دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن فساد اور شرارت کرنے کے لیے قیامِ مدینہ اور یہاں سے ترکِ اقامت دونوں پر گرفت ہے ۔

۳ - جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار رہے خُدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم بھی اس کے خیر اندیش ہیں ۔

اسے آنے دو

اُبی بن خلف کا واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں جب وہ فدیہ دیکر رہا ہُوا تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ " میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے میں ہر روز انتہائی طاقتور چیزیں کھلاتا ہوں مَیں اس پر آپ کو قتل کروں گا۔" آپ نے جواب دیا کہ " نہیں" بلکہ انشاء اللہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔" اس کے بعد جنگِ اُحد میں اُس نے آنجناب کو دیکھا تو گھوڑا بڑھاتا آپ پر حملہ کرنے کیلئے آیا۔ مگر چند صحابہ اس کے راستے میں حائل ہو گئے۔ اس پر آپ نے ان کو حکم دیا کہ " ہٹ جاؤ اور اسے آنے دو "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حارث بن الصمہ کے ہاتھ میں سے نیزہ لے لیا اور آگے بڑھ کر اسے ہوا میں جنبش دے کر اُبی کے مارا اور وہ اپنے گھوڑے پر ڈگمگا گیا اور اس کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ چیختا چلاتا قریش کی طرف بھاگا۔ لوگوں نے اس سے کہا بھی کہ زخم کچھ زیادہ خوفناک نہیں ہے۔ مگر وہ یہی کہتا رہا۔" جو تکلیف مجھے ہے وہ اگر سب لوگوں کو بانٹ دی جائے تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔ محمدؐ نے پہلے ہی کہا تھا کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔" آخر وہ لوٹتے ہوئے مکہ سے ۹ کلومیٹر اُدھر مقامِ سرف پر مر گیا۔

نجات دہندہ

اسلام سے قبل عقائد و نظریات اور افکار و تصورات کی دُنیا پر جمُود چھایا ہوا تھا کہیں پتھروں کو معبُود سمجھا جاتا تھا، کہیں درختوں کے سامنے سجدہ ریزیاں ہوتی تھیں، کوئی ناگ کا پجاری تھا تو کوئی غیر معمولی انسانوں کو پوجتا تھا، کہیں سُورج کی پرستش ہوتی تھی اور کہیں چاند کو اللہ سمجھا جاتا تھا، کہیں آتش پرستی تھی تو کہیں اوہام پرستی تھی، کسی نے محض خشک فلسفہ کے ذریعے زمانے کو خُدا جانا، کسی نے مادہ کو ہی سب کچُھ مانا، کوئی تثلیث کا پجُاری تھا تو کوئی دو خُدا کا حامی، کسی نے خُدا سے بیٹے اور بیٹیاں منسوب کر رکھی تھیں کوئی خود کو دیوتا کہلواتا تھا۔ کسی نے اگر خُدا کو ایک جانا بھی تو اس کا درجہ ایک شوہر یا باپ کے برابر متعین کیا، اکثر جگہ دیو مالائی تصورات کی عملداری تھی۔ غرضیکہ تمام عالم ایک قسم کے مذہبی طلسم ہوشربا میں گرفتار تھا۔ جہاں سے رہائی اور نجات کا کوئی راستہ نہ تھا۔

تمام دُنیا میں اسی قسم کے افکار و نظریات کا دور دورہ تھا کہ ایسے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انسان کو جو پیغام اور دعوت دی اس سے عقائد کے تمام ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا کہ اس ساری کائنات کا مالک، خالق اور رازق خدائے واحد ہے جس کا کوئی شریک ہے اور نہ ثانی۔ اس لیے وہی عبادت کے لائق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی سکھایا کہ پیغمبر اسلام ہی تمام انسانیت کا پیغمبر اور نجات دھندہ ہے تمام انسانی عظمتوں، سعادتوں اور شرافتوں کا معیار آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ اس فانی دنیا کے بعد ایک اور بھی دنیا ہے جہاں موت کے بعد ہر ایک ذی رُوح کو اٹھایا جائے گا اور اس کے اعمال و افعال کا محاسبہ ہوگا ان تصورات کی بدولت ایک طرف بین الاقوامی اخوت کا تصور اُبھرا اور دوسری طرف انسانی مُساوات کا نظریہ اُجاگر ہوا نیز موت کے بعد زندگی کے تصور نے ایک ایسا ضابطۂ اخلاق دیا جس کے سامنے تمام مصلحین، مُعلمین اور فلسفیوں کے اخلاق کے ضابطے ہیچ ہیں۔

اسلامی آدابِ جنگ

جہادِ اسلامی ایک بلند ترین نصبُ العین کے لیے ہے اور
غیر اسلامی جنگوں کا کوئی بلند مقصد نہیں صرف ملک گیری ہے۔
اپنی قومی برتری کا قیام ہے اور مفتوحہ علاقوں کو اپنا غلام بنانا ہے۔
اسلامی جہاد کا نتیجہ عدل و انصاف ، فراخ دلی و رواداری، متوازن
تہذیب و تمدن کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور غیر اسلامی جنگوں کا
کوئی خوش گوار نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے ظاہر نہیں ہو سکا۔
اسلامی جہاد کے تمام قوانین احترام آدمیت ، شر و فساد نا انصافی اور
ظلم کا خاتمہ اور احتیاط تقویٰ پر مبنی ہیں اور دوسری جنگوں میں بوڑھے
بچے ، عورتیں ، بیمار ، گوشہ نشین وغیرہ کسی کا لحاظ نہیں اور غلبہ
کے بعد انتقام کی آگ اور مشتعل ہو جاتی ہے

- تم دشمنوں کے ساتھ اتنا ہی کر سکتے ہو، جتنا تمھارے ساتھ کیا گیا ہے۔
- اور اگر صبر و درگزر سے کام لو اور تمھارے لیے اور بھی بہتر ہے۔
- کسی قوم کی دشمنی تمھیں عدل سے باہر نہ لے جائے۔ عدل کرنا ہوگا، کیونکہ یہی تقوے سے
- قریب تر ہے۔
- اور نبیؐ کا فرمان! حد سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔
- اللہ کا نام لے کر اللہ ہی کی راہ میں اللہ کے نافرمانوں سے جہاد کرو۔
- بد عہدی اور خیانت نہ کرو۔
- لاشوں کو مثلہ نہ کرو
- راہبوں اور گوشہ نشینوں کو نہ چھیڑو۔
- کھجور یا اور کوئی پھلدار درخت نہ کاٹو۔
- عمارت کو نہ گراؤ
- عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مریضوں اور غیر محارب آدمیوں کو نہ چھیڑا جائے۔
- فتح مکہ کے وقت ہدایات۔
- حرم میں خونریزی نہ کرو۔
- صرف اسی کا مقابلہ کیا جائے، جو سامنے آکر مقابلہ کرے۔
- جو شخص کعبہ میں داخل ہو اسے پناہ۔
- جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اسے پناہ۔
- جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، اسے پناہ۔
- بھاگنے والے کا تعاقب نہ ہو۔
- زخمی اور اسیر نہ قتل کئے جائیں۔

چھٹی صدی عیسوی کی دنیا

قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اِس دُنیا میں عربوں سمیت کسی کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی ۔ یہ ایک شر و فساد کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں پہلے ہی تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے بادشاہی دورِ اختتام پر تھیں ۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت ، ایران کی عظمت اور روما کی شانِ جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی ایک شے یا کوئی ایسا مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا ۔ یہود تمام دُنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے ان کو کوئی مرکزی قیادت یا راہنمائی حاصل نہ تھی ۔ حالات کے مُطابق یا تو ان کو محض

برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل بڑا غیر یقینی تھا۔ پوپ گریگری اعظم کے حلقۂ اثر سے باہر مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی۔ خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا۔ اس نے رُوما کو شکست دے کر کیپدوشیا مصر و شام پر قبضہ کر لیا تھا۔

اس سنہ ۶۲۰ء میں (جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر ظاہر ہونے والے تھے) بیتُ المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اوّل کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرقِ وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے۔ لیکن یہی نہ تھا بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چُستی رکھتے تھے جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرقِ بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے، ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور جنگی حیثیت سے ایک دُوسرے پر فوقیت کے لیے جدو جہد میں مصروف تھیں۔ چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی، بُدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

سپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے اسپین وسی گوتھز کے زیر اثر تھا جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انہوں نے لوائر تک قبضہ کر رکھا تھا نکالے گئے تھے وہ ان یہودیوں پر مظالم ڈھا رہے تھے جن کو اس مسلم حملے کے لیے جو ابھی سو برس بعد ہونیوالا تھا آسانیاں پیدا کرنی تھیں۔ جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں تقسیم تھا۔ ڈیڑھ سو سال رومیوں کو روانہ ہوتے ہو چکے تھے۔ جن کی جگہ نارڈک لوگوں کی آمد نے لی تھی، خود انگلستان سات مختلف بادشاہتوں پر مشتمل تھا۔

رہبانیت

اسلام سے پہلے جو تمدن کش رجحانات کارفرما تھے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں تصور یہ تھا کہ دنیوی زندگی ایک لعنت ہے۔ جس سے چھٹکارا حاصل کرنا انسانی نجات کے لیے ضروری ہے بدھ مت نے ہندوستان میں اس رجحان کو اور زیادہ تقویت دی۔ اس نے مذہب کا ترک خواہشات پر دارو مدار رکھا اور نروان فنائے کامل کو مقصود حیات قرار دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک نہایت وسیع اور منظم خانقاہی نظام کی تخلیق کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں لاکھوں انسان جو اپنی اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں کو قوت سے عمل میں لاکر تمدن کی ترقی اور انسانیت کی خوشحالی میں اضافہ کر سکتے تھے۔ دُنیا اور دُنیاوی تعلقات سے الگ ہو کر خانقاہوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت اور نفس کُشی کے دن گذارنے لگے۔ ان کے نزدیک انسان خدمت خلق کے لیے نہیں بلکہ مراقبہ اور ذکر و فکر کے لیے پیدا ہوا تھا اور رُوحانی تسکین و نجات کے حصُول کا طریقہ یہ نہ تھا کہ انسان کو اس کی پست سطح سے بلند کیا جائے تمدن کے وسائل کو ترقی دی جائے اور انسانی تعلقات کے نظام کو بہتر اصولوں پر قائم کیا جائے بلکہ روح اور نجات کی تسکین کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ آدمی کسی گوشہ میں بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے اور زبان، آنکھ، کان اور دل و دماغ کے تمام دریچے بند کر کے صرف مراقبہ اور فکر میں دن گذارے عیسائیت نے زندگی کو لعنت تو نہیں قرار دیا لیکن اس نے انسان کی پیدائشی گناہگاری کے تصور سے ایک ہمت شکن اور تمدن کُش طرز فکر پیدا کیا۔ بُدھ مت کی طرح عیسائیت بھی خانقاہی زندگی کی حامل بن گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مردوں اور عورتوں نے زندگی کے اعلیٰ مشاغل ترک کر دیئے اور اپنی قوتوں کو انسانیت کے فائدہ کی خاطر استعمال کرنے کی بجائے انہیں بالکل ناکارہ کر دیا۔

ترکِ دنیا

ماں تین راتیں خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہی
اور وہیں لیٹ کر جان دے دی

عام خیال یہ تھا کہ بندہ جس قدر اپنے اوپر تکلیف اُٹھاتا ہے اِسی قدر خدا خوش ہوتا ہے اور وہ اُس کی بڑی عبادت شمار ہوتی تھی۔ اِس لیے لوگ اپنے جسم کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جس قدر جسم کو تکلیف دی جائے گی اسی قدر روح میں زیادہ صفائی اور پاکیزگی آئے گی۔ چنانچہ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ، اِس اعتقاد کا نتیجہ تھا، کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا، کوئی ہفتہ میں یا چالیس دِن میں ایک دفعہ غذا استعمال کرتا تھا، کوئی سرتاپا برہنہ رہتا اور ہر قسم کے لباس کو تقدس کی ذلت سمجھتا تھا، کوئی چلہ کی سردی میں اپنے جسم کو ننگا رکھتا تھا، کوئی عمر بھر یا سالہا سال تک اپنے آپ کو کھڑا رکھتا تھا یا بیٹھا رہتا تھا اور سونے اور لیٹنے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا کوئی اپنا ایک ہاتھ کھڑا رکھتا تھا کہ سوکھ جاتے، کوئی عمر بھر تاریک تہ خانوں میں غاروں میں چھپ کر خُدا کی روشنی تلاش کرتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کے نزدیک بھی وہ شخص بڑا خُدا رسیدہ تصور ہوتا تھا جو گندا اور ننگا ہو اور کسی بھٹ یا غار میں رہے۔ ولایت کا یہی تصور مقبول ہو گیا تو لوگ سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینے میں ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر ۸۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ اس کے مرید یوسیبیس نے اپنے پیر سے بھی بڑھ کر ریاضت کی وہ ۱۵۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا اور تین سال تک ایک خشک کنویں میں پڑا رہا۔ سینٹ سابیوس صرف وہ مکئی کھاتا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بدبودار ہو جاتی تھی۔ ہر الیسٹر چالیس دِن کا فاقہ کرنے کے بعد ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک

ٹانگ پر کھڑا رہا، سینٹ ابراہام جب سے داخل مسیحیت ہوا، پورے ۵۰ سال اس نے نہ منہ دھویا نہ پاؤں، سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا تھا۔ انہی تصورات کی بنا پر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں نجس قرار پاگیا تھا۔ سینٹ گریگوری ایک پادری کی تعریف میں لکھتا ہے کہ ۴۰ سال تک وہ اپنی بیوی سے الگ رہا حتیٰ کہ مرتے وقت جب اس کی بیوی اس کے قریب گئی تو اس نے کہا۔

"عورت، دور ہٹ جا۔"

سینٹ تھیوڈورس کی ماں اور بہن بہت پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر اس خانقاہ میں پہنچیں جس میں وہ مقیم تھا اور خواہش کی کہ وہ صرف ایک نظر بیٹے اور بھائی کو دیکھ لیں۔ مگر بیٹے نے سامنے تک آنے سے انکار کر دیا۔ سینٹ سیمیون اسٹائلائٹس ماں باپ کو چھوڑ کر ۲۷ سال تک غائب رہا۔ باپ اس کے غم میں مرگیا۔ ماں زندہ تھی۔ بیٹے کی شہرت کے چرچے جب دُور نزدیک پھیل گئے تو اس کو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے۔ بے چاری اس کو ملنے کے لیے اس کی خانقاہ پہنچی۔ مگر وہاں کسی عورت کے داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے بہت منت سماجت کی کہ بیٹا یا اندر بُلالے یا باہر نکل کر اپنی صُورت دکھا دے۔ مگر اس عظیم راہبؒ نے انکار کر دیا۔ تین راتیں اور تین دن وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہی اور وہیں لیٹ کر جان دے دی۔ تب وہ باہر نکلا ماں کی لاش پر آنسو بہائے اور دُعا کی۔

یہ تھا اسلام سے پہلے خُدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے بڑی ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدی نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں بلکہ جسمانی تماشے ہیں، نہ ہماری غمگینی خُدا کی خوشنودی کا باعث ہے اور نہ بندوں کی اس غیر معمولی تکلیف سے خُدا کو آرام ملتا ہے، نہ اہل وعیال کی نفرت سے خُدا کی محبّت نصیب ہوتی ہے نہ ترک دنیا سے دین کی دولت ملتی ہے۔ خُدا کا دین اتنا ہی ہے جو بندہ کی استطاعت کے اندر ہے، فرمایا:۔

خُدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف (حکم) نہیں دیتا) (بقرہ : ۴۰)

حق کی دعوت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ظہور میں نواحی ملکوں میں کسریٰ (ایران) و ہرقل (روم) دونوں اس قدر طاقت ور بادشاہ تھے کہ اپنے ملکوں کے سوا قریبی ممالک میں بھی انہی دونوں کی سیاست کارفرما تھی اور دونوں ایک دوسری سلطنت کے حریف بھی تھے اور آپ کی بعثت کے قریب ہی ایران روم کے خلاف صف آرا ہو کر مصر، شام اور اس کے مذہبی مرکز بیت المقدس پر حملہ کر کے مقدس صلیب تک اٹھا کر لے گیا۔ جس مصیبت پر ہرقل نے منت مانی کہ "اگر مقدس صلیب پہلے کی طرح پھر ہمارے سر پر سایہ کر دے تو میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے حمص (دارالحکومت روم) سے پیدل چل کر جاؤں گا اور قیصر روم اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔ کسریٰ اور ہرقل دونوں میں یہ چپقلش صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔ جس میں کبھی وہ غالب اور یہ مغلوب کبھی یہ فتح مند اور وہ شکست خوردہ لیکن دونوں ملکوں کے گرد و نواح کی سلطنتیں اور باشندے کسریٰ اور ہرقل کے نام سے تھر تھر کانپتے رہتے۔ ان سے مزاحمت کی تو کسے مجال تھی بلکہ ہر ایک ملک ان کی جگہ کرم و رحم کا منتظر رہتا۔

یہ تو ایران و شام کے ان نواحی ملکوں کا حال تھا۔ جہاں کسی نہ کسی شکل میں امن قائم تھا۔ مگر ان کے مقابلہ میں عرب کی یہ حالت کہ قبائلی زندگی نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا جس کی وجہ سے عرب کے باشندے ایران و روم کے رحم و کرم میں دوسرے ملکوں سے زیادہ محتاج تھے۔ خصوصاً جب کہ عرب کے سب سے بڑے دو خطے یمن اور عراق ایران کے زیرنگیں اور مصر و شام جیسے وسیع ملک ہرقل کی مملکت میں شامل ہوں۔ اس وجہ سے حجاز اور جزیرۃ العرب اتنی پرہیبت اور مضبوط سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا۔ پھر عربوں کا

ذریعہ معاش صرف تجارت ہی ہو اور ان کے تجارتی سفر کا ایک کنارہ یمن اور دوسرا گوشہ شام ہو جس کی وجہ سے عرب کے باشندے کسریٰ ایران اور قیصر روم دونوں کے ساتھ دعا سلام رکھنے پر مجبور ہوں اور جب عرب کے سیاسی انتشار کا یہ عالم ہو کہ بھولے سے کبھی صلح صفائی ہو گئی تو بہتر ورنہ آپس میں ہمیشہ جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ نہ کبھی یہ توفیق ہو سکے کہ منظم ہو کر رہیں اور وقت آپڑے تو قیصر یا کسریٰ کے مقابلے میں قسمت آزمائی کر سکیں، عرب کے اس نفاق و بدحالی اور اس کے مقابلے میں گرد و نواح کے بادشاہوں کی ہیبت اور شان و شوکت کے ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیصر و کسریٰ جیسے طاقت ور بادشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت!

ادھر بادشاہان غسان، مصر و اسکندریہ اور یمن کے حکمرانوں سے یہی معاملہ کس قدر حیرت انگیز ہے! وہ بھی اپنے مستقبل کے اس نتیجہ سے بے نیاز ہو کر کہیں ایسا نہ ہو ایسی دعوت کی پاداش میں آپ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاہوں میں سے کسی کی رعایا ہو کر رہنا پڑے۔ چنانچہ آپ نے ان بادشاہوں کی شان و شوکت اور دبدبہ کے باوجود انہیں دین حق کی دعوت دینے میں تامل نہ فرمایا۔

تجارتی زوال

یورپ نے بڑی تحقیق کے بعد ایشیا کے تجارتی اور تمدنی زوال کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہاں مال کا اکثر حصہ بیکار زمین میں مدفون رکھا جاتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان نے آج سے چودہ سو برس پہلے زکوٰۃ فرض کر کے یہ نکتہ بتا دیا ہے

"اور جو لوگ چاندی اور سونے کو گاڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں نہیں صرف کرتے، ان کو سخت دردناک عذاب کی بشارت دو۔" (توبہ - ۵)

عرب
دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے۔ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ آزادی و خود داری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔ شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے۔ عقیدہ کے پرجوش صاف گو اور جری حافظہ کے قوی، مُساوات، بے تکلفی اور جفاکشی کے عادی، ارادہ کے پکے زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضربُ المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں کے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے۔ چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے کھلی ہوئی بُت پرستی میں مُبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے۔ اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے۔ مذہب کی اکثر خوبیوں سے وہ محرُوم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بُت جُدا تھا، جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بُت کو حصُول برکت کے لیے چھُوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بُت کو تبرّکاً ہاتھ لگاتا۔

کِسی نے تو ایک بُت خانہ بنا رکھا تھا، کِسی نے بُت تیار کر لیا تھا، جو بُت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بُت نہیں تیار کر سکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے۔ اور اگر اچھی قسم کا پتھر ل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے۔ اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اسی کا طواف کرتے۔

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر مُلک میں جو حال رہا ہے وہی حال عرب کا تھا۔ ان کے متعدّد اور مختلف معبُود تھے جن میں فرشتے، جن، ستارے سب شامل تھے۔ فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لیے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے۔ ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے، جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے۔ ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتی تھیں، شراب عام طور سے پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، شراب کی دکانیں عام تھیں اور علامت کے طور پر ان دکانوں پر جھنڈا لہراتا، جوا جاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بزدلی کی علامت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں

ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤں پر رکھ دیتا ۔ پھر حیرت سے اپنے کٹتے ہوتے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا ۔ اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے ۔

جاہلی معاشرے میں عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی۔ اس کے حقوق پامال کیے جاتے ۔ اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے۔ وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصّہ نہ پاتی۔ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرلے دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی ۔ مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا ۔ لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہوسکتی تھی ۔ کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محرُوم تھیں ۔ لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا ، بعض ننگ و عار کی بنا پر بعض خروجِ مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے ۔ عرب کے بعض شرفا اور رؤسا ایسے موقعوں پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے ، مصعصہ بن ناجیہ کا بیان تھا کہ اسلام کے ظہور کے وقت میں تین سو زندہ در گور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا ۔ بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی ۔ جاہلی ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے زندہ دفن کردیتا۔ اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلے میں بڑے اندوہ ناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں ۔

عرب کے سفاکانہ مراسم میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معصوم بچّوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کردینا تھا ، کیونکہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں ۔

آنسو ضبط نہ کر سکے

گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا اور وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا۔ اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں چنانچہ قرآن نے کہا :

" کہ تم کو لڑکی ہو تو تمہاری شرم کا باعث ہو اور خدا کو لڑکیوں کا باپ کہو تو شرم نہ آئے"

تمام عرب میں دیگر قبائل کے علاوہ خاص طور پر بنو تمیم میں اس کا رواج بہت زیادہ تھا۔ بنو تمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرار کیا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ دس لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آکر خدمت اقدس میں عرض کی، کہ یارسول اللہؐ! ہم لوگ جاہلیت والے تھے، بتوں کو پوجتے تھے اور اولاد کو مار ڈالتے تھے، میری ایک لڑکی تھی، جب میں اس کو بلاتا تو وہ بڑے پیار کے ساتھ دوڑ کر میرے سینے سے لگ جاتی۔ ایک دن میں نے اُسے بلایا تو وہ بہت خوش خوش معصومانہ انداز میں دوڑتی آئی۔ میں آگے بڑھا اور وہ میرے پیچھے چلی آئی، میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ میری محبت میں دیوانہ وار میرے پیچھے بھاگتی رہی یہاں تک کہ میں ایک کنوئیں کے پاس پہنچ گیا جو میرے گھر سے کچھ زیادہ دُور نہ تھا اور لڑکی جب کنوئیں کے قریب پہنچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کنوئیں میں ڈال دیا۔ وہ ابا ابا پکارتی رہی اور یہی اس کی زندگی کی آخری پکار تھی۔

رحمتِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم اس المِ انگیز واقعہ کو سُن کر آنسو ضبط نہ کر سکے، ایک صحابی نے اُس شخص سے کہا: "کہ تم نے حضورؐ کو غمگین کر دیا" فرمایا :

" اس کو چھوڑ دو کہ جو مصیبت اس پر پڑی ہے وہ اس کا علاج پوچھنے آیا ہے، آپؐ نے اس شخص سے کہا، اس واقعہ کو پھر سے سناؤ، اس نے دوبارہ پھر بیان کیا کہ آپؐ کی یہ حالت ہوئی کہ روتے روتے ریش مبارک تر ہوگئی۔ پھر فرمایا :

جاؤ کہ جاہلیت کے گناہ اسلام کے بعد پھر معاف ہوگئے اب نئے سرے سے اپنا عمل شروع کرو۔"

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علانیہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے بائبل کی طرح آپ کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط نہیں کر دیا گیا۔ یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے۔ اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔

اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔ یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی اُسی وقت سے آپ نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپؐ اپنے کسی کاتب کو بُلاتے اور اسے لکھوا دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپؐ کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے تب آپؐ اسے محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے۔ ہر نازل شُدہ وحی کے متعلق آپؐ کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے۔ کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے۔ اس طرح آپؐ قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اُس میں قرآن مجید پڑھا جائے اس لئے صحابہؓ کرام اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی جنہوں نے کم و بیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے۔ ان کے علاوہ وہ متعدد صحابہؓ جو پڑھے لکھے تھے قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خُود لکھ بھی رہے تھے۔ اس طرح قرآن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیّبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا۔

پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجُود ہے بلفظ بلفظ وہی ہے جسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔ حضُورؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے پہلے خلیفہ حضرت ابُوبکر صدیق نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صُورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دُنیا میں موجُود ہیں۔ ایک استنبول میں دُوسری تاشقند میں۔ جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبُوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملا لے۔ کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق

ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت (GENERATION) میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں۔ ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔ پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصّوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ ۴۲ ہزار نسخے جمع کئے تھے۔ پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا۔ آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتاب کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کئے گئے تھے۔ افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہیں ہوتے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی نگاہ میں رکھیے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراکو تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے ۱۴ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی داں اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح ۱۴ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیّر و تبدّل موجود ہے۔

ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے۔ جو جماعت سے الگ ہوگا وہ آگ میں جا پڑے گا۔
بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے۔ ظالم کی مدد اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔
مظلوم کی بددعا سے ڈرو اِس لئے کہ اُس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔
انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے یعنی زیادہ لگتا ہے۔
اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے
پہلے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔
بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے، جو نیک نیتی سے محنت کرے۔
جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے۔
اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔
کسی قوم کی زبان سیکھ لو اُس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔
مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔
دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔
فراخی و خوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔
انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔
لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے
گرویدہ کرو۔
دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، صحت و فراغت۔
اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی
ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دِل کا اندھاپن سب سے بڑا اندھاپن ہے۔

راستوں میں مت بیٹھو! اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو!

اگر انسان کے پاس سونے کی وادیاں بھی ہوں، تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو، اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن، جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے

مومن تو اپنے حسنِ اخلاق سے، روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا! موسم بہار جو کچھ اگاتا ہے، اس میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہونا ہے۔

مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

جھوٹ کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مشورہ کر لینے کے بعد کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا۔
مجھے بلند اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔
متکبّر کے ساتھ تکبّر کرنا صدقہ ہے۔
چغل خور جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔
ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔
انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔
دین اخلاص و خیرخواہی کا نام ہے۔
بھلائی کا راستہ بتانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے
امیری دل کی امیری ہے۔
اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔
مانگنا ذلت ہے
اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔
ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہوگا۔
جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔
مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔
طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔
آدمی کی جنّت اس کا گھر ہوتا ہے۔
ندامت بھی توبہ ہے
شوہر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

ایک اور امتحان سامنے آیا

بدر کا معرکہ ایثار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر اور ایک نیا امتحان بن کر سامنے آگیا تھا کیوں کہ اس سے پہلے مکہ کا شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو رضائے الٰہی کی خاطر ظلم و ستم کے دو پاٹوں کے درمیان گندم کی طرح پیسا نہ گیا ہو۔

اس جسمانی تشدد کے بعد ان پر دوسرا امتحان آیا اور یہ مال، کاروبار، تجارت، گھربار، اعزہ واقربا اور وطن کی محبت سے دستبرداری اور سب علائق سے دامن جھاڑ کر مکہ کی سرزمین کو خیرباد کہنا اور مدینہ کی جانب ہجرت کرنا تھا۔

اور اب معرکہ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان سامنے آیا۔

جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے ان تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

بھائی کے سامنے بھائی اور باپ کے سامنے اس کا بیٹا سینہ تان کر کھڑا تھا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے ان کے سامنے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ ان کے مقابلے میں تلوار کھینچ کر نکلے، حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ عبد اللہ بن جراح کو قتل کیا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔

حضرت عمرؓ نے اسیران جنگ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے رشتہ دار کو قتل کرے۔

ہر اقدام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اقدام سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں آتا تھا حتیٰ کہ لشکروں کی تعداد کمانڈر کی شخصیت اور علمبردار کی قابلیت یہ تمام باتیں انتہائی غور و فکر کے بعد طے کی جاتی تھیں۔ آپؐ کے خلاف پورا جزیرہ العرب مکہ کا حلیف بن چکا تھا۔ آپؐ نے مدینہ اور اس کی حدود کی حفاظت کرنا تھی اور مدینہ کی بقا کے ساتھ ساتھ اور مدینہ کے مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اسلام کا مستقبل وابستہ تھا۔ لشکر کے افراد کے حوصلہ کا خیال، رائے عامہ کی جانب نظر، دشمن کے ارادوں کے قوی ہونے کا خطرہ ان تمام باتوں کے پیش نظر حضورؐ کا کوئی سریہ، کوئی غزوہ ناکامی سے دوچار نہیں ہو سکتا تھا، جن غزوات اور سرایا میں دشمن قبائل بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو جاتے تھے وہ بھی کامیاب تھیں اس لیے کہ مقصد یہ نہ تھا کہ دشمنوں کو تباہ کیا جائے یا ان کے افراد کو ختم کیا جائے۔ حضورؐ کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ اعلائے کلمۃ الحق تھا۔ آپؐ اللہ کا پیغام انسانیت تک پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے انسانیت کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ اس تک حضور اپنا پیغام پہنچا سکیں، یہ تو آج کی نام نہاد جمہوریت پسند اور متمدن قوموں کا خاصہ ہے کہ جنگوں میں لاکھوں کروڑوں بے گناہ افراد مارے جاتے ہیں اور ان سے زیادہ جنگ کے نتیجہ میں جو بیماریاں پھیلتی ہیں ان کا شکار ہوتے ہیں اور پھر بھی جنگی مقاصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔

قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا ، اے آدمؑ کے بیٹے ! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی ۔ وہ کہے گا ، اے پروردگار ! میں تیری کیسے عیادت کرتا ، تُو تو رب العالمین ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا ، تو نے اس کی عیادت نہیں کی ، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا ۔ اے آدمؑ کے بیٹے ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا ، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا ۔ وہ کہے گا ، اے پروردگار میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا ۔ تُو تو خود رب العالمین ہے ، اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا کہ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا ، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا ، تو مجھے اس کے پاس پاتا ۔ اے آدم کے بیٹے ! میں نے تجھ سے پانی مانگا ، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا ، وہ کہے گا اے پروردگار ! میں تجھے کیسے پانی پلاتا ، تُو تو خود رب العالمین ہے ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا ، تُو نے اس کو پانی نہیں پلایا ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا ، تو مجھے اس کے پاس پاتا ۔

سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور پتھر کھانے پر راضی ہو گئے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات، ہر فعل اور ہر حرکت سے اسلام کی حقیقی روح ٹپکتی تھی اور آدمی کی سمجھ میں آتا تھا کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ حجاز کی سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں اور وہ ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ جب اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو ان کا سارا تجارتی کاروبار بیٹھ گیا، کیونکہ ہمہ تن اپنی دعوت میں مصروف ہو جانے اور تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لینے کے بعد یہ کام نہ چل سکتا تھا۔ جو کچھ پچھلا بچا تھا اس کو میاں بیوی دونوں نے اس تحریک کو پھیلانے میں چند سال کے اندر لٹا دیا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب ۱۰ بعد نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ کے سلسلے میں طائف تشریف لے گئے تو وہ شخص جو کبھی حجاز کا ملک التجار تھا اس کو سواری کے لیے ایک گدھا تک میسر نہ ہوا۔

قریش کے لوگوں نے آنحضرتؐ کے سامنے حجاز کی حکومت کا تخت پیش کیا، کہا کہ ہم آپؐ کو بادشاہ بنالیں گے۔ عرب کی حسین ترین عورت آپؐ کے نکاح میں دے دیں گے۔ دولت کے ڈھیر آپؐ کے قدموں میں لگادیں گے۔ بشرطیکہ آپؐ اس تحریک سے باز آجائیں۔ مگر وہ شخص جو انسان کی فلاح کے لیے اٹھا تھا اس نے ان سب پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور گالیاں اور پتھر کھانے پر راضی ہوگیا۔

قریش کے اور عرب کے سرداروں نے کہا۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہارے پاس کیسے آکر بیٹھیں اور تمہاری باتیں کیسے سُنیں۔ جب کہ تمہاری مجلس میں ہر وقت غلام، مفلس، معاذاللہ کمین لوگ بیٹھے ہیں۔ ہمارے جو سب سے نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو تم نے اپنے گرد و پیش جمع کر رکھا ہے۔ انہیں ہٹاؤ تو ہم تم سے ملیں گے۔ مگر وہ شخص جو انسانوں کی اُونچ نیچ برابر کرنے آیا تھا، اس نے رئیسوں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا۔

اپنی تحریک کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے قبیلے، اپنے خاندان، کسی کے مفاد کی کبھی پروا نہیں کی۔ آپؐ کے ایمان لانے والے غیر اپنے تھے اور ایمان نہ لانے والے اپنے غیر تھے۔ اسی چیز نے دنیا کو آپؐ کی حق پرستی کا قائل کیا۔ اسی چیز نے دنیا کو یقین دلایا کہ آپؐ انسان بحیثیت انسان کی فلاح کے لیے اُٹھے ہیں اور اسی چیز نے آپ کی دعوت کی طرف ہر ملک اور ہر قوم کے انسانوں کو کھینچا۔ اگر آپؐ اپنے خاندان کی فکر کرتے تو غیر ہاشمیوں کو اس فکر سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟ اگر آپؐ اس بات کے لیے بے چین ہوتے کہ قریش کے اقتدار کو توکسی طرح بچالوں، تو غیر قریشی عربوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں شریک ہوتے۔؟

اگر آپؐ عرب کی برتری کے لیے اُٹھتے تو حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور ایران کے سلمانؓ کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں آپؐ کا ساتھ دیتے؟

دراصل جس چیز نے سب کو کھینچا وہ خالص خدا پرستی تھی، ہر ذاتی، خاندانی، قومی، وطنی غرض سے مکمل بے لوثی تھی۔

میری مثال اس مسافر کی سی ہے

گھر اور اس کے ساز و سامان کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ زندگی اس طرح گذار ی جاتے جیسے مسافر گذارتا ہے۔ فرمایا کہ میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سائے میں آرام کرے اور پھر اپنی راہ لے۔ مُراد یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو انجام بنائیں اور دنیوی زندگی کو ادائے فرض یا امتحان کے طور پر گذاریں۔ اور جنہیں یہاں کسی بڑے نصبُ العین کے لیے جدوجہد کرنی ہو اِن کے لیے کیا موقعہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے گھر بنائیں اور اُن کو ساز و سامان سے آراستہ کریں اور پھر ان میں مگن رہ کر لطف اُٹھائیں۔ چنانچہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے نہ اعلیٰ درجے کی عمارتیں بنائیں اور نہ ان میں اسباب جمع کئے اور نہ اِن کی زینت و آرائش کی۔ ان کے گھر بس " بہترین مسافرانہ قیام گاہیں " تھیں ان میں سردی گرمی سے بچنے کا اہتمام تھا۔ جانوروں کی مداخلت سے بچاؤ کا بندوبست تھا۔ پردہ داری (PRIVACY) کا انتظام تھا اور حفظانِ صحت کے ضروری پہلو ملحوظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے لیے حُجرات (چھوٹے کمرے) بنوا لیے تھے۔ سوائے صفائی کے اور کسی طرح کی آرائش نہ تھی۔ صفائی میں ذوقِ نبوت یہاں تک تھا کہ صحابہؓ کو تاکید فرمائی "گھروں کے آنگن صاف رکھو"۔

ساز و سامان میں چند برتن نہایت سادہ قسم کے تھے۔ مثلاً لکڑی کا پیالہ (بادیہ) تھا جس پر لوہے کے پتّر لگے تھے اور کھانے پینے میں اس کا بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ خوراک کا سامان جمع تو کیا ہوتا، روز کا روز بھی کافی مقدار میں میسّر نہ ہوا۔ بستر چمڑے کے گدے پر مشتمل تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ بان کی بُنی ہوئی چارپائی رکھتے۔ ٹاٹ کا بستر بھی استعمال میں رہا جو دوہرا کر کے بچھایا جاتا زمین پر چٹائی بچھا کر لیٹنے کا معمول تھا۔ بعض اوقات کھری چارپائی کے نشانات بدن پر دیکھ کر رفقائے خاص رو دیتے۔

سارا مدینہ تھرّا اُٹھا

حضرت عمرؓ نے بیتُ المقدس کی فتح سے فراغت پائی تو حضرت بلالؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "مجھے شام میں رہنے کی اجازت فرما دیجئے"۔

حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت بلالؓ نے مستقل طور پر شام میں رہائش اختیار کرلی۔ مُدّت کے بعد ایک روز بلالؓ نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ فرمارہے ہیں!

"بُلالؓ! یہ کیا ماجرا ہے؟"

حضرت بلالؓ کی آنکھ کھل گئی۔ اب انہیں ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ اسی بے چینی کے عالم میں وہ مدینہ روانہ ہوگئے اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوکر زار و قطار رونے لگے جب حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو معلُوم ہوا کہ حضرت بلالؓ تشریف لائے ہیں تو وہ دونوں آپؓ کے پاس آئے۔ بلالؓ نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو دیکھ کر سینے سے لگا لیا اور انہیں پیار کرنے لگے حضرت حسینؓ نے آپ سے کہا:۔

"ہماری خواہش ہے کہ صبح کی اذان آپ دیں"

حضرت بلالؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشوں کا دل کیسے توڑ سکتے تھے۔ صُبح کی نماز کے وقت مسجد کی چھت پر چڑھے اور اذان دینی شروع کی۔ جس وقت انہوں نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا، اِس سرے سے اُس سرے تک سارا مدینہ تھرّا اٹھا۔ جب اشھدُ ان لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے تو اہلِ مدینہ کے دِل اور بھی بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب بلالؓ کی زبان سے اشھدُ ان محمّداً رّسُول اللہ نکلا تو مدینہ کا کوئی اِنسان نہ تھا جو زار و قطار روتا ہوا گھر سے

باہر نہ آگیا ہو، اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اپنے محبوب رسُولؐ کی جدائی کے غم میں ساون بھادوں کی طرح نہ برس رہی ہو۔ اس دِن مدینہ ایک ماتم کدہ بنا ہوا تھا جہاں ہر طرف آہیں تھیں اور سسکیاں

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد جب مدینہ والوں کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت بلالؓ کی اذان سُن کر وہ اپنے پیارے رسولؐ کی یاد میں تڑپ اٹھے تو اس وقت ان کے حزن و ملال کا کیا عالم ہوگا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے جا ملے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس روز اہلِ مدینہ پر بجلی گر پڑی تھی۔ ان کے دِل خُون ہو رہے تھے۔ شدّتِ غم سے ان پر بیہوشی کا عالم طاری تھا۔ مدینہ والوں کی یہ حالت اِس لیے تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خُدا کے رسُول تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے باپ، مومنوں کے رفیق غریبوں اور کمزوروں کے خادم، اُمت کے مُعلّم، ضعیفوں کے مسکن، ضرورتمندوں کے کام آنے والے اور مصیبت زدوں کے مونس و غم خوار تھے۔ آپؐ عربوں کے لیے حریّت و آزادی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان پر موت وارد ہو چکی تھی۔ آپؐ نے انہیں حیات تازہ بخشی۔ وہ ذلّت کی گہرائیوں میں پڑے ہوتے تھے۔ آپؐ نے انہیں عرش کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ آپؐ نے عربوں میں زندگی کی جو رُوح پھونکی تھی، اس نے ان کے دلوں میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور یہ اِسی انقلاب کا اثر تھا کہ جب وہ عرب کی سرزمین سے نکلے اور ایسے ملکوں میں پہنچے جو فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کا شکار تھے۔ جہاں ہر طرف جہالت کا بازار گرم تھا تو انہوں نے اس تعلیم کے اثر سے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملی تھی، وہاں کے باشندوں کی کایا پلٹ دی اور اسلامی اخلاق و آداب عدل و انصاف اور اخوتِ انسانی کے ایسے شاندار نمونے پیش کیے جن کی نظیر ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ دوسرے الفاظ میں انہوں نے ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کی بنیاد رکھی۔ وہ جو بھیڑوں کے ریوڑ چرایا کرتے تھے کاروانِ انسانیت کے سالار بن گئے۔

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سیرتِ پاک

دُعائے عبدالمطلب

حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا نام جناب عبداللہ تھا جو عبدالمطلب کے بیٹے تھے
آپ کا سلسلہ نسب تقریباً ساٹھ پشتوں کے واسطے سے حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام
سے جاکر مل جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کا نام قریش ہے جو عرب کے تمام خاندانوں میں پشت بایشت
معزز اور ممتاز مانا جاتا تھا۔ عربوں کی تاریخ میں اس خاندان کے کتنے ہی لوگ بہت عزت والے اور
بڑے مانے گئے ہیں مثلاً نضر، فہر، قصی بن کلاب، قصی اپنے زمانے میں حرمِ کعبہ کے متولی بنائے

گئے اور اس طرح ان کی عظمت اور بھی بڑھ گئی۔ قصی نے بہت بڑے بڑے کام کئے۔ مثلاً حاجیوں کو پانی پلانے اور اُن کی میزبانی کا انتظام وغیرہ، یہ کام اُن کے بعد ان کے خاندان والے کرتے رہے ان رفاہی کاموں کے کرنے اور حرم کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو تمام عرب میں بڑی عزت اور اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ عام طور پر عرب میں لوٹ مار کا رواج تھا اور راستے محفوظ نہ تھے۔ لیکن حرم کعبہ سے نسبت اور حاجیوں کی خدمت کی بنا پر قریش کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹتا تھا۔ اور وہ امن کے ساتھ اپنا مالِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔

عبدالمطلب نے مکہ میں کعبہ کے سامنے زمزم کا چشمہ پھر سے جاری کیا تھا جسے ایک مقامی جنگ میں پسپائی کے دَوران جرُہُم نے بند کر دیا تھا، زمزم کی کھُدائی کے وقت جب عبدالمطلب نے دیکھا کہ ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا ہے اور قریش گھِر کر آگئے ہیں تو انہوں نے منت مانی کہ اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو میری حمایت کے لیے کھڑے ہوسکیں تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ اللہ نے ان کی یہ دُعا پوری کی اور دس بیٹے ان کو دے دیئے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے۔ آخر کار ایک روز عبدُالمطلب نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی منت کا ان سے ذکر کیا، سب نے کہا اللہ سے جو نذر آپ نے مانی ہے اسے پُورا کیجئے اس پر عبدالمطلب سب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں ہبل نامی بُت کے پاس گئے جہاں فال نکالی جاتی تھی اور فال اس بات کے لیے نکلوائی کہ ان دس میں سے کس بیٹے کو قربان کریں۔ اس میں جناب عبدُاللہ کا نام نکلا جو عبدالمطلب کے سب سے خوبصُورت اور باپ کے سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے عبدالمطلب بلا تکلُّف عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اور چھُری لے کر اِساف اور نائلہ کی طرف چلے تاکہ وہاں ان کو ذبح کر دیں۔

جناب عبداللہ سے سارے قبیلے والوں کو بھی بے حد محبّت تھی۔ وہ لوگ یہ دیکھ کر اپنی اپنی مجلسوں سے دوڑ پڑے اور کہنے لگے "عبدالمطلب یہ کیا کرتے ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو آئے دن کوئی نہ کوئی اپنے بیٹے کو لاکر ذبح کرنے لگے گا۔ چنانچہ قریش کے لوگوں نے عبدالمطلب کو یہ مشورہ دیا

کہ حجاز کی مشہور عرافہ (کاہنہ) سے دریافت کیا جائے، ممکن ہے کہ وہ اس مشکل کا کوئی حل بتا دے۔ یہ لوگ عرافہ کے پاس آئے تو عرافہ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کل دوبارہ آنے کو کہا، دُوسرے روز عرافہ نے ان سے پوچھا کہ اہلِ مکہ کے ہاں خُون بہا (دیت) کی کیا صُورت ہے؟ انہوں نے کہا ہمارے ہاں دیت میں دس اُونٹ ہیں! عرافہ نے کہا آپ حضرات واپس تشریف لے جائیں اور اسی دستور کے مُطابق دوبارہ اس طرح قرعہ اندازی کریں کہ عبداللہ کو قربان کیا جائے یا دس اونٹوں کو، اگر اس مرتبہ بھی قرعہ لڑکے کے نام نکلے تو دس اونٹ بڑھا دیں اور پھر قرعہ ڈالئے۔ اس طرح دس دس اونٹ بڑھا بڑھا کر قرعہ ڈالتے چلے جائیں۔ جب اونٹوں پر قرعہ نکل آئے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمہارا رب بیٹے کی بجائے اتنے اونٹوں کی قربانی پر راضی ہے۔ عرافہ کی بات قبول کر کے سب مکہ پلٹے اور قرعہ اندازی شروع ہوئی۔ قرعہ پہلی مرتبہ عبداللہ ہی کے نام آیا تو انہوں نے دس اونٹ سے بڑھا کر بیس کر دی پھر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا پھر تعداد بڑھا کر قرعہ ڈالا تو پھر عبداللہ کے نام پر نکلا چنانچہ اس طرح ۹۰ تک قرعہ عبداللہ کے نام نکلتا رہا۔ آخر سَو اُونٹ پر پہنچ کر قرعہ عبداللہ کی بجائے اونٹوں پر نکلا تو یہ دیکھ کر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جو وہاں موجود تھا۔ اور عبداللہ کی سلامتی کے لیے دُعائیں مانگ رہا تھا خوشی سے اچھل پڑا اور سب نے بیک زبان پکارا کہ بس ہمارا خُدا اس فیصلے پر راضی ہو گیا۔ اے عبدالمطلب! اب عبداللہ کو چھوڑ دیجئے اور اونٹوں کو قربان گاہ کی طرف لے آیئے۔

مگر عبدالمطلب اس پر مطمئن نہ ہوتے انہوں نے کہا خُدا کی قسم! جب تک مسلسل تین مرتبہ اسی طرح اونٹوں پر قرعہ نہ نکلے میں اسے تسلیم نہ کروں گا! چنانچہ تین بار قرعہ اندازی کرائی مگر تینوں بار عبداللہ کا نام نہ نکلا۔

اب عبدالمطلب مطمئن تھے اور ۱۰۰ اونٹ قربان گاہ پر لا کر انہیں ذبح کر کے چلے آتے اور عام اجازت دے دی کہ آدمی، جانور حتیٰ کہ درندہ بھی جتنا چاہے گوشت اپنے اپنے استعمال میں لا سکے۔

جنابِ عبدُ اللہ
انہیں کِس قدر محبُوب تھے !

جناب عبداللہ ۲۵ سال کے تھے ۔ جب ان کے والد جناب عبدالمطلب نے ان کی شادی بنی زہرہ بن کلاب کے سردار وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی بی بی آمنہ سے کر دی ، جو اپنی قوم کی بہترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھیں ۔ چند مہینے کی ازدواجی زندگی گذارنے کے بعد ، جب کہ بی بی آمنہ اُمید سے تھیں ۔ جناب عبداللہ تجارت کے لیے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کی طرف تشریف لے گئے ۔ کچھ عرصہ فلسطین کے شہر غزہ میں رہنے کے بعد واپسی پر مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرے ، مگر وہاں اچانک بیمار ہو گئے ۔ ان کے ساتھی چند روز تک ان کی صحت یابی کا انتظار کر کے مکہ روانہ ہو گئے ، ساتھیوں نے مکہ پہنچ کر جب عبدالمطلب کو ان کی بیماری کا حال سُنایا تو انہوں نے فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینے بھیجا ۔ مگر حارث کے پہنچنے سے پہلے جناب عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا ۔

جناب عبدالمطلب کو اس خبر سے بے حد دُکھ ہوا ، جناب عبداللہ انہیں کِس قدر محبُوب تھے !

یہ پہلی مثال ہے کہ عرب میں اس وقت تک ان کے سوا کسی کے فدیہ میں ایک سو اونٹ کی قربانی نہ کی گئی تھی ۔

مُبارک صُبح

جو دنیا کی تاریخ بدل ڈالنے والی تھی

آخر وہ وقت آپہنچا جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ایک حصّہ کو مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں لاکر بسایا تھا اور جس کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت انہوں نے اور حضرت اسماعیلؑ نے دُعا مانگی تھی کہ :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۔ (البقرہ ۱۲۹)

"اے ہمارے رب، اور تو ان لوگوں میں خُود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسُول بھیج جو تیری آیات سُنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انکی زندگیاں سنوار دے"

اس مُبارک گھڑی کے آنے سے تھوڑی مُدت پہلے ابرہہ ۶۰ ہزار فوج لے کر اپنی تقدیر سے لڑنے آیا تھا مگر وہ ساٹھ ہزار نہیں ساٹھ لاکھ بھی لاتا تو اس کا وہی انجام ہوتا جو ہوا۔

جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا منصُوبہ کام کر رہا ہو کہ اس مقام پر وہ ہستی وجود میں لائی جائے جو دنیا کی تاریخ بدل ڈالنے والی تھی، جو تمام نبوّتوں کی آخری اور سب سے بڑی نبوت تھی اور جس کے لیے ڈھائی ہزار برس پہلے سے تیاری کی جارہی تھی۔ وہاں کوئی بڑی سے بڑی انسانی طاقت بھی اللہ کی طاقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

محدثین اور مؤرخین کا اس بات پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ (یعنی مکہ پر ابرہہ کا حملہ) محرم میں پیش آیا تھا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہوئی آپؐ بارہ ربیع الاوّل پیر کے روز بیس اپریل ۵۷۱ء کی مُبارک صُبح کو اس دنیا میں تشریف لائے آپکی ولادت کی خبر فوراً جناب عبدالمطلب کو پہنچائی گئی، انہیں اپنے مرحوم اور پیارے بیٹے جناب عبداللہ کی نسل جاری ہونے سے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ اسی لمحے گھر میں تشریف لائے اور آپؐ کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر کعبہ میں لے گئے۔ جہاں ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا اس نام میں عمدگی یہ تھی کہ اہل عرب اس لفظ سے آشنا تو ضرور تھے۔ مگر آج سے پہلے کسی نے یہ نام نہ رکھا تھا۔

نور ہی نور

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے آپؐ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا ہے۔ جس سے بہت دور ملک شام کے محلات تک روشن ہو گئے ہیں۔

آپؐ کی والدہ کو خواب میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کی بشارت ہوئی اور بشارت دینے والے نے آپ کے واسطے نام محمدؐ بتایا۔

کچھ روایات کے مطابق بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ پیدا ہوئے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا ہے۔ جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے ہیں۔

اُمّ عثمان بن ابی العاص کہتی ہیں کہ حضورؐ کی ولادت کے وقت وہ بی بی آمنہ کے پاس موجود تھی۔ اس وقت جدھر نظر جاتی تھی نور ہی نور نظر آتا تھا۔

آسمان میں اللہ
اور زمین میں اللہ
کی مخلوق اس کی تعریف کرے۔

پیدائش کے ساتویں دن جناب عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور قریش کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، کھانے کے بعد لوگوں نے پوچھا "اے عبدالمطلب، آپ نے اپنے جس پوتے کے لیے ہماری یہ ضیافت کی ہے۔ اس کا نام کیا رکھا ہے"؟

انہوں نے کہا میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے۔ لوگ کہنے لگے آپ نے اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کے ناموں سے مختلف نام کیسے رکھ دیا؟

عبدالمطلب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ اور زمین میں اللہ کی مخلوق اس کی تعریف کرے۔

زندگی کا آغاز غربت سے۔

جناب عبداللہ شادی کے وقت نوجوان ہی تھے اور اپنے کاروبار کا انہوں نے ابھی آغاز ہی کیا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا، اس لیے وہ اپنے یتیم بچے اور اپنی بیوہ کے لیے کوئی زیادہ سرمایہ چھوڑ کر نہ جا سکے، انہوں نے پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور اُم ایمن لونڈی ترکہ میں چھوڑی تھی اُم ایمن نے بڑی محبت سے حضور کو پالا۔ ان کا اصل نام برکہ تھا اور حبشی النسل تھیں۔ نبیؐ پاک کی اس غریبانہ زندگی کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے کہ؛ اور اللہ نے تم کو غریب پایا پھر غنی کر دیا (الضحیٰ۔ ۸)

خدا کی قسم حلیمہ تو نے بہت ہی مبارک بچہ لیا

عرب کے شریف گھرانوں میں یہ عام رواج تھا کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہاتوں کے اچھے قبیلوں میں بھیجد یتے تھے تاکہ کھلی فضاؤں اور عمدہ آب و ہوا میں پرورش پائیں اور خالص عربی بھی سیکھ لیں۔ اس لئے اکثر اوقات شہروں میں گاؤں کی عورتیں آتی تھیں اور سرداروں کے شیر خوار بچے لے جاتی تھیں جن سے ان کو معقول معاوضے ملتے تھے۔ اسی سلسلے میں حضور کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد بنی سعد کی کچھ عورتیں بچے لینے کے لئے مکہ گئیں جن میں حلیمہ سعدیہ بھی اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ شامل تھیں۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ ان دنوں ہم بہت خستہ حال تھے۔ ہمارا علاقہ قحط زدہ تھا۔ دوسری عورتوں کی بہ نسبت ہماری حالت کچھ زیادہ ہی خراب تھی۔ ہماری گدھی اس قدر کمزور تھی کہ قافلے کے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ہماری اونٹنی بھی ذرا دودھ نہ دیتی تھی۔ میری گود میں اپنا ایک بچہ تھا مگر غربت اور بھوک کی وجہ سے بہت کمزور تھی اور میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا جو بچے کو کافی ہو سکے۔ رات بھر وہ بھوک سے تڑپتا تھا اور اس کی وجہ سے ہم دونوں میاں بیوی انتہائی دکھ اور پریشانی کی حالت میں رات گزارتے تھے۔

مکہ پہنچے تو کوئی عورت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوئی، ہر ایک کہتی تھی کہ یتیم ہے۔ بیوہ ماں اور دادا سے زیادہ معاوضہ کی توقع نہ تھی۔

دوسری سب عورتوں نے دوسرے بچے لے لئے مگر مجھے ابھی تک کوئی بچہ نہ ملا تھا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خالی ہاتھ واپس جائیں، میری رائے میں تو اس یتیم کو لے چلیں۔

شوہر نے کہا، کیا مضائقہ ہے اگر تو ایسا کرے، ہو سکتا ہے کہ اللہ اسی میں ہیں برکت دیدے۔ چنانچہ میں گئی اور صرف اس لئے اس بچے کو لے لیا کہ کوئی اور بچہ مجھے نہ ملا تھا۔

اپنے خیمے میں پہنچکر جب دودھ پلانے بیٹھی تو برکتیں ظاہر ہونا شروع ہوگئیں۔ کہاں کمزوری کی وجہ سے دودھ بھی نہ تھا اور کہاں اس قدر دودھ اُترا کہ آپ نے بھی اور حلیمہ کے اپنے بچے (جس کا نام عبداللہ تھا) نے بھی خوب پیٹ بھر کر پیا۔

پھر میرے شوہر نے اونٹنی کا دودھ نچوڑنا شروع کیا تو اس نے اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں نے جی بھر کر پیا۔

اک طویل مدت کے بعد یہ پہلی رات تھی کہ ہمیں اطمینان کی نیند آئی۔

صبح میرے شوہر نے کہا، خدا کی قسم حلیمہ! تو نے تو بڑا ہی مبارک بچہ لیا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ واپسی کے سفر میں ہماری گدھی کی شان ہی کچھ اور تھی۔ قافلے کے سارے گدھوں کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔ میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں کہ حلیمہ، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو ہمارے ساتھ آئی تھی؟ میں نے کہا بالکل وہی ہے تو انھوں نے حیرانگی سے کہا مگر اب تو یہ بالکل بدل ہی گئی ہے۔

ہمارے دیہات میں قحط پڑا ہوا تھا، اور ہمارا علاقہ تو بالکل ویران ہو کر رہ گیا تھا، میری بکریاں جہاں جاتیں پیٹ بھر کر چارہ کھاتیں اور شام کو جب واپس گھر آتیں تو دودھ سے بھری ہوتیں۔ اس بچے کی وجہ سے رحمت و برکت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور دو برس بعد میں نے آپ کا دودھ چھڑایا تو آپ سارے قبیلے کے بچوں سے زیادہ تندرست اور صحت مند لگتے تھے، ہم اسے مکہ اس کی ماں کے پاس واپس لے گئے مگر ہماری یہ بڑی آرزو تھی کہ ابھی وہ کچھ عرصہ اور ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ میں نے اس کی ماں سے کہا کہ ابھی اسے ہمارے پاس رہنے دو تاکہ ابھی کھلی فضا میں عمدہ پرورش پا سکے اور کہیں مکہ کی خراب آب و ہوا سے اس کی صحت نہ متاثر ہو۔ چنانچہ میرے بے حد اصرار پر وہ مان گئیں۔ میں اسے لے کر واپس پھر اپنی بستی پہنچ گئی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سال اور حلیمہ کے ہاں رہے۔

ہرصورت اُن کے ساتھ

حلیمہ سعدیہ آپ کے بچپن کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ کا نشوونما اور سب بچوں سے اچھا تھا کہ دو سال ہی میں اچھے بڑے معلوم ہونے لگے تھے، آپ باہر نکلتے اور لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تھے مگر خود علیحدہ رہتے تھے۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ میرے دو بھائی دن بھر نظر نہیں آتے وہ کہاں جاتے ہیں؟ میں نے کہا بکریاں چرانے جاتے ہیں آپ نے فرمایا "یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے دودھ شریک بھائی بہن تو دن بھر بکریاں چراتے پھریں اور میں ان کی محنت میں شریک نہ ہوں"۔ "میں بھی ہرصورت میں ان کے ساتھ جایا کروں گا۔" چنانچہ مجبور ہوکر مجھے اجازت دینی پڑی اور آپ اپنے رضائی بھائی عبداللہ کے ساتھ بکریاں چرانے جانے لگے۔

تنہا رہ گئے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ حضرت بی بی آمنہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے میکے بنی نجار میں لائیں اور اس سفر میں اُم ایمن (کنیز) بھی ساتھ تھیں آپ کی والدہ نے مدینہ پہنچ کر پہلے آپ کو وہ مکان دکھایا جہاں آپ کے والد ماجد جناب حضرت عبداللہ کا انتقال ہُوا تھا۔ اس کے بعد اُن کے مزار پر لے گئیں جس سے آپ کے دِل میں پہلی مرتبہ اپنی یتیمی کا احساس پیدا ہُوا۔ جناب آمنہ پہلے بھی آپ کے والد ماجد کے حالات اور موت کا سانحہ آپ کو سنایا کرتیں۔ آنحضرت نے اپنے اس پہلے سفر کے سب واقعات صحابہ کرام کو اپنی زبان مبارک سے سنائے۔

مدینہ میں اپنے ننھیال کے ہاں ایک ماہ قیام فرمانے کے بعد بی بی آمنہ آپ کو لے کر واپس مکہ روانہ ہوئیں مگر ابوا پہنچکر بیمار پڑ گئیں (یہ مقام مدینہ سے ۶۵ کلومیٹر پر مدینہ اور جحفہ کے درمیان واقع ہے) حضرت بی بی آمنہ اس مرض سے جان بر نہ ہوسکیں انہیں ابوا میں سپرد خاک ہونا پڑا۔ باپ کی قبر دکھا کے لائی تھیں اور اب ماں نے بھی راہ میں ہی داغ مفارقت دے دیا۔ آپ تنہا رہ گئے۔ والدہ کو اپنے سامنے دفن ہوتا دیکھ کر دنیا تاریکی سے بھر گئی ام ایمن جو سفر میں ہمراہ تھیں حضور کو لے کر مکہ واپس پہنچیں۔

اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔

اپنی والدہ محترمہ بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضور کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپ کو اپنے ساتھ رکھا اور اپنی تمام اولاد سے بڑھ کر آپ سے پیار و محبت کرتے۔ وہ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اپنے قریب بٹھلاتے تھے۔ آپ جس وقت چاہتے ان کے پاس چلے جاتے تھے حالانکہ ان کی دوسری اولاد ان کی ہیبت کی وجہ سے یہ جرأت نہ کر سکتی تھی۔ وہ اُس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک آپ اس میں شریک نہ ہوں اور کبھی کبھی کھانے کے وقت آپ کو گود میں بٹھا لیتے تھے۔ کعبہ کی دیوار کے سایہ میں ان کے لئے ایک فرش بچھایا جاتا تھا جس پر ان کے ادب کی وجہ سے ان کی اولاد میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا بلکہ سب اِن کے گرد بیٹھا کرتے تھے۔ مگر حضور جو اس وقت تک ایک خوب تنومند لڑکے تھے آکر سیدھے اس فرش پر بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کے چچا آپ کو وہاں سے ہٹانا چاہتے تھے تو عبدالمطلب کہتے: "میرے بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

لیکن دادا کی یہ شفقت بھی حضور کو زیادہ دیر تک حاصل نہ رہی۔ آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

سرداری سجتی ہے

عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ابُوطالب نے حضورؐ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ ابوطالب حضورؐ کے حقیقی چچا تھے۔ انہوں نے آپ کو خود اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز رکھا۔ اپنے پاس سلاتے تھے۔ جہاں جاتے تھے ساتھ لے جاتے تھے۔

کھانے کے وقت کوشش کرتے تھے کہ پہلے آپ آکر شریک ہوں، تب دوسرے کھانا شروع کریں، ابوطالب کے اہل و عیال اگر حضورؐ کے بغیر کھانا کھاتے، خواہ الگ کھائیں یا مل کر، کسی کا پیٹ نہ بھرتا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھاتے تو سب کا پیٹ بھر کر بھی کھانا بچ رہتا۔ آپ کی یہ برکت دیکھ کر ابوطالب نے اصول بنا لیا کہ جب سب کھانے کے لیے بیٹھتے تو وہ کہتے کہ ٹھہر جاؤ جب تک میرا بیٹا نہ آجائے۔ پھر جب حضورؐ آجاتے تو کھانا شروع کیا جاتا۔ اور ابوطالب کہتے کہ بیٹے تم بڑے مُبارک ہو۔ کھانے پر بعض اوقات بچے آپس میں الجھنے لگتے تھے تو حضورؐ ہاتھ روک کر بیٹھ جاتے ابوطالب یہ حال دیکھ کر آپ کے لیے الگ کھانا نکال کر دینے لگے۔ ابوطالب کے لیے الگ مسند بچھائی جاتی تھی جس پر کوئی اور نہ بیٹھتا تھا۔ مگر حضورؐ ان کے ساتھ بھی جا کر بیٹھا کرتے تھے۔

اس پر ابوطالب کہا کرتے کہ "رَبِیعہ کے خُدا کی قسم، میرے اس بھتیجے پر سرداری سجتی ہے۔"

خُداوند تعالیٰ نے مجھے اِن سے محفوظ رکھا۔

بوآنہ ایک بُت تھا، جس کی زیارت کے لئے قریش کے لوگ جایا کرتے تھے۔ وہاں نذریں اور نیازیں چڑھاتے تھے اور ایک دن رات بھر اس بت کے گرد بیٹھ کر جاگا کرتے، پھر قربانی کرکے سر منڈواتے جاتے تھے۔ ابوطالب بھی اسی طریقہ کے مطابق اپنے خاندان کے ساتھ وہاں جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو اس وقت نوخیز لڑکے تھے آپ کو بھی ہر سال تہوار کے موقعہ پر کہا جاتا اور آپ ہمیشہ جانے سے انکار کر دیتے۔ اس پر آپ کے خاندان والے

سخت ناراض ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر والوں کے بہت زیادہ مجبور کرنے پر اس تہوار کے موقعہ پر آپ بھی چلے گئے۔ بت کے قریب جانے ہی کو تھے کہ آپ سخت خوفزدہ ہو گئے اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ آپ کی حالت غیر ہو گئی اور بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ سب گھر والے آپ کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے۔ آپ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے تو سب نے آپ سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی تھی ؟

آپ نے کہا۔ جب کبھی میں اس بُت خانے میں کسی بُت کی طرف جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی گورے رنگ کا لمبا تڑنگا آدمی کھڑا اور کہتا ہے کہ "اے محمد دور رہو، اسے مت چھونا" چنانچہ اس کے بعد کسی نے آپ کو ایسی رسموں میں شرکت کے لئے نہیں کہا۔

حضور نے فرمایا۔ میرے اندر دو مرتبہ سے زیادہ کبھی ان کاموں سے دلچسپی پیدا نہیں ہوئی جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ اور دونوں دفعہ خداوند تعالےٰ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا اور اس کے بعد پھر میرے دل میں ان کا خیال تک نہیں آیا۔ ایک روز میں نے اس لڑکے سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، کہا کہ تو ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کرتا کہ میں مکہ میں جاکر رات کی ان دلچسپیوں میں حصہ لوں جن میں دوسرے لڑکے لیتے ہیں، وہ راضی ہو گیا۔ چنانچہ میں شہر کی طرف چلا اور میں نے پہلے ہی گھر میں گانے بجانے کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ فلاں فلاں کی شادی کی تقریب ہے۔ میں بیٹھ گیا اور یکایک مجھے نیند آگئی یہاں تک کہ دن نکل آیا اور سورج کی گرمی سے میری آنکھ کھلی۔ میں واپس گیا تو میرے ساتھی نے حال پوچھا، میں نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ دوسری رات میں..... اپنے ساتھی کو پھر رضامند کر کے شہر گیا تو وہی ہنگامہ اور گانا بجانا ہو رہا تھا۔ میں یہ تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ پھر سو گیا اور دن نکلنے تک سویا رہا۔ واپس جاکر اپنے ساتھی کو بتا دیا کہ آج میں کچھ نہ دیکھ سکا۔ ان دو واقعات کے بعد میرے اندر اس طرح کی کسی چیز کا کوئی شوق ہی پیدا نہ ہوا۔

میرا نہ تو باپ زندہ ہے نہ ماں

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا کہ سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالب ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے تو حضور ان سے لپٹ گئے، اور کہا "چچا جان، آپ مجھے کس سہارے پر چھوڑے جا رہے ہیں، میرا نہ تو باپ زندہ ہے نہ ماں۔" اس پر ابو طالب کا دل پگھل گیا اور انہوں نے کہا "خدا کی قسم میں نہ اسے جدا کروں گا نہ اس سے جدا ہوں گا، یہ میرے ساتھ جائے گا۔" اور آپ کو اونٹنی پر بٹھا لیا۔ قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ بصریٰ پہنچے اور بحیرا کی خانقاہ کے پاس ٹھہرے۔ اس خانقاہ کو دیر بحیرا کہتے تھے۔ اس میں ایک راہب رہا کرتا تھا جس کو بحیرا کہا جاتا تھا۔ اس کا نام جرجیس تھا۔ اس کی خانقاہ کے سامنے ایک سایہ دار درخت تھا۔ قریش کا قافلہ تجارت یہاں دم لیا کرتا تھا۔

اس سال سے پہلے کبھی اس راہب نے قافلہ قریش تک آکر ان سے بات چیت نہیں کی تھی۔ لیکن اس دفعہ وہ اپنے گرجا سے نکل کر خود قافلہ میں آیا اور اہل قافلہ کو اپنی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی۔ عربی دستور تھا کہ لوگ ضیافتوں میں کم عمر بچوں کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔ چنانچہ قافلہ کے لوگ آپ کو قافلہ کے سامان کے پاس چھوڑ کر خانقاہ میں گئے تو جرجیس نے پوچھا، کیا سب اہل قافلہ آگئے۔ لوگوں نے کہا ہاں، البتہ ایک کم عمر لڑکے کو

سامان کے پاس چھوڑ آئے ہیں، جرجیس نے کہا نہیں، اُسے بھی بلاؤ۔
قریش میں سے ایک آدمی نے کہا لات اور عزیٰ کی قسم، یہ ہمارے لئے بہت بُری بات بات ہوگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ وہ گیا اور آپ کو لے آیا۔

آپ کے آنے کے بعد بحیرا آپ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا اور آپ کے چہرے کے نقوش کا جائزہ لیتا رہا۔ کھانے کے بعد جب لوگ واپس جانے لگے تو راہب نے آپ کو روک لیا۔ ابوطالب بھی رک گئے۔ اُس نے آپ سے کہا کہ "میں لات وعزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں اُس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔" حضور نے فرمایا مجھے لات وعزیٰ کی قسم نہ دو میں ان سے بڑھ کر کسی چیز سے بغض نہیں رکھتا۔ اس نے کہا اچھا تو خدا کے واسطے مجھے ان باتوں کا جواب دو جو میں پوچھوں۔ آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔
اس کے بعد اس نے آپ کے حالات، آپ کی نیند کی کیفیت، آپ کی ہیئت اور کچھ دوسری باتوں کے متعلق پوچھا اور آپ جواب دیتے رہے۔
پھر وہ آپ کے گرد پھر کر آپ کے جسم مبارک کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ابوطالب سے پوچھا کہ یہ آپ کا کون ہے۔ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا کہ اس لڑکے کے ماں اور باپ اس وقت تک زندہ نہیں ہو سکتے۔ ابوطالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے اور آپ کے تمام حالات راہب کو سنائے۔ راہب نے حضور کے بارے میں تمام باتیں معلوم کر کے ابوطالب سے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا سچ کہا اب اپنے بھتیجے کو لے کر فوری طور پر واپس مکہ چلے جاؤ۔ اور یہودیوں سے اس کو بچاؤ، واللہ اس کو دیکھ کر اگر انہوں نے وہ باتیں پہچان لیں جو میں نے جان لی ہیں تو وہ ضرور آپ کے ساتھ کوئی شرارت کریں گے کیونکہ تمہارا یہ بھتیجا بڑی عظیم شخصیت ہے۔" چنانچہ ابوطالب نے جلدی جلدی اپنا تجارتی کام ختم کیا اور آپ کو لے کر واپس مکے چلے گئے۔

فجار

عربوں کی مشہور لڑائی

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ ایک دفعہ "بکر" اور "تغلب" عرب کے دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقع پر لڑائی ہوئی تو وہ لڑائی پورے چالیس برس تک ہوتی رہی۔ اسی قسم کی ایک نہایت خطرناک اور مشہور لڑائی فجار کی لڑائی ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی۔ قریش کے سب خاندانوں نے اپنی اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی۔ ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا۔ ہاشم کے خاندان کا جھنڈا زبیر بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اسی صف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا، پہلے قیس، پھر قریش غالب آئے۔ اور آخر کار صلح پر لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ قریش اس لڑائی میں حق پر تھے اس لیے آپ نے بھی شرکت فرمائی لیکن آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

حلف الفضول

(عہد و پیماں)

اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا

آئے دن کی لڑائیوں سے سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے۔ لوگوں کے لیے نہ دن کا چین تھا اور نہ رات کا آرام۔ خاندان میں جو کمزور ہوتا اس کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا، غریبوں پر ہر طرح کا ظلم ہوتا تھا۔ فجار کی لڑائی کے بعد اس صورت حال سے تنگ آکر عرب کے چند نیک مزاج لوگوں نے اصلاح کی تحریک شروع کی، آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس عہد و پیمان کو جو پہلے کیا جا چکا تھا۔ جس کو لوگوں نے بھلا دیا تھا پھر سے زندہ کیا جائے، اس کے لیے ہاشم، زہرہ اور تیم کے خاندان مکہ کے ایک نیک مزاج امیر عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور یہ معاہدہ ہوا کہ ہم۔

(۱) مظلوم کی حمایت کریں گے۔

(۲) ملک سے بدامنی دور کریں گے۔

(۳) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

(۴) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۵) کسی ظالم کو مکے میں نہ رہنے دیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور آپ کو یہ شرکت بڑی عزیز تھی۔ چنانچہ زمانہ نبوت میں آپ نے فرمایا "اس معاہدے کے بدلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی مجھے بلاتے تو میں حاضر ہوں،

اس تجویز کے جو پہلے بانی تھے انکے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا جسکے معنی بھی مہربانی کے ہیں بس لیے انکی پاس کے اس عہد کا نام "فضل والوں کا عہد و پیمان رکھا گیا اور اس کو عربی میں "حلف الفضول" کہتے ہیں۔

آپ نے دگنا منافع لا کر دیا

قریش حضرت خدیجہؓ کو ان کی عفت اور پاکیزہ سیرت کی بنا پر طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ پورے قبیلے میں ان کی دانائی اور فہم و فراست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ قریش کی کوئی عورت ان سے زیادہ مالدار نہ تھی، بعض اوقات قریش کا آدھا تجارت کا قافلہ صرف ان کے مال پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے ان کی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی جس سے دو لڑکے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے اور دورِ رسالت میں دونوں مسلمان ہو گئے۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد ان کی شادی عتیق بن عابد المخزومی سے ہوئی جس سے ان کی صاحبزادی ہند پیدا ہوئیں اور عہد نبوت میں وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اس دوسرے شوہر کی وفات کے بعد وہ بیوہ ہی رہیں۔

قریش کے بہت سے سرداروں نے چاہا کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کر لیں مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ اپنے مال سے وہ تجارت کرتی تھیں اور کسی نہ کسی شخص سے معاملہ کر لیتی تھیں کہ وہ انکی طرف سے تجارتی قافلوں میں جائے اور ایک مقرر حصہ لے لے۔

انہیں جب رسُول اللہ کے صدق اور امانت اور بلند اخلاق کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ میرا مال تجارت شام لے جائیں، میں دوسروں کو جتنا حصہ دیتی ہوں، آپ کو اس سے زیادہ دونگی چنانچہ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کا تجارتی معاملہ طے ہو گیا اور انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو آپؐ کے ساتھ اس تجارتی سفر پر شام بھیج دیا۔ یہ سفر ۱۵ ذی الحجہ ۲۵ سنہ عام الفیل کو شروع ہوا۔

راستے میں میسرہ نے حضورؐ کے اخلاق، عادات اور خصائل کی وہ خوبیاں دیکھیں جن سے وہ آپؐ کا گرویدہ ہو گیا۔ واپس آ کر اس نے حضرت خدیجہؓ کو تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس نے آپ کو کیسا پایا۔ تجارت میں بھی حضورؐ نہایت کامیاب رہے۔ بلکہ پہلے جتنا کچھ منافع کما کر دوسرے لوگ حضرت خدیجہؓ کو لا کر دیتے تھے۔ آپ نے اس سے دگنا منافع لا کر دیا اور حضرت خدیجہؓ نے بھی آپؐ کو جسقدر حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے دگنا دیا۔

میرے پاس کیا رکھا ہے

حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ جو مکہ سے شام تک اور واپسی پر مکہ تک کے طویل سفر میں شب و روز آپ کے ساتھ رہا تھا۔ ہر پہلو سے آپؐ کی زندگی کو دیکھ کر آپؐ کا بے حد مطیع بن چکا تھا۔ اس سے آپؐ کے حالات سُن کر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے شادی کا عزم کر لیا، اس وقت حضرت نے زندگی کی چالیسویں منزل میں قدم رکھا تھا، اور اپنے دُوسرے شوہر کی وفات کے بعد قریش کے معزز خاندانوں سے کتنی ایک شادی کی درخواستوں کو رد کر چکی تھیں۔ اب انہوں نے شادی میں مزید دیر کو مناسب نہ سمجھا اور اپنی عزیزہ نفیسہ سے اپنا ارادہ ظاہر فرما دیا وہ ان کا پیغام عقد لے کر رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفت گو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی۔ نفیسہ نے رسُول پاکؐ سے کہا "آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے"؟

فرمایا "میرے پاس کیا رکھا ہے کہ میں شادی کروں"؟ اس نے کہا "اس کا انتظام ہو گیا ہے اور آپ کو ایسی جگہ شادی کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، جہاں سیرت بھی ہے اور شرف بھی ہے اور قابلیت بھی کیا آپ اسے قبول کریں گے؟ فرمایا، وہ کون ہے؟ عرض کی! خدیجہؓ" فرمایا "میری ان سے شادی کیسے ہو سکتی ہے"؟ نفیسہ نے کہا اسے آپؐ میرے اوپر چھوڑ دیں، اور آپؐ نے منظور فرما لیا۔

حضرت خدیجہؓ نے اپنے خاندان کو دعوت بھیج کر جمع کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کے باپ خویلد بن اسد الفجار کی جنگ میں ہلاک ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کے سرپرست کے فرائض سرانجام دیئے۔ رسولؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں حضرت حمزہؓ اور ابوطالب کو لے کر پہنچ گئے اور شادی۔ عقد کے موقع حضرت ابوبکر اور دیگر سرداران قریش شریک تھے، مہر میں حضورؐ نے ۲۰ اُونٹ دیئے۔ حضورؐ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ ۴۰ سال کی تھیں۔

تیسرے لختِ جگر بھی انتقال کر گئے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال اپنے ہم وطنوں کے ساتھ گزارے، اس دور میں انہیں اپنی رفیقہ حیات سیدہ خدیجہؓ کی گود ہری بھری دیکھنے کی آرزو تھی۔ ان کے بطن سے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، صاحبزادوں میں ایک کا نام قاسم اور دوسرے کا عبداللہ اور دونوں کے القاب طاہر اور طیب تھے، بیٹیوں کے نام حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ ہیں۔ دونوں بیٹے بچپن ہی میں بعثت سے قبل اللہ کو پیارے ہو گئے، جن کی موت کا ماں باپ دونوں کو بیحد صدمہ ہوا۔

اس طرح بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے بچھڑ جانیکا صدمہ اٹھایا تھا اور اب جوانی میں اولاد کے گزر جانے کا غم برداشت فرمایا۔

آپ نے زید (ابن حارثہ) کو آزاد کر کے اپنا متبنیٰ قرار دیا، جس کے بعد وہ ابن حارثہ کی بجائے زید بن محمدؐ سے شہرت پذیر ہوئے، یہی زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین صحابی اور بہترین پیرو تھے۔

پھر آپ کے تیسرے صاحبزادے ابراہیم بھی بچپن ہی میں وفات پا گئے، اس صدمہ نے غمزدہ دل کو اور بھی مجروح کر دیا۔

امین ہونے کی شہادت

آپؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی ۔ اس وقت ایک معاملہ پیش آیا، جس سے لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی بے مثل امانت، صداقت اور دیانت کا سکہ بیٹھ گیا ۔ کعبہ کی عمارت زیادہ مضبوط اور اونچی بھی نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ چھ فٹ کے قریب ہوگی اور اس پر چھت بھی نہ تھی ۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا جس سے عمارت کو نقصان پہنچتا تھا ۔

چنانچہ اہل مکہ نے یہ طے کیا کہ بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے حُسنِ اتفاق یہ کہ جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ، قریش کو پتہ چلا تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے خرید لیے ، جہاز میں ایک رُومی معمار تھا ، اس کا نام باقوم تھا ، ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی ۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصّے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی قبیلہ بھی تعمیر کعبہ کے شرف سے محروم نہ رہ جائے ۔

لیکن جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو ان میں اس بارے میں شدید اختلاف رُونما ہوا کہ حجرِ اسود نصب کرنے کا شرف کس کو حاصل ہونا چاہیئے ۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت و شرف اسے حاصل ہو اور اس پر اتنا شدید جھگڑا ہوا کہ تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں ۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبوتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی دعویداروں نے یہ رسم ادا کی اور سب بڑے قبیلوں نے اعلان کیا کہ اول ہمارا حق ہے۔ اگر کوئی دوسرا آگے آئے گا تو اسے ہماری لاشوں سے گزرنا پڑے گا۔ چار دن تک مسلسل یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا، رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص مسجد کے باب بنی شیبہ سے داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کردے۔ اس رائے پر سب متفق ہو گئے۔

دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ کو دیکھتے ہی سب لوگ پکار اٹھے۔

"یہ امین ہیں، بالکل راست باز آدمی ہیں جو فیصلہ بھی یہ کریں گے، ہم اس پر راضی ہیں، یہ تو محمدؐ ہے"۔

درحقیقت اس طرح آپؐ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپؐ کے "امین" ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔

جب آپؐ کو بتلایا گیا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ آپؐ نے کرنا ہے، تو آپؐ نے اپنی چادر بچھا دی اور حجر اسود کو پکڑ کر اس میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا ہر ایک قبیلہ اپنا ایک ایک نمائندہ بھیج دے، جب تمام قبیلوں کے نمائندے آ گئے تو آپؐ نے تمام نمائندوں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور سب مل کر حجر اسود کو اٹھائیں، چنانچہ سب نے مل کر اٹھایا، جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اور عربوں کو ہولناک خونریزی سے بچا لیا۔ پھر اس پر مزید تعمیر ہوئی۔

وہ نہ سننے پر قادر ہیں
نہ انہیں دیکھنے کی توفیق ہے۔

رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے سارا عرب شرک اور گمراہی میں مبتلا تھا۔ خود بیت اللہ کو قریش نے بتوں کا سب سے بڑا مرکز بنا رکھا تھا اور وہ اپنی اسی حالت میں مگن تھے۔ لیکن ایسے حالات میں بھی چند ایک لوگ ایسے تھے، جن کے دِلوں میں اضطراب سا پیدا ہو چکا تھا اور فطرت انسانی اس کے خلاف جذبہ احتجاج کے ساتھ انگڑائی لے رہی تھی اور اس وقت جبکہ قریش "عزیٰ" اپنے بڑے بُت کے گرد جمع ہو کر عید کی تقریب منا رہے تھے اور اس کی تعریف و تعظیم ہو رہی تھی اور اس پر چڑھاوے چڑھائے جا رہے تھے اور اس کا طواف جاری تھا۔ عین اس عالم میں نخلہ کے مقام

پر چار آدمی یعنی ورقہ بن نوفل ، عبد اللہ بن حجش ، زید بن عمرو اور عثمان بن حویرث ان ہنگاموں سے دور الگ تھلگ ایک خفیہ اجتماع کر رہے تھے ۔

ہر ایک نے اپنے عقیدہ پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا :۔

" ہماری قوم ایک بے بنیاد مسلک پر چل رہی ہے اور اپنے دادا ابراہیمؑ کے دین کو ہم نے گنوا دیا ہے ، ہم سب ایک گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں' جن پتھروں کا ہم طواف کرتے ہیں وہ نہ سننے پر قادر ہیں نہ انہیں دیکھنے کی توفیق ہے اور نہ وہ کسی قسم کا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ہمارا ان کے ساتھ تعلق کا یہ عالم ہے کہ وہ ہماری طرف سے قربانی کے خون میں تیرتے رہتے ہیں' ساتھیو ! اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں تو خدا کی قسم ہم محسوس کریں گے کہ ہماری کوئی بنیاد نہیں ، ملک ملک گھومیں اور کھوج لگائیں دین ابراہیمؑ کے سچے پیروؤں کا "۔

ان میں سے ورقہ بن نوفل عیسائی ہو گیا اور ان کا کارنامہ انجیل کے کچھ حصہ کا عبرانی سے عربی ترجمہ ہے عبد اللہ بن حجش اسلام کے آغاز میں اضطراب کے عالم میں اسلام لایا اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا مگر وہاں جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا ۔ اس سفر میں ان کی اہلیہ سیدہ ام حبیبہ (ابوسفیان کی بیٹی) بھی اپنے شوہر کے ہمراہ تھیں جو حبشہ سے واپس تشریف لے آئیں اور حرم نبوی میں داخل ہو کر امہات المومنین کے مقدس گروہ میں داخل ہو گئیں ، عثمان نے قیصر روم کے ہاں جا کر عیسائیت اختیار کر لی ۔ قیصر روم نے انہیں اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا ۔ زید بن عمرو اپنے اہل و عیال سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے ۔ کچھ عرصہ شام و عراق میں گھومتے پھرے لیکن نہ انہوں نے یہودیت قبول کی نہ نصرانیت لیکن اپنی قوم کا دین یعنی بُت پرستی ترک کر دیا ، جیسا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دیوار کعبہ کے سائے میں یہ دُعا کی تھی کہ

" اے خدا ! اگر مجھے علم ہو جائے کہ تُو فلاں دین سے خوش ہے تو میں اسی مذہب میں داخل ہو کر تیری عبادت کروں لیکن مجھے کچھ علم نہیں کہ تو کس دین میں خوش ہے "۔

ہر بات پر غور و فکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا اہل وعیال تھے، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن دستِ قدرت نے جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دُنیا اور دُنیا کے تمام کام آپؐ کو ہیچ نظر آتے تھے، رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات پر غور وفکر فرماتے، اپنے گرد و نواح میں رہنے والوں سے ان بتوں کی ستائش بھی سنتے جنہیں وہ خدائی کے درجہ پر فائز سمجھے بیٹھے تھے اور انہی بتوں کیخلاف یہود و نصاریٰ کے عیب نکالنے سے بھی آپ واقف تھے۔ آپؐ کی توجہ اپنے ماحول کی اخلاقی اور دینی پستی پر غور کرنے کی طرف بڑھنے لگی، آپؐ برابر سوچتے رہے کہ میری قوم کے لوگوں نے کس طرح بُتوں کو اپنا معبُود بنا لیا ہے، وہ اخلاقی اعتبار سے کس قدر گر چکے ہیں۔

مگر آپؐ ان سب کی زندگی سے کہیں زیادہ ان مسائل کی تحقیق میں ڈوبے رہتے۔ قدرت نے آپؐ کو اسی مقصد کے لیے تخلیق فرمایا تھا کہ اس وحی کی قوت کی برداشت کا ملکہ کامل ہو جائے جس کے سہارے تمام عالم کو ان ذلالت کی گہرائیوں سے نکالنا مقصود ہے، جس میں وہ سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپؐ صبح وشام غور وفکر میں مصروف رہتے، کیونکہ آپؐ کو اللہ کا یہ پیغام پہنچانا تھا اور دنیا کو سچّی خدا پرستی کی راہ دکھانا تھی۔ ناممکن تھا کہ آپؐ بُت پرستی کی اس صورتِ حال پر قانع رہتے اور غور و تدبّر کی صلاحیتوں کو کام میں نہ لاتے۔ آپؐ کے لیے ضروری تھا کہ کائنات میں ہدایت و روشنی کی تلاش میں سرگرم رہیں۔ مگر آپؐ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ آپ کا شمار عرب کے کاہنوں میں ہو۔ نہ آپؐ کا نصب العین ورقہ بن نوفل کی طرح حکیم و دانشمند بننا تھا۔ آپؐ کا عزم وارادہ اس سے کہیں بلند تھا، رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم حق اور صرف حق کے طالب تھے۔ اس لیے صبح وشام فکر وتدبر اور غور وخوض میں ڈوبا رہنا بالکل فطری امر تھا۔ آپؐ سب کچھ سوچتے، مگر کسی سے بھی اپنے دِلی اضطراب کا حال نہ کہتے۔

غارِ حرا

مکہ معظمہ سے پانچ کلومیٹر پر ایک غار تھی، جس کو حرا کہتے ہیں۔ ریاضت تنہائی میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی۔ آپؐ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ غارِ حرا میں بسر کرتے، اور مراقبہ کرتے۔ گھر سے مہینہ بھر کے لیے مختصر سا سامان ساتھ لے جاتے وہ ختم ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے اور یہاں دنیا و مافیہا سے بے نیاز یکسوئی کے ساتھ سوچ و بچار میں ڈوبے رہتے۔ اس حالت میں کھانے پینے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کا ہوش نہ رہتا۔ آپؐ کے لیے اہلِ مکہ کے معاشرہ میں دلچسپی نہ ہونے سے " غارِ حرا "، تحنث (عبادت) بجائے خود ایک انجمن تھی۔

یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے۔

" یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔"

یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلّی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ	" میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا "
اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ " (انعام - ۹)	" میں اپنا مُنہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا "

اقرأ :- پڑھیے اپنے رب کے نام سے

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر پوری کر لی اور آپ غارِ حرا میں خلوت گزین تھے تو سوموار کے روز یکایک جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور اس کے ختم ہونے میں ابھی سترہ دن باقی تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی جو خواب بھی آپؐ دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپؐ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپؐ تنہائی پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر عبادت کرنے لگے (حضرت عائشہ نے تحنث کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی کئی کئی شب و روز تک مسلسل عبادت گزاری کے ہیں) یہاں تک کہ آپؐ کے پاس امرِ حق آگیا، آپؐ کے سامنے اس کا بھیجا ہوا فرشتہ ظاہر ہوا، یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو فرشتوں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں اور جو ہمیشہ سے خدا کا پیام اس کے رسولوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے نمودار ہو کر کہا "پڑھیے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "پڑھیے"۔ میں نے کہا " میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور کہا "پڑھیے" میں نے پھر کہا " میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (العلق ۱-۵)

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھیے اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا

خُدا کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کو رنجیدہ نہیں کرے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے ہوئے وہاں سے واپس آئے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر فرمایا :۔

مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔

چنانچہ آپ کو اڑھادیا گیا۔ جب آپ پر سے خوف زدگی کی کیفیت دور ہوگئی تو آپ نے فرمایا "اے خدیجہؓ، یہ مجھے کیا ہوگیا ہے"۔ پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور کہا "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے" انہوں نے کہا "ہرگز نہیں، آپ خوش ہوجائیے، خُدا کی قسم، اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رنج میں مبتلا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے

ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں۔ انصاف کی خاطر آپؐ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں"۔

(نبوت کے بارِ گراں سے حضورؐ لرز رہے تھے اور آپؐ کو بار بار خیال آتا تھا کہ میں اتنا بڑا بوجھ کیسے اٹھا سکوں گا اور آپؐ نے جو کچھ فرمایا اور حضرت خدیجہؓ نے جس طرح تسلّی دی وہ ایک خالص فطری کیفیت کے سوا اور کچھ نہیں)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو اُن کے چچازاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں بُت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے، بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے حضرت خدیجہؓ نے سارا واقعہ انہیں جا کر سنایا، ورقہ نے حضورؐ سے کہا، بھتیجے تم کو کیا نظر آیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا، ورقہ نے کہا "یہ وہی ناموس (عالمِ بالا سے وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکالے گی" آپؐ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھے نکال دے گی"؟ ورقہ نے کہا ہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دُشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری مدد کرونگا، مگر زیادہ مدّت نہ گزری تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ کی آمد رُکی رہی اور آپؐ بدستور غارِ حرا میں جاتے رہے، یہ عرصہ کم سے کم چھ ماہ کا رہا۔ اس درمیانی وقفہ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپؐ کے قلب پر جو فوری اثرات بتقاضائے بشریت پیدا ہوئے تھے وہ دُور ہو گئے اور آپؐ کا قلب مبارک اب پھر نزولِ وحی کا مشتاق ہو گیا، یہاں تک کہ جب یہ عرصہ کچھ دراز ہوا تو آپؐ کے سکون اور اطمینان کے لیے کبھی کبھی حضرت جبریلؑ تشریف لاتے رہے اور آپؐ کو اطمینان دلاتے رہے کہ یقیناً آپؐ کا انتخاب بحیثیت رسولؐ ہو چکا ہے آپؐ انتظار اور اطمینان فرمائیں پھر کچھ دنوں بعد حضرت جبریلؑ پے درپے آنے لگے۔

اے کمبلی اوڑھنے والے اٹھ!

غارِ حرا میں پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ دنوں تک کوئی وحی نہیں آئی۔ اس کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ! قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ۝ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ۝ مدثر (۱-۷)

اے کمبلی اوڑھنے والے۔ اُٹھ (اور لوگوں کو گمراہی کے انجام سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی اور بزرگی بیان کر اور لباس کو پاک کر اور بتوں سے الگ رہ اور زیادہ حاصل کرنے کی نیت سے کسی کیساتھ احسان مت کر اور اپنے رب کی خاطر اذیت اور مصیبت پر صبر اختیار کر۔

نبوت کے کام پر مامور ہونے کی یہ ابتداء تھی۔ اب باضابطہ حکم مل گیا کہ اُٹھو اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو اس کی فلاح اور کامرانی کا راستہ دکھاؤ اور لوگوں کو خبردار کر دو کہ کامیابی کی راہ صرف ایک ہی ہے یعنی خدائے واحد کی بندگی جو کوئی اس راہ کو اختیار کرے اسے آخرت کے بُرے انجام سے ڈراؤ۔

حضرتِ خدیجہؓ

سب سے پہلی خاتون ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں۔

کارِ نبوت پر مامور کیے جانے کے بعد سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ صرف ایک خدا کی بندگی اختیار کرنے اور باقی سینکڑوں خداؤں کا انکار کر دینے کی دعوت سب سے پہلے کسے دی جائے ایسے لوگوں کے سامنے وہ بات پیش کرنا جو ان کے مزاج ، پسند اور عادتوں کے بالکل خلاف ہو واقعی بہت سخت مرحلہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان لوگوں کو منتخب فرمایا جن سے اب تک بہت قریبی تعلقات رہے تھے اور جو آپ کی عادات اور اخلاق کا براہ راست تجربہ رکھتے تھے۔ آپ کی سچائی اور دیانت کے بارے میں قطعی فیصلہ کر چکے تھے اور ان کے لیے یہ آسانی سے ممکن نہ تھا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی کسی بات کا انکار کر سکیں۔ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سُنایا، چنانچہ حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی تلقین فرمائی تو آپؐ اور حضرت خدیجہؓ دونوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی، ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت علیؓ گھر آئے تو رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز ختم ہونے پر حضرت علیؓ نے عرض کیا " آپ دونوں کس کے آگے سجدہ کر رہے تھے ؟

رسُول خُدا نے فرمایا " اے علیؓ ! ہم یہ سجدہ اس خُدا کے حضُور کر رہے تھے۔ جس نے مجھے نبوت عطا فرما کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ سے فرمایا:۔ "

" اے علیؓ ! اللہ واحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو ! میری نبوت پر ایمان لاؤ ! لات و منات اور ان جیسے بتوں کی پرستش چھوڑ دو "۔ اس تلقین کے ساتھ آپؐ نے تھوڑا سا قرآن پڑھ کر حضرت

علیؓ کو سنایا وہ اس کلام کی تاثیر میں کھو گئے اور عرض کیا "اتنا وقفہ تو دیجئے کہ میں اپنے والد سے مشورہ کر لوں"۔

حضرت علیؓ نے یہ رات بڑے اضطراب میں بسر کی مگر صبح ہوتے ہی انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس معاملے میں مجھے اپنے والد سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں!

"اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو طالب سے مشورہ کئے بغیر پیدا کیا میں اس کی عبادت کے لیے اپنے باپ سے کیوں مشورہ حاصل کروں"۔

حضرت زیدؓ جو حضرت خدیجہؓ کے زر خرید غلام تھے یہ بھی ایمان لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگری دوست تھے۔ وہ شروع ہی سے آپؐ کی نیک دلی سچائی اور امانت داری کے مداح تھے۔ گھر سے باہر سب سے پہلے ابوبکرؓ ہی کے سامنے اپنی دعوت کا اظہار فرمایا تو وفادار دوست کسی شک و تردد کا اظہار کئے بغیر آپؐ کی دعوت پر ایمان لے آئے یہی لوگ سب سے پہلے صاحب ایمان تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب و ہدایت سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے۔

اس وقت یہ دعوت اسلام محض خفیہ تھی اور عبادت چھپ کر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے چھپ کر نماز پڑھتا تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد تیس سے بڑھ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک وسیع گھر منتخب کر دیا جس میں وہ سب جمع ہو جایا کرتے تھے اور آپؐ ان کو اسلام کی تعلیم فرماتے، اس طریقے سے دعوتِ اسلام تین سال تک جاری رہی، اس میں قریش کی خاص تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور پھر کچھ اور لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور یہ خبر آہستہ آہستہ مکہ کی فضاؤں میں پھیل گئی۔

دنیا کی قسمت کا فیصلہ

تقریباً تین سال تک دعوت و تبلیغ کا کام پوشیدہ طور پر ہوتا رہا۔ لیکن آخر کب تک، جس آفتاب کو اپنے نور سے سارے عالم کو روشن کرنا تھا اسے تو بہرحال سامنے آکر نگاہوں کو خیرہ کرنا ہی تھا۔ چنانچہ اب خداوند تعالیٰ کی طرف سے صاف حکم مل گیا کہ دعوت علی الاعلان دی جائے،

چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام قرابت داروں کو کھانے کی دعوت میں گھر پر جمع کر کے توحید کی طرف دعوت دی جن میں سے آپؐ کے چچا ابولہب گفتگو کے دوران ہی طیش میں آکر اونچی بولنے لگے اور لوگوں کو بہکا کر اپنے ساتھ لے نکلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کا ایک موقعہ اور نکالا اس دعوت میں تمام خاندان عبدالمطلب کو بلایا گیا جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو فرمایا:۔

"اہل عرب میں سے آج تک کوئی شخص مجھ سے بہتر پیغام نہیں لایا۔ یہ پیغام دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کا رہنما ہے۔ اس پیغام میں اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس طرف بلاؤں۔

اس کٹھن کام میں کون میرا ساتھ دے گا؟ چنانچہ ساری مجلس میں سناٹا چھا گیا یہ بڑا سخت مرحلہ تھا۔ اس کٹھن کام میں ساتھ دینے کا مطلب یہ تھا کہ نہ صرف خاندان، قبیلے اور شہر کے لوگوں کو بلکہ سارے عرب کی مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لیے آدمی تیار ہو جائے کہ اس کے بدلے میں آخرت کی زندگی کامیاب ہوگی۔ اس کے سوا اور کوئی فائدہ نظر ہی نہ آتا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "اگرچہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے کم عمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔" قریش کے لیے یہ حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک تیرہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ بعض اشخاص حضرت علیؓ کے ان کلمات پر حقارت سے مسکرا کر اٹھے بعض ہنس دیئے۔ سب کے سب مذاق اڑاتے ہوئے اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔ لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ سراپا سچ تھا۔

یہ کون پکار رہا ہے؟

تبلیغ دین کے سلسلہ میں یہ قدم انقلابی نوعیت کا تھا ، کیونکہ اللہ پاک کی طرف سے آپ کو صریح حکم مل چکا تھا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ حجر ۹۴)

پس جو حکم آپ کو خدا کی طرف سے ملا ہے۔ وہ لوگوں کو سُنا دو اور مشرکین کی پرواہ مت کرو۔

اپنے عزیزوں کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ میں علانیہ دعوت فرما دی۔ ایک روز آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے اور بلند آواز سے یہ صدا لگائی۔ یا صباحاہ (ہائے صبح کی آفت) عرب میں یہ صدا وہ شخص لگاتا تھا۔ جو صبح کے چٹ پٹے میں کسی دشمن کو اپنے قبیلے پر حملہ کرنے کے لئے آتے دیکھ لیتا تھا۔ حضور کی یہ آواز سُن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون پکار رہا ہے ، بتایا گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے۔ اس پر قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ جو نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے قریش کے ایک ایک خاندان کا نام لے کر پکارا۔

اے بنی عبد المطلب ، اے بنی فہر ، اے بنی کعب ، اے بنی ہاشم

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تیار کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے ؟"

سب نے کہا " ہاں ہمیں تمہاری بات کا یقین ہے۔ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔"

اس پر آپؐ نے فرمایا :۔

" اے اولاد عبد شمس ، اے کعب بن لوی کی اولاد ، اے مرۃ بن کعب ! اے عبد مناف کے خاندان والو ، اے بنو ہاشم ، اے عبدالمطلب کے خاندان والو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچالو ، اے میری پیاری بچی فاطمہؓ ! تم بھی اپنے آپ کو دوزخ سے بچالو ۔

کیوں کہ مَیں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مختار نہیں ہوں سوائے اس کے کہ میری تم سے قرابتداری ہے تو مَیں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا ، البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو ۔ اے گروہ قریش ! اپنی جانیں اللہ سے خرید لو ، میں اللہ کی کسی چیز سے تمھیں آسُودہ حال نہیں کرسکتا ، مَیں تو ایک سخت عذاب سے پہلے تمھیں اس سے ڈرانے والا ہوں ، میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے ۔ جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو اور وہ اپنے اہلِ خاندان کا دیدبان بن جائے ، اسے خدشہ محسوس ہو کہ وہ (اہل خاندان) دشمن کی طرف بڑھ جائیں گے ۔ چنانچہ وہ پکارنے لگے ، لوگو ! ہوشیار ہو جاؤ ۔"

جب قریش نے یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئے ۔ اس مجمع میں اُبولہب بھی موجُود تھا حضُورؐ کے ارشادت سُن کر بڑے طیش میں آگیا اور آپؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ۔ تو سدا برباد رہے ۔

" تو ہلاک ہو ، کیا بس تو نے اسی کے لیے ہمیں پکارا تھا " ؟

اس کی زبان سے یہ کلمات سُن کر رسُول مقبول صلی اللہ علیہ حیران رہ گئے (الہٰی میرا چچا کیا کہہ رہا ہے) بعد ازاں سُورۃ لہب نازل ہوئی ۔

اے پیغمبر ! ابولہب خود ہی سدا کے لیے تباہ ہو گیا اس کا مال اور کوشش کوئی اس کی مدد نہ کرسکیں گے عنقریب ایسی آگ سے دوچار ہونا ہے جس کے شعلے اسے بھسم کردیں گے ۔

اگر اہل مکہ میرے سیدھے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں

جب ہر قسم کے لالچ اور ترغیب کے ہتھکنڈے بھی ناکام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ دعوت کیا اور بُت پرستی کی اعلانیہ مذمت شروع کی تو غصے سے بے قابو قریش وفد کی صُورت میں ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ

"اے ابُوطالب! آپ نہ صرف عمر میں ہم سب سے بڑے ہیں بلکہ مرتبہ میں بھی تمام قریش میں شرف اور قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ آپ کا بھتیجا ہمارے معبُودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اب ہم یہ مزید برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے یا تو آپ بیچ میں سے ہٹ جائیں یا پھر آپ بھی میدان میں آجائیں کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔"

ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں

تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا۔

"اے بھتیجے! تم میرے لیے بھی اور اپنے لیے بھی جینے کی گنجائش باقی رہنے دو اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں"۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے۔ ابوطالب کی یہ بات سُن کر حضور نے محسوس کیا کہ چچا کے لیے اب میری حمایت کرنا مشکل ہو گیا ہے اور وہ اس سے دستبردار ہونے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" خدا کی قسم! اگر اہلِ مکہ میرے سیدھے ہاتھ پر سُورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں۔ ایسا ممکن ہی نہیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا"۔

اپنے چچا جان کی خلافِ اُمید تنبیہ پر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے مگر عزائم میں وہی جوش تھا۔ اور یکایک ابو طالب کے خیالات میں بھی تبدیلی رونما ہوئی وہ اپنے بھتیجے کے موقف اور ان کے خلاف اپنی قوم کے غیظ و غضب سے لرز اُٹھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:۔

" میرے بھتیجے! جو بات تمھیں لوگوں سے کہنا ہو، اسے کہہ دیا کیجئے اور جو کچھ کرنا چاہو کرو، خُدا کی قسم! مجھے تمہاری تکلیف گوارا نہ ہو گی"۔

اگر آپ بادشاہت کے طلبگار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے

رسولؐ خدا کا ثبات قدم اور اسلام کے آئے دن فروغ سے قریش کے دل دہل گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہماری طرف سے اس قدر تکلیفیں دینے پر بھی اسلام کا دامن نہیں چھوڑتے، ہمارے سامنے علانیہ نمازیں ادا کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔

قریش حیران تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں ؟

انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے ؟ قریش نے بھی یہی خیال کر کے اک منصوبہ بنایا شاید اسی سے محمدؐ تبلیغ سے رُک جائیں۔

اس سلسلے میں قریش کے سردار بیت اللہ میں اکٹھے ہوکر سوچ بچار کر رہے تھے ۔ آپس میں صلاح مشورہ کے بعد متفقہ طور پر عتبہ بن ربیعہ کو اس کام کے لیے اپنا نمائندہ مقرر کیا ۔ عتبہ وجاہت نسب میں قریش کے اندر ممتاز اور صاحب فراست تھے ۔ مجلس میں طے یہ پایا کہ وہ قریش کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مال کی اتنی مقدار اور منصب میں تمام قریش کی سرداری وغیرہ پیش کریں تاکہ آپؐ اسلام کی دعوت دینے سے باز آجائیں ۔ اس وقت رسول اللہ بھی حرم میں تنہا بیٹھے ہوئے عبادت میں مصروف تھے ۔ عتبہ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر یوں گفتگو کی ۔

" اے برادر زادے ۔ آپؐ نسب کے لحاظ سے پورے قریش میں ایک شان رکھتے ہیں مگر آپؐ نے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے، میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں ۔ امید ہے کہ آپؐ ان میں سے کوئی ایک منظور فرمالیں گے ۔

اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپؐ کا مقصد مال سمیٹنا ہو تو ہم لوگ آپؐ کے لیے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ عرب میں آپؐ سے بڑا کوئی مالدار نہ ملے گا ۔

اگر آپؐ کی یہ خواہش ہو کہ آپؐ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم بخوشی آپکی سرداری قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں ۔

اگر آپؐ بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے ۔

اگر آپؐ آسیب زدہ ہیں، آپؐ پر کسی جن وغیرہ کا سایہ ہے اور وہ آپ پر مسلط ہو جاتا ہے اور اس کے علاج کے لیے اگر آپ کے پاس پیسے وغیرہ نہیں یا کسی قابل حکیم کی ضرورت ہو تو ہم پیسہ اور حکیم خود مہیا کر سکتے ہیں ۔

جب عتبہ خاموش ہو گیا تو رسول اللہ نے فرمایا ۔

" اے عتبہ ! کچھ اور بھی کہنا ہے " ؟
عتبہ نے عرض کیا اسی قدر ۔

رسولِ کائنات نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ حٰمٓ سجدۃ کی ابتدائی آیات سنانی شروع کیں ۔
یہ حٰمٓ ہے ۔ یہ بڑی مہربان اور رحم والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے ، یہ ایک نوشتہ

ہے جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے۔ یہ قرآن ہے عربی زبان میں۔ سمجھ بوجھ سے
کام لینے والوں کے لیے، ایمان لانے والوں کو بشارت سنانے والا اور انکار کرنے والوں کو
تنبیہہ دلانے والا پس ان (اہلِ مکہ) میں سے اکثریت نے اس سے روگردانی
کی اور سن کر نہیں دیتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں جس
کی طرف تم بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان
ایک رکاوٹ حائل ہے، سو تم اپنی جگہ کام کرو، ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں۔"
حٰمٓ سجدہ

ادھر رسول اللہ خوش خوش مصروف تلاوت تھے اور ادھر عتبہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے دم بخود۔
وہ غور سے سنتا رہا اور حیرت سے اس پیکرِ روحانیت کو دیکھ رہا تھا کہ جسے نہ دولت کی لالچ ہے نہ
کسی منصب کی طلب، فرماں روائی جیسی نعمت بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ عتبہ شرمسار
تھا کہ ایسے پاکیزہ صفات کو آسیب زدہ قرار دیا جائے، بلکہ یہ شخص تو بے بہا حقائق ارشاد فرمارہا ہے،
یہ نیکی کا متلاشی اور حقیقت کی نصرت میں بھی لطف و نرمی ہی استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کی تلاوت کردہ
آیتیں کمالِ بلاغت میں اعجاز کا نمونہ ہیں۔
اور آپ نے عتبہ سے فرمایا۔
"میری طرف سے یہی جواب ہے۔"
اس کے بعد رسولِ پاک ایک طرف تشریف لے گئے۔ عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس ایسی حالت
میں پہنچا کہ نبوت کے جمال اور اعجاز قرآنی کے جلوہ سے مسرور تھا۔ اس نے قریش سے کہا۔
"محمدؐ کو مہلت دی جانی چاہیئے۔ اگر عرب ان پر غالب آگئے تو قریش کو خود بخود اس (رسول
پاک) سے نجات مل جائے گی اور اگر عرب ان کے تابع ہو گئے تو فخر قریش کے لیے ہوگا۔
مگر عتبہ کی بات سن کر مجلس میں یوں مذاق اڑایا گیا کہ اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔
عتبہ نے کہا اس کے متعلق میری رائے تو یہی ہے جو میں نے کہہ دی۔ اب تم جو چاہو کرو۔

وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں

حضرت حمزہؓ قریش کے نہایت بہادر، طاقت ور اور خوددار شخص تھے اور حضور کے چچا تھے وہ آپ سے دو تین برس بڑے تھے اور دُودھ شریک بھائی بھی تھے اس لیے وہ آپؐ سے بڑی مُحبت کرتے تھے۔ شکار کے شوقین تھے۔

ایک روز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے گزر رہے تھے کہ ابوجہل نے آپؐ کو بے تحاشا گالیاں دیں اور آپؐ کی اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی شان میں بہت بُرے الفاظ استعمال کئے۔ مگر آپؐ نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ ایک کنیز قریب کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ شام کو جب حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آرہے تھے۔ اس کنیز نے جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا ان سے دہرا دیا۔ حمزہؓ

غصے میں بھرے ہوئے حرم میں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا اور جاتے ہی کمان اُس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔" پھر کہا" تو ان کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی ان کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں، تجھ میں ہمت ہے تو وہی گالیاں ذرا مجھے دے کر دیکھ" اس پر بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لیے اُٹھے، مگر ابوجہل نے کہا" ابوعمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بری طرح گالیاں دی تھیں۔ حضرت حمزہؓ نے حمایت کے جوش میں کہنے کو تو کہہ دیا۔ مگر جب اپنے گھر پہنچے تو دل میں کہا،" تو قریش کا سردار ہے۔ دین سے پھرے ہوئے اس شخص کا پیرو بن گیا اور اپنے آبائی دین کو چھوڑ گیا۔ تیرے لیے موت اس کام سے بہتر ہے جو تو نے کیا ہے" پھر اللہ سے دُعا کی کہ خدایا! اگر یہ صحیح راستہ ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ میرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔ تمام رات بے چین رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر حضور کے پاس پہنچے اور کہا" بھتیجے میں ایک ایسے معاملے میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کی کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی۔ اور مجھ جیسے آدمی کا کسی ایسی چیز پر قائم رہنا جس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ وہ راستی ہے یا گمراہی، ایک مشکل بات ہے۔ حضور نے ان کی یہ بات سن کر ان کو نصیحت کی، خدا کا خوف دلایا اور ایمان لانے پر بشارت دی، یہاں تک کہ اللہ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا اور انہوں نے کہا" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں" اور اسلام قبول کر لیا۔

ظلم و ستم

کی تاریخ میں ایسی مثال۔
بدن پر گرم ریت بچھاتے۔
لوہے کو آگ پر گرم کرکے اسے داغتے۔
جلتے کوئلوں
پر جب چت
لٹایا۔

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر کچھ مسلمان جو بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کو اُن کے قبائل نے اپنی حفاظت کے دامن میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، اِن میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں، کچھ غریب الوطن تھے، جو ایک دو پشت سے مکہ میں آرہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہیں رکھتے تھے۔ قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ ظلم و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔

جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم ریت بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے۔

حضرت خباب بن ارت تمیم کے قبیلے سے تھے، جاہلیت کے زمانے میں غلام بنا کر فروخت کردیئے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ اس زمانے میں اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے جب چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے ٹھنڈے ہوگئے۔
خبابؓ نے مدتوں کے بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی، حضرت خبابؓ جاہلیت کے دور میں لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کا بقایا تھا، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمدؐ کا انکار نہ کروگے ایک کوڑی نہ ملے گی، خبابؓ جواب دیتے، یعنی جب تک تم مرکر پھر جیو نہیں۔"

حضرت بلالؓ یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں، حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی ریت پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینے

پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں ، ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آؤ ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے "اَحَد" کا لفظ نکلتا ، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو اُن کو لوہے کی زرہ پہنا کر اور گلے میں رسی باندھی اور لڑکوں کے حوالے کیا ، وہ اُن کو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک چلچلاتی دھوپ میں گھسیٹتے پھرتے تھے ، لیکن اب بھی وہی رَٹ تھی اَحَد ، اَحَد ،

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے ان کے والد "یاسر" مکہ میں آئے ، ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیّہؓ تھا شادی کر دی تھی ، عمار اسی کے بیٹے تھے ، یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے ، قریش اُن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے ، ان کے والد اور والدہ کو بھی دردناک اذیتیں دی جاتی تھیں اور حضرت عمارؓ کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کیا گیا ۔

حضرت سُمیّہؓ ، حضرت عمار کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں ابوجہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا تھا ۔

حضرت یاسرؓ حضرت عمارؓ کے والد بھی اسلام لانے کی پاداش میں دلخراش اذیتیں سہہ سہہ کر موت کی آغوش میں چلے گئے تھے ۔

حضرت صہیبؓ یہ رومی مشہور ہیں ، لیکن حقیقت میں رومی نہ تھے ، ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا ، ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا ، اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے ان میں حضرت صہیب بھی تھے ۔ چونکہ ان کی پرورش روم میں ہوئی تھی ، اس لیے عربی زبان اچھی طرح نہ بول سکتے تھے ۔ ایک عرب نے انہیں خریدا اور مکہ میں لے آیا ۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت اسلام شروع کی تو حضرت صہیبؓ اور حضرت عمار بن یاسر ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ، آپؐ نے اسلام کی ترغیب دی

اور یہ مسلمان ہو گئے، قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ یہ حواس کھو بیٹھتے تھے، جب انہوں نے مدینہ ہجرت کرنا چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو انہوں نے نہایت خوشی سے یہ منظور کر لیا۔

حضرت ابو فکیہہؓ، صفوان بن اُمیّہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے اُمیّہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پاؤں میں رسی باندھی آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں، ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا، اُمیّہ نے ان سے طنزاً کہا "تیرا خُدا یہی تو نہیں ہے" انہوں نے جواب دیا "میرا اور تیرا اور اس کا خُدا اللہ تعالیٰ ہے" اس پر اُمیّہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔

حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زیدؓ جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے انکو رسیوں سے باندھ دیا۔

حضرت لُبینہؓ، بے چاری ایک کنیز تھیں، حضرت عمرؓ اس بے کس ناتواں کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ "میں تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ میں تھک گیا ہوں"۔

وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خُدا اس کا انتقام لے گا

حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام لانے سے پہلے) ان کو بے پناہ اذیتیں دیتے، ابُوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں حضرت نہدیہؓ اور اُم عبیسؓ یہ بھی دونوں کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مُصیبتیں جھیلتی تھیں۔

بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تقریباً پانچ سال ہو چکے تھے۔ قریش کے ظلم وستم انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ حضور نبی اکرمؐ کے جاں نثار ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے لیکن اب مکہ میں رہ کر آزادی کے ساتھ اسلام کے فرائض کا بجالانا بھی ممکن نہ رہا تھا۔ اس وقت حرم کعبہ میں کوئی مسلمان بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا چنانچہ رسولؐ اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ کچھ مسلمان حبشہ کو ہجرت کر جائیں۔ ہجرت سے جہاں ایک مقصد یہ تھا کہ جب تک کچھ حالات درست نہ ہو جائیں۔ مسلمان ظلم وستم سے بچے رہیں گے۔ وہاں جو مسلمان دُور دراز مقامات پر جائیں گے وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے اور یوں اسلام کی شعاعیں دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنا شروع ہو جائیں گی۔

حبشہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر ایک ملک تھا، جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند عیسائی تھا، حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔

چنانچہ پہلی بار گیارہ مرد اور چار عورتیں اس ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ ان لوگوں نے ۵ھ نبوی ماہِ رجب میں سفر کیا۔ جب یہ لوگ حبشہ جانے کے لیے بندرگاہ پر پہنچے تو خوش قسمتی سے دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے، جو ان لوگوں کو بہت سستے کرائے پر مل گئے۔ قریش کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ طیش میں آگئے اور انہوں نے ہجرت کرنے والوں کا پیچھا کیا، لیکن خدا کے فضل سے ان کا جہاز روانہ ہو چکا تھا۔

نجاشی نے ان مسلمانوں کو اپنے ہاں بڑے امن وامان میں رکھا۔ لیکن قریش یہ خبریں سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیجے جائیں کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو۔

چنانچہ انہوں نے نجاشی کے پاس اپنے دو سفیروں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بہت سے

قیمتی تحائف دے کر روانہ کیا ۔ یہ دونوں سفیر حبشہ پہنچ کر نجاشی سے ملنے سے پہلے اس کے درباری پادریوں سے ملے اور کچھ بہت قیمتی نذرانے وغیرہ پیش کرنے کے بعد کہا کہ ۔

" ہمارے ملک کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ۔ ہم نے ان کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے ۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں آپ بھی ہماری تائید فرمائیں "۔

دوسرے دن دونوں سفیر دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دیے جائیں، درباریوں نے بھی ان کے مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا ۔

" تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بُت پرست دونوں کے مخالف ہے "

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا ، انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی :۔

" اے بادشاہ ! 'اَیُّھَا الْمَلِکُ' ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بُت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اسی اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا ، جس کی شرافت و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے ، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں ، سچ بولیں، خوں ریزی سے باز آئیں ، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں ، پاکدامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے ، شرک اور بُت پرستی چھوڑ دی اور تمام بُرے اعمال سے باز آئے ۔

اس جُرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دُشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اس کی گمراہی

ہیں پھر واپس آجائیں"۔

نجاشی نے کہا تمہارے پیغمبر پر جو خدا کا کلام اترا ہے کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں، نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

پھر کہا!

"خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں' یہ کہہ کر قریش کے سفیروں سے کہا" تم واپس جاؤ" میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ کروں گا"۔

دوسرے دن قریش کے سفیروں نے ایک اور چال چلی۔

نجاشی کے دربار میں جاکر اس سے التجا کی کہ

"اے بادشاہ ان مسلمانوں سے یہ تو پوچھئے کہ یہ حضرت عیسٰی کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں"۔

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ وہ اس سوال کا جواب دیں۔

اب یہ لوگ پریشان ہوگئے کہ اگر حضرت عیسٰیؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے سے انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا، حضرت جعفرؓ نے بڑے عزم سے کہا۔

"کچھ بھی ہو ہم کو ہر حال میں سچ بولنا چاہیئے"۔

چنانچہ حضرت جعفرؓ نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ

"ہمارے پیغمبر نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ خدا کے بندے اور اسکے پیغمبر ہیں"۔

یہ سُن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا۔

"خدا کی قسم جو تم نے کہا ہے، عیسٰی اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔

درباریوں کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے، مگر نجاشی نے درباریوں کے مخالفانہ جذبات و احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان سفیروں کی درخواست کو مسترد کر دیا اور قریش کے سفیر ناکام لوٹ گئے۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں کو عزت کے ساتھ اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔

بائیکاٹ

شعب ابی طالب میں قید

بچے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے تھے
مگر ماں کے پاس سوائے آنسوؤں کے
کچھ نہ تھا۔ کھانے کے لیے کوئی شے میسر نہ تھی۔
اور لوگ درختوں کے پتے کھا کھا کر گذارہ کر رہے تھے۔

کفار قریش کی جانب سے نبی اکرمؐ اور آپؐ کے جانثاروں کو بے پناہ اذیتیں پہنچانے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسی جلیل القدر شخصیتیں اسلام لا چکی تھیں۔ اہلِ قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جو مسلمان ہجرت کر کے پڑوسی ملک حبشہ پہنچے تھے۔ وہ حبشہ کے انصاف پسند بادشاہ کی بدولت امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے تھے، اہلِ قریش اس بات کو اپنے لیے سخت خطرہ تصور کرنے لگے تھے۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے بنو ہاشم کے سردار اور آپؐ کے چچا ابو طالب پر دباؤ بڑھانا شروع کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کر دے۔ لیکن ابو طالب نے آپ کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا اور کسی بھی صورت میں نبی اکرمؐ کو کفارِ مکہ کے حوالے کر دینے سے انکار کر دیا۔

اب کفارِ مکہ نے ایک اجتماع کیا اور کافی سوچ بچار کے بعد لڑائی کا خطرہ مول لیے بغیر ایک حل تلاش کیا۔ مکہ اور قریبی علاقوں کے تمام اسلام دشمن قبائل نے رسولِ خدا اور ان کے خاندان کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔

ایک حلف نامے کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو غیر معینہ مدت کے لیے معاشی و معاشرتی دونوں اعتبار سے مفلوج کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سے زیادہ شدید اذیت پہلے کبھی نہ دی گئی تھی۔

یعنی ہشام بن عمرو (بنوعامر) زہیر بن ابی امیہ (بنو مخزوم) مطعم بن عدی (بنو نوفل) ابوالبختری اور زمعہ بن الاسود (بنواسد) نے اس ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کی اور سراپا احتجاج بن گئے۔

وہ سب مل کر حرم میں گئے اور سب لوگوں کو مخاطب کر کے صاف صاف کہا۔

"اے اہلِ مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ ہم کھائیں، پہنیں، آرام سے زندگی بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو؟ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ اور قطع رحمی پر مبنی معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

ابوجہل جو اس وقت ایک کونے میں بیٹھا تھا پکار اُٹھا، تم جھوٹ کہتے ہو، یہ دستاویز ہرگز نہ پھاڑی جائے گی، زمعہ بن اسود نے کہا، اے ابوجہل تم سب سے زیادہ جھوٹے ہو، جب یہ تحریر لکھی گئی ہم اس وقت بھی اس پر راضی نہیں تھے، چنانچہ ان سب لوگوں نے دستاویز کی تردید کی اور کہا کہ ہم اللہ کے حضور اس دستاویز سے اور اس میں تحریر کردہ مضمون سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

پھر مطعم بن عدی نے اُٹھ کر اس دستاویز کو چاک کر دیا اور معلوم ہوا کہ

"باسمك اللهم" یعنی اللہ کے نام کے سوا دیمک سارے مضمون کو چاٹ گئی تھی، چنانچہ مطعم، عدی، زمعہ، ابوالبختری اور زہیر سب ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور انکو درّہ سے نکال لائے۔

قریش کی طرف سے رسولِ خدا، آپؐ کے رفقاء اور بنو ہاشم کا مقاطعہ پورے تین سال تک رہا اور انتہائی جاں گسل مشکلات کے ساتھ۔ مکہ سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں محصور طرح طرح کی تکالیف سے دوچار اور ستم یہ کہ ان کے ساتھ بات چیت تک حرام تھی لیکن آپ نے صلح کا کوئی دوسرا راستہ تلاش نہیں کیا، بلکہ حُرمت کے ایام میں جب ہر شخص ان دنوں کی تقدیس کی بناء پر ظلم و سرکشی سے ہاتھ روک لیتا اور لوگ دُور دُور سے مکہ میں حج و زیارت کے لیے جمع ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نظربندی کے حصار سے نکل کر ان لوگوں سے تبلیغ اور دعوتِ دین ہی کی بات کہتے۔ یہ لوگ اِدھر اُدھر سے آپؐ پر اہل مکہ کے ظلم و ستم اور آپؐ کی قربانی کے واقعات سن کر اور بھی متاثر ہوتے جس سے ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے میلان بڑھ جاتا اور ان میں سے اکثر اسلام قبول کر لیتے۔

ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کو بھیجے ۔ راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا ۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا ۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آگیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے لیے کچھ بھیجتا ہے تو اسے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ۔

اس موقع پر ابوطالب ڈرتے تھے کہ کہیں کفار قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت خفیہ طریقے سے قتل نہ کر دیں ۔ چنانچہ جب آپؐ لیٹتے یا سو جاتے تو اسی خوف کے باعث ابوطالب نبی اکرمؐ کو جگا کر اپنے اور اپنے بیٹوں کے درمیان سلاتے ۔ قریش رات کے وقت بھوک کے پیاسے بچوں کو تڑپتے اور ماؤں کی سسکیوں کی آوازیں گھاٹی میں سنتے تو صبح کچھ لوگ تو خوشی کا اظہار کرتے مگر کچھ ایسے بھی تھے جو آپؐ کی اور آپ کے خاندان کی یہ حالت دیکھ کر کراہت اور ندامت محسوس کر رہے تھے۔

چنانچہ ہشام بن عمرو محصورین کا بڑا ہمدرد تھا ۔ وہ جب بھی موقع ملتا رات کے وقت اُونٹ پر خوراک لاد کر لاتا ۔ جب گھاٹی کے دہانے پر پہنچتا تو اُونٹ کی مہار کھول دیتا اور اس کے پہلو پر ضرب رسید کرتا اور اونٹ گھاٹی میں داخل ہو کر بنی ہاشم کے پاس پہنچ جاتا ۔

تقریباً تین برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، آپؐ کے اصحاب اور خاندان بنو ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں اور اس کے مقابلے میں صبر و استقامت کی روش اختیار کر کے سب پر یہ واضح کر دیا کہ ایمان کی قوت کو مٹایا نہیں جا سکتا ۔

اور دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ داعیٔ حق اور اس کے متبعین نہ کسی اجر کے طالب ہیں نہ داد و تحسین یا منصب و جاہ ، یا مال و دولت کے خواہشمند ہیں اور نہ ہی وہ کسی لالچ یا خوف سے کبھی متاثر ہوتے ہیں بلکہ تمام دنیاوی محبتوں سے بالاتر سب کی فلاح چاہتے ہیں ۔ آپؐ کے اس گہرے خلوص نے لوگوں کے دلوں میں بالآخر ہمدردی کے جذبات پیدا کیے ۔ چنانچہ بنو ہاشم کے معاشی و معاشرتی مقاطعہ پر کم از کم پانچ آدمیوں

چنانچہ اب کفار نے کھلم کھلا آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سخت اذیتیں پہنچانا شروع کیں اور اس طرح انہیں گھاٹی میں محصور کر دیا۔ اور ان کی ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ ان کو ضروریاتِ زندگی کی اشیائ پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ کفار کسی شخص کو بھی ان کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے، جو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں یا دوسری اشیاء لے جانا چاہتا ہو۔

محصورین صرف حج کے موسم میں گھاٹی سے نکل سکتے تھے۔ لیکن اس موقع پر بھی قریش کے لوگ جلدی کر کے بازاروں کا سارا مال خرید لیتے تھے اور محصورین سے زیادہ قیمت مانگی جاتی تھی تاکہ وہ مال خریدنے سے محروم رہیں۔

یہ مقاطعہ تین سال تک جاری رہا۔ اس دوران فاقوں تک نوبت آگئی۔ مگر ابولہب کا حال یہ تھا کہ جب مکہ میں کوئی تجارتی قافلہ آتا اور شعب ابی طالب کے محصورین میں سے کوئی خوراک کا سامان خریدنے کے لیے اس کے پاس جاتا تو ابولہب تاجروں سے پکار کر کہتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں، تمہیں جو خسارہ بھی ہوگا اسے میں پورا کروں گا، چنانچہ وہ بے تحاشا قیمت طلب کرتے اور خریدار بے چارہ اپنے بھوک سے تڑپتے ہوئے معصوم بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا، پھر ابولہب انہی تاجروں سے وہی چیزیں بازار کے بھاؤ خرید لیتا۔

بچے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے تھے، مگر ماں کی مامتا کے پاس سوائے آنسوؤں کے کچھ نہ تھا، کھانے کے لیے کوئی شئے میسر نہ تھی اور لوگ درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کر رہے تھے۔

حضرت سعدؓ ابی وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آگیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ اور جب معصوم بچے بھوک و پیاس سے روتے تھے اور آواز گھاٹی سے باہر جاتی تھی تو قریش سن سن کر خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے۔ لیکن کچھ رحمدل بھی تھے۔

کوئی شخص رسولؐ اللہ کے خاندان کے کسی فرد سے بات چیت نہیں کرے گا نہ ان سے کوئی ملے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بھیجے گا نہ ہی ان کو اپنی لڑکی کا رشتہ دے گا نہ ان کا رشتہ قبول کرے گا، نہ ان کے ہاتھ کوئی شئے فروخت کرے گا نہ ان سے خریدے گا۔

بائیکاٹ کا یہ فیصلہ باقاعدہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا، جسے منصور بن عکرمہ، عامر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبد الدار نے لکھا اور اسے کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کر دیا گیا۔

قریش یہ مقاطعہ کر کے اس فریب میں مبتلا ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی آج انہیں اکیلا چھوڑ کر ان کے قدموں میں سر رکھ دیں گے اور اسلام کی تبلیغ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس مقاطعہ سے جناب محمد صلعم کی استقامت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ قریش نے انہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے پہاڑیوں میں رہ کر تبلیغ کا راستہ نکال لیا اور جو دین کل تک مکہ کی پہاڑیوں میں محصور تھا آج دشت و جبل کی کھلی فضائیں اس کی آواز سے گونج اٹھیں۔ اسلام کی شہرت پورے جزیرہ عرب میں پھیلنا شروع ہو گئی۔

ان کے ساتھیوں کی قوتِ ایمان آئے دن بڑھتی گئی۔ اپنے پیشوا کی اطاعت و نصرت کا ذوق اور زیادہ ہو گیا۔

چنانچہ اس بائیکاٹ کے باوجود آپؐ کے اصحاب اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب دونوں خاندان آپؐ کی حمایت پر ثابت قدم رہتے ہوئے شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ یہ پہاڑ مکہ کے نواح میں ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا لیکن اس موقع پر آپؐ کے خاندان سے تنہا ابولہب نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کی بجائے کفارِ قریش کا ساتھ دیا اور کہا اسے گروہِ قریش میں لات و عزیٰ کا حامی ہوں۔

اگر تم
صرف ایک بات پر مجھ
سے متفق ہو جاؤ۔

قریش کے بائیکاٹ کے معاہدہ کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رفقاء اور خاندان کے ساتھ واپس مکّہ تشریف لے آئے اور بدستور شہر کے اندر اور ان قبائل میں تبلیغ شروع فرما دی جو حرمت کے مہینوں میں کعبہ کی زیارت کے لئے جمع ہوتے۔ اگرچہ اس موقعہ پر آپ کے استقلال نے اسلام اور مسلمانوں کی روحانی عظمت کا پُروقار چرچا سارے عرب میں عام کر دیا لیکن مکّہ سے باہر اسلام کے پیروکار کچھ زیادہ تعداد میں نہ تھے۔ چنانچہ قریش نے صحابہ کرام پر پھر سختی شروع کر دی اور پہلے کی طرح آج بھی ان کا ناصر و مددگار کوئی نہ تھا۔

شعبِ ابی طالب سے واپسی کے بعد ایک ہی سال میں دو ایسے حادثے رونما ہوئے جن سے آنحضرت بے حد متاثر ہوئے۔ پہلے ابو طالب نے وفات پائی۔ جب قریش نے ابو طالب کی حالت نازک دیکھی تو مستقبل میں محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ

کے ساتھ لڑائی جھگڑے کا خطرہ سامنے آگیا جن میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کی شجاعت اور طاقت کا ڈر انہیں کھائے جاتا تھا۔ قریش وفد کی صورت میں ابوطالب کے پاس آئے اور کہا:۔

"اے ابوطالب ہم لوگ آپ کا جس قدر احترام کرتے ہیں آپ کو معلوم ہی ہے — آج آپ کی جو حالت ہے اس کی بنا پر مستقبل کا معاملہ ظاہر ہے۔ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کا اختلاف آپ پر چھپا ہوا نہیں۔ انہیں بلا کر آئندہ کے لئے ان کے ساتھ معاہدہ کرا دیجئے تاکہ ہم اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن رہیں۔ بات ذرا سی ہے وہ ہمیں ہمارے دین سے ہٹانے کی کوشش سے ہاتھ روک لیں اور ہم ان کے ساتھیوں سمیت ان کے دین سے انہیں ہٹانے کی جدوجہد ختم کر دیں"۔

اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لے آئے۔ آپ کے سامنے قریش کی تجویز پیش ہوئی تو فرمایا:۔

"مجھے منظور ہے! یہ کہ اگر تم صرف ایک بات پر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو تمام عرب تمہارا زیرنگیں اور عجم کا چپہ چپہ تمہارا باجگذار ہو جائے۔"

ابوجہل نے کہا اس برتری کے لئے ایک نہیں دس کلمے بھی ہوں ہمیں منظور ہیں۔

فرمایا" لا الٰہ اِلا اللہ کہو! اور بتوں کی عبادت کا جوا گردنوں سے اتار کر پھینک دو۔"

ان میں سے ایک شخص نے کہا"آپ تو ہمارے اتنے خداؤں کے عوض میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہمیں سونپنا چاہتے ہیں یہ نہ ہوگا!

اور قریش یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے آئے کہ" یہ شخص ہماری کوئی شرط قبول نہ کرے گا"

اس واقعہ کے بعد ابوطالب نے انتقال فرمایا اور آنحضرت کے ساتھ قریش نے اور زیادہ سختی شروع کر دی۔

جوشِ محبت سے روتی جاتیں

کچھ عرصہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ نے بھی انتقال فرمایا، یہ دوسرا حادثہ ہے جو ابوطالب کی رحلت کے بعد رونما ہوا۔ آہ! نیک دل' وفادار رفیقہ حیات جو اپنے حسن سلوک' مہرووفا' نیک طبیعت اور جوہر ایمان جیسے بے شمار اوصاف کی وجہ سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا تھیں۔ جن کی حسن رائے سے مشکلات میں خوف و ہراس کے آثار دل و دماغ سے مندمل ہو جاتے جیسے فرشتہ رحمت ہو! جب رسول اللہؐ ان کے چہرے پر ایمان و وفا کے آثار دیکھتے تو استقلال اور بڑھ جاتا۔ آج اس رفیقہ نے آخری سفر کا سامان باندھ لیا اور ان سے پہلے ابوطالب دنیا سے رخصت ہو گئے' جو دشمنوں کے مقابلے میں آگئے تھے۔ اور قریش کی طرف سے اذیتیں پہنچانے کی مہم تیز تر ہوتی گئی۔ معمولی اذیت یہ تھی کہ ان میں سے ایک کم فہم نوجوان نے سرورِ عالمؐ کے سر مبارک میں مٹی ڈال دی۔ آپ صبر و سکون کے ساتھ گھر تشریف لے آئے۔ صاحبزادی حضرت فاطمہ نے دیکھا تو آنسوؤں کا تار بندھ گیا اور سر مبارک پانی سے دھونے بیٹھ گئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں یوں سِسکتا ہوا دیکھا تو اس تاثر سے آپ کی توجہ خدائے توانا و مہربان کی طرف اور زیادہ ہو گئی۔ کامیابی کی امیدیں اور بھی درخشاں نظر آنے لگیں۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور لختِ جگر سے فرمایا:۔

"میری بچی! رو مت! اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے"!

بار بار یہی کلمہ دہرانے کے بعد آخر میں فرمایا:۔

"میرے ساتھ یہ حادثہ میرے مہربان چچا ابوطالب کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پیش آیا ورنہ ان کی زندگی میں کس کی ہمت تھی"!

اس کے بعد رسول اللہ کی ذات پر قریش کی ایذا رسانی بڑھتی ہی گئی۔

جب آپ زخموں سے چُور ہو کر گر پڑتے

اہلِ مکّہ سے مایوسی کے بعد آپ نے تبلیغ کے لئے طائف جانے کا ارادہ فرمایا۔ مالی حالت اچھی نہ تھی۔ سواری کیلئے گدھا تک میسر نہ تھا چنانچہ حضرت زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر سرورِ عالم مکّہ سے پیدل چلے اور راستے میں جو قبائل آباد تھے ان سب کو اسلام کی دعوت دی طائف بڑا خوبصورت' سرسبز اور ٹھنڈا مقام تھا۔ لوگ بھی زیادہ تر خوشحال تھے اور دنیا پرستی میں مگن۔ طائف میں بڑے امراء اور رئیس لوگ رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے، عبدیالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت پیش کی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے

ایک نے کہا "اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رکھا ہے"۔

دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا رسالت کے لئے اور کوئی نہیں ملتا تھا"۔

تیسرے نے کہا "میں بہرحال محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات نہیں کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے۔ اگر تم نے خدا پر بہتان باندھا ہے تو تم اس قابل نہیں کہ تم سے بات کی جائے"

ان ظالموں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طائف کے بازاری لونڈوں اور غلاموں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور بستی سے نکال باہر کریں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ لوگ گالیاں دیتے، شور مچاتے اور پتھر مارتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی نعلین خون سے بھر گئیں جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے تھے۔ جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔

رسولِ خدا کے دل میں کیا امیدیں تھیں اور کیا پیش آیا! نڈھال ہو کر ایک باغ میں انگور کی بیل کے سائے میں آ بیٹھے۔

ذرا سکون کے بعد رسولِ کائنات نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے رقت و دل سوزی کے انداز میں پکارا !

"الٰہی ! اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سروسامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، بیکسوں کا پروردگار تو ہی ہے، تو ہی میرا مالک ہے، آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے حوالے فرما دیا

یا اللہ ! اگر تو میری اس حالت میں بھی مجھ پر خفا نہیں تو میں مطمئن ہوں ! لیکن تیری عنایات تو بے پایاں ہیں۔

خدایا ! میں تیرے ہی نور و جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین و دنیا کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں۔!

خداوندا ! مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں، تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے تیرے سوا کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی۔"

اس موقع پر قریش مکہ کے رؤسا میں سے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اپنے باغ میں موجود تھے۔ انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور باوجود کفر کے ان کے دل بھر آئے ان سے دیکھا نہ گیا، اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھوں انگور کا خوشہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرتؐ نے اسے قبول فرمایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے کے لئے دستِ مبارک بڑھایا۔

غلام نے بسم اللہ سن کر حیرانگی سے پوچھا : اے صاحب ! یہ کیا کلمہ ہے ؟

اس بستی کے رہنے والوں کی زبان پر تو کبھی یہ حرف نہیں آیا ؟"
رسول اللہ نے عداس سے اس کا وطن اور دین دریافت فرمایا، تو عداس نے بتایا
"میرا وطن نینوا میں ہے اور میں نصرانی ہوں !"
آپ نے فرمایا " تم یونس بن متی جیسے مردِ صالح کی بستی کے آدمی ہو"
عداس نے حیرت سے عرض کیا " آپ کو کیسے معلوم کہ یونس بن متی کون ہیں ؟"
آپ نے فرمایا " یونس میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں !"
عداس بشارتِ نبوت سن کر بے خود سا ہوگیا اور انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔

عتبہ اور شیبہ عداس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ عداس واپس آیا تو انہوں نے پوچھا " عداس یہ تجھے کیا ہوگیا۔ یہ کیا حرکتیں تم کر رہے تھے۔ یہ شخص کون ہے ؟
عداس نے جواب دیا " میرے آقا زمین میں ان سے بہتر کوئی نہیں ہے، انہوں نے مجھے ایک ایسی چیز کی خبر دی جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا "
انہوں نے کہا " اے عداس کہیں یہ صاحب تمہیں تمہارے دین سے نہ ہٹا دے ! نہیں تمہارا مذہب اس شخص کے دین سے بہتر ہے !"
اس موقعہ پر سیّد البشر کی زبوں حالی سے خود اہل طائف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن توحید ابھی ان کی قسمت میں نہ تھی وہ بدستور اپنے قدیم مذہب پر جمے رہے۔
ادھر مکہ میں اس حادثہ کی خبر پھیل گئی۔ رسول اللہ کی ناکامی کے اثر نے انہیں اور شہ دی۔ ان کی طرف سے ایذا رسانی اور زیادہ ہوگئی۔

کانٹے بچھا دیئے جاتے

سفرِ طائف کے بعد جب حضورؐ نے مکہ سے نکل کر آس پاس کے قبائل بنو کندہ اور بنو حنیفہ وغیرہ میں پیغام پہنچانا شروع کیا تو ایک بار قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے ہاں بھی پہنچے اور سردارِ قبیلہ بحیرہ بن فراس سے ملاقات کی۔ اس نے حضورؐ کی دعوت سنی، پھر ساتھیوں سے کہنے لگا۔

"بخدا اگر قریش کا یہ نوجوان میرے ہاتھ آجائے تو میں اس کے ذریعے سارے عرب کو مُٹھی میں لے لوں۔"

پھر آپؐ کو خطاب کر کے پوچھا، کہ اگر ہم لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں اور تم مخالفین پر غالب آجاؤ تو کیا یہ وعدہ کرتے ہو کہ تمہارے بعد یہ سارا سلسلہ میری تحویل میں آجائے گا؟ آپؐ نے جواب دیا۔

"یہ تو خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے گا میرے بعد مقرر کرے گا" بحیرہ نے اس پر یہ کہا "کیا خوب، اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہوں اور جب تمہارا کام بن جائے تو مفاد کوئی دوسرا حاصل کرے جائے۔ جاؤ، ہم کو اس سلسلے میں کوئی مطلب نہیں۔"

اب قریش انتہائی ذلیل حرکتوں پر اتر آئے، لونڈوں کے غول پیچھے لگا دیئے جاتے جو شور مچاتے، اور حضورؐ نماز پڑھتے تو وہ تالیاں پیٹتے، راستہ چلتے تو حضورؐ پر غلاظت پھینک دی جاتی، دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیئے جاتے، آپؐ کے چہرہ مبارک پر مٹی پھینکی جاتی۔

ایک بار ابولہب کی بیوی ام جمیل پتھر لیے اور غصّے سے بھری ہوئی حضورؐ کی جستجو میں حرم تک اس ارادے سے آئی کہ بس ایک ہی وار میں کام تمام کر دے۔ حضورؐ اگرچہ حرم میں سامنے ہی موجود تھے۔ لیکن خدا نے اس کی نگاہ کو رسائی نہ دی اور وہ حضرت ابوبکرؓ (جو حضورؐ کے ساتھ ہی تشریف رکھتے تھے) کے سامنے اپنے دل کا بخار نکال کر چلی آئی۔

اسی طرح ایک بار ابوجہل نے پتھر سے حضورؐ کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا اور اسی ارادے میں حضورؐ تک پہنچا بھی۔ مگر خدا نے ابوجہل کو خوف و مرعوبیت کے ایسے عالم میں ڈالا کہ وہ کچھ کر نہ سکا۔

حرم میں پکارا

کفارِ مکہ نے غلط قسم کی باتوں کو مشہور کر کے لوگوں کو روکنے کی جتنی کوشش کی اتنا ہی لوگوں میں یہ اشتیاق بڑھا کہ آخر دیکھیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں ؟ چنانچہ جو لوگ عرب کے دوسرے علاقوں سے مکے میں حج کے موقعہ پر یا دوسرے اوقات میں آتے رہتے تھے۔ ان میں سے کتنے ہی لوگ چھُپ چھُپ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجایا کرتے تھے۔ یہاں آکر جب آپؐ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھتے اور آیاتِ الٰہی کو سُنتے تو دل کی دُنیا ہی بدل جاتی اور وہ مکہ سے باہر اپنے اپنے علاقوں میں جاکر اسلام کی دعوت پھیلانے لگتے۔

مکہ سے کچھ دور غفار کا قبیلہ رہتا تھا۔ جب یہ بات وہاں پہنچی تو ابوذرؓ کے دل میں بھی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے پہلے اپنے بھائی انیس کو مکے بھیجا کہ جاؤ دیکھو یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ کہتا کیا ہے؟ اور اس کی باتیں سُن کر آؤ"۔ انیس مکے میں آئے اور حضورؐ کے بارے میں حالات معلوم کر کے جب واپس ہوئے تو اپنے بھائی سے جاکر بیان کیا کہ وہ شخص نہایت ہی اعلیٰ اخلاق کا انسان ہے۔ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک خدا کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ وہ جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے"۔

حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر بات سے تسکین نہ ہوئی۔ خود سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ مکے میں پہنچے تو ڈر کے مارے کسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک نہ پوچھ سکے۔ رات ہو گئی اور وہ لیٹ گئے۔ حضرت علیؓ کا ادھر سے گذر ہوا تو وہ سمجھے کہ یہ کوئی پردیسی ہے۔ حضرت علی نے ان کی طرف دیکھا وہ پیچھے ہولیے۔ راستے میں ایک نے دوسرے سے بات نہ کی۔ رات بھر ان کے گھر رہے۔ صبح

ہوئی تو وہ پھر کعبہ چلے آتے اور دن بھر یوں ہی پڑے رہے۔ رات ہوئی تو پھر وہیں لیٹ گئے حضرت علیؓ پھر ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ وہی پردیسی ہے۔ ان کو اُٹھا کر اپنے گھر لائے اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ رات گذار کر ابوذرؓ پھر کعبہ میں پہنچے۔ اسی طرح دن گذرا۔ رات آئی تو چاہا کہ یہیں لیٹ رہیں کہ حضرت علیؓ کا گذر ہوا اور اُن کو ساتھ لے کر چلے۔ راستے میں پوچھا کہ آپ کدھر آئے ہیں۔؟ ابوذرؓ نے جو ماجرا تھا بیان کیا۔ فرمایا۔ ہاں سچ ہے۔ وہ خُدا کے رسولؐ ہیں۔ اچھا صُبح کو میرے ساتھ چلنا۔ صبح ہوئی تو وہ ان کو لے کر خدا کے رسُولؐ کے ہاں چلے۔ جب وہاں پہنچے اور آپؐ کی باتیں سُنیں تو دل کی بات زبان پر آگئی۔ کلمہ پڑھ کر مُسلمان ہو گئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس وقت اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ۔ لیکن توحید خالص کا تازہ تازہ اثر دِل پر ہوا تھا۔ اس نے ساری مصلحتوں اور خوفوں کو دل سے دور کر دیا تھا، وہاں سے آتے ہی حرم میں آکر پکارا۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔

کافروں نے یہ آواز سُنی تو ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور سب نے مل کر بری طرح ان کو مارا۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے چچا دوڑ کر آئے اور اُن کو بچایا اور قریش سے کہا کہ تم کو معلوم نہیں یہ غفار کے قبیلہ کا آدمی ہے اور تمہارا تجارتی راستہ ان کے قبیلے کے پاس سے ہو کر گذرتا ہے۔ اگر انہوں نے تمہارا راستہ بند کرا دیا تو کیا کرو گے۔؟ تب قریش نے بڑی مُشکل سے ان کو چھوڑا۔ دوسرے دِن پھر وہ کعبے میں آئے اور اسی طرح زور سے چلّا کر اسلام کا کلمہ پڑھا۔ کافر پھر دوڑے اور ان کو مارنے لگے اور پھر حضرت عباسؓ نے آکر انہیں چھڑایا۔ یہ تھا صحابہؓ کے اسلام کا نشہ جو اتارے نہ اترتا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا عرب کے کونے کونے میں

ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عزیز واقارب کو ہی اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ جس کے اثر سے آپ کے رشتہ داروں نے اسلام قبول کر لیا اور بعض اذیتیں دینے لگے، مگر آج وحی الٰہی نے خاتم المرسلین کو تمام عرب کی طرف دعوت کا ارشاد صادر فرمایا اور اس کے بعد تمام عالم کے لیے۔

اس حکم خداوندی کے مطابق رسول اللہؐ حج کے موقعہ پر آنے والے قافلوں کے خیموں میں تشریف لے جاتے اور خدا واحد لاشریک پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے۔ قریش نے یہ سمجھ لیا کہ مکہ کے مسلمانوں پر توڈرانے دھمکانے اور اذیتیں دینے کے حربے اثرانداز ہو سکتے ہیں، لیکن یہ حربے ان ہزاروں انسانوں کے خلاف استعمال نہیں کیے جا سکتے جو مکہ میں حج کے لیے داخل ہوتے ہیں یا کبھی انہیں تجارتی لین دین یہاں کھینچ لاتا ہے۔ کبھی عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں کی کشش انہیں ادھر لے آتی ہے جن میں شرکت کی وجہ سے وہ حج بھی کر لیتے ہیں۔

چنانچہ توحید کی اس وسعت سے قریش کے سینوں پر سانپ لوٹ گیا، ان کے کچھ لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے اور ولید کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجیوں میں قبولیت کا رونا روتے ہوئے کہا۔

> ”اے ولید! ایسا نہ ہو کہ ہمارا حریف اس میں کامیاب ہو جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ باہر سے آنے والے قافلوں میں ہم بھی اپنی دعوت کا پرچار شروع کر دیں۔ یہ طے پا جانے کے بعد گفتگو یہاں تک آ پہنچی کہ وہ سب لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی ایک بات کہنا مقرر کریں۔

ایک شخص نے تجویز پیش کی (کہ ان میں سے) جو شخص جس سے ملاقات کرے اس کے سامنے آنحضرتؐ کو کاہن بتائے۔ مگر ولید نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہنوں کی طرح

گنگنا کر بات کرتا ہے نہ اس کے کلام میں تک بندی ہی ہوتی ہے۔

دوسرے نے آپؐ کو دیوانہ بنانے کی تجویز پیش کی۔

اس پر ولید نے کہا مگر اس میں تو ذرہ بھر بھی جنون نہیں۔ ہم ایسی بات اس کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں؟

تیسرے نے کہا جادوگر؟

ولید نے کہا یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ نہ تو گرہیں لگا کر ان پر دم پھونکتا ہے نہ کبھی اس نے جادو ٹونہ وغیرہ ہی کیا ہے۔

بہت بحث و مباحثہ کے بعد ولید نے اپنی طرف سے مشورہ پیش کیا۔

" حاجیوں کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سحر بیانی سے باپ بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے، بھائی بھائی سے الگ ہو چکا ہے، میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی ہے اور قبیلوں اور خاندانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی اُبھر آئی ہے"۔

ولید نے انہیں یہ نصیحت کی کہ ان باتوں کے ثبوت میں اہلِ مکہ کا وہ اتفاق اور یکجہتی بیان کی جائے جو تمام عرب میں ضرب المثل تھی اور آج محض اس شخص کی سحر بیانی نے (بقول کفار کے) شہر والوں میں اس قدر علیحدگی پیدا کر دی ہے کہ وہی لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔

اس مجلس میں بیٹھے پا جانے کے بعد قریش باہر سے آنے والے حاجیوں کے خیموں کی طرف جانا شروع ہو گئے اور منصوبہ کے مطابق رسول اللہؐ کی سحر بیانی سے خوف دلانے کے لیے من گھڑت قصے کہانیاں سنانے لگے۔ اور آنے والے ہر وفد کو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے بارے میں چوکنا کرنے لگے۔ لیکن نتیجہ اُلٹا ہوا۔ آنحضورؐ کا چرچا عرب کے کونے کونے تک پھیل گیا اور جن کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ اک نئی دعوت ایسی اٹھی ہے اور اس کی علمبردار شخصیت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

اوس اور خزرج میں اسلام
عقبہ کی بیعت

اے خزرج کے لوگو! کچھ جانتے ہو کہ
اس ہستی سے تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟
تمہیں گورے اور کالے دونوں قسم کے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔
یعنی یہ بیعت کر کے تم دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہیں۔

حج کے موسم میں خزرج کا ایک قافلہ حج کے لئے مکہ آیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے ہاں تشریف لائے اور انہیں خدا کی طرف بلایا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآنِ پاک کی کچھ آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔ آپ نے انہیں بتایا کہ میں خدا کا پیغمبر اور رسول ہوں۔ وہ لوگ حیران رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے۔ پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے

"خدا کی قسم یہ تو وہی نبی ہیں جن کی یہودی خبریں سنایا کرتے تھے۔ ہمیں ان کی پیروی جلدی کر لینی چاہیئے ورنہ ہم سے پہلے وہ ان کی پیروی کر لیں گے۔"

چنانچہ انہوں نے اسی وقت آپ کی سچائی کا اقرار کیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔ پھر انہوں نے آپ سے کہا "یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایسی قوم (اوس و خزرج) کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ جن کے اندر آپس میں اتنی دشمنیاں اور برائیاں ہیں کہ شاید ہی کسی دوسری قوم میں ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی تعلیم سے متحد کر دے۔ اگر ایسا ہو سکا تو ان دونوں کے نزدیک آپ سے زیادہ عزت والا کوئی دوسرا نہ ہوگا۔"

اس کے بعد یہ لوگ مسلمان بن کر واپس مدینہ لوٹ آئے اور اپنی قوم کو اپنے مسلمان ہو جانے کی اطلاع کی۔ انہوں نے کہا ہم اس نئے نبی کے ہاتھ پر ایمان لائے ہیں جن سے ہمیں یہودیوں نے ڈرا رکھا تھا پھر سرِ عام اپنے مسلمان ہونے کا تذکرہ کرنے لگے۔ جس نے سنا اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اوس اور خزرج کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہوا اور ہر گھر میں سے دو ایک افراد نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

اگلے سال جب حج کا موسم آیا تو مدینہ سے اوس اور خزرج کے بارہ آدمی حج کے لئے مکہ میں آئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقبہ کے مقام پر ملاقات کی جہاں سب نے بیعت کی جو "بیعت عقبہ اولیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔

رسولِ خدا نے ان سے عہد لیا کہ ان میں سے کوئی بھی خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائے گا، چوری نہیں کرے گا، زنا نہیں کرے گا، اولاد کو قتل نہیں کرے گا اور کسی پر بہتان نہیں باندھے گا اور نیکی کے کاموں میں رسول اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا اور جو کوئی اس عہد کی اور ان باتوں کی پابندی کرے گا اُس کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہیں اور اگر کوئی ان باتوں میں سے کسی کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے چاہے وہ اسے عذاب دے اور چاہے اس کو بخش دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی دینی تربیت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ مدینہ بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں کو قرآن پاک پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں اور دین سمجھائیں

اس بیعت کے بعد مدینہ میں اسلام روز بروز پھیلتا گیا۔ حضرت مصعب بھی اوس و خزرج کی تربیت میں مصروف رہے۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی کہ انصار بڑی کشادہ دلی سے حق کو قبول کر رہے ہیں!

دوسرا سال آیا تو مصعب رجب کے مہینے میں مکہ تشریف لائے اور مدینہ میں اسلام کے فروغ کے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کئے۔

حضرت مصعب نے یہ اطلاع بھی عرض کی کہ مدینہ کے مسلمان متحد اور بہادر ہیں اور یہ خوش خبری بھی سنائی کہ اس سال وہاں کے بہت سے مسلمان حج کے ایام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

حج کا اگلا موسم آیا تو پانچسو مدنی حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ حضرت مصعب بھی ان میں شامل تھے۔ یہ سب مسلمان نہیں تھے بلکہ ان میں صرف ۷۴ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں دو خواتین بھی شامل تھیں جن میں سے ایک کے ہاں مکہ میں ولادت بھی ہوئی۔ چاند کی چودھویں شب کو منیٰ میں مدینہ سے آنے والوں کے ساتھ اللہ کے نبی کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ مدینہ کے لوگ ایسی رازداری سے منیٰ میں پہنچے کہ ان کے ساتھ آنے والے غیر مسلموں اور ان کے کیمپ میں مقیم دیگر افراد کو بھی اس کی ہوا تک نہ لگی ......
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ تشریف لا چکے تھے، حضرت عباس ابھی تک اپنے باپ دادا کے مذہب پر ہی قائم تھے۔ مگر رسول اللہ کے حسن کردار کی بنا پر ان کا بہت احترام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص خاص باتوں میں انہیں شریک کر لیا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی حضرت عباس موجود تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اہل مدینہ کی وجہ سے ممکن ہے قریش ہاشمیوں کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو جائیں اور وقت پڑنے پر اہل مدینہ ہمارا ساتھ نہ دیں چنانچہ انہوں نے خود ہی بات شروع کرتے ہوئے خزرج سے فرمایا :-

> اے خزرج کے لوگو! آپ کو معلوم ہے کہ ہاشمی قبیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس قدر عزت کرتا ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم عقیدہ میں ان کی بجائے قریش کے ہمنوا ہیں۔ لیکن ان کی حمایت وکامیابی میں ہم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اس لئے وہ اپنی قوم کے اندر مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں لیکن اب انہوں نے آپ کے ہاں مدینہ میں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ اب اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد وپیمان کو پورا کرو گے جس کے ساتھ تم انہیں مدعو کر رہے ہو اور ان کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی حفاظت کرو گے تو جو ذمہ داری تم اپنے اوپر اٹھا رہے ہو اسے اٹھا لو لیکن اگر یہاں سے ان کے نکلنے اور تمہارے ساتھ

جا ملنے کے بعد تم کسی قدم پر بھی یہ اندیشہ رکھتے ہو کہ نہیں ان کا ساتھ چھوڑ دینا اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دینا پڑے گا تو بہتر یہی ہے کہ ابھی سے ان کو چھوڑ دو"

جب حضرت عباس کہہ چکے تو مدینے والوں نے کہا۔

اے عباس! آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سن لیا!

اب آپ فرمائیے یا رسول اللہ! آپ کو اختیار ہے ہم سے جو وعدہ اپنے اور ذات باری کے لئے لینا ہو ہم حاضر ہیں۔"

رسول اللہ نے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد انہیں اسلام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حمایت و حفاظت کرو گے جس طرح خود اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔"

اصحاب مدینہ میں سے براء بن عازب نے حضور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا

اے رسول خدا! اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم آپ کی ہر اس چیز۔ حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس یا رسول اللہ! ہم سے بیعت لیجئے۔

ہم جنگ آزما لوگ ہیں۔ ہم نے جنگوں کی گود میں آنکھ کھولی ہے۔ ہتھیار ہمارے کھیل کا سامان ہیں جسے ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ترکہ میں حاصل کیا ہے۔

براء کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کیا

یا رسول اللہ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ حلیفانہ معاہدے ہیں اور اب ہم انہیں توڑ رہے ہیں مگر یہ تو نہ ہو گا کہ ادھر ہم یہودیوں سے تمام معاہدے ختم کر دیں۔ ادھر آپ کو جب اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کر دے تو آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم (یعنی قبیلے) میں واپس تشریف لے جائیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ مسکرا دیئے اور فرمایا

"جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا لہو بھی بہے گا۔ مَیں تم میں سے ہوں اور تم میرے ہو۔ تم جس سے جنگ کرو گے' مَیں تمہارے ساتھ شریک ہوں گا اور جس کے ساتھ تمہاری صلح ہو گی مَیں بھی اُس کا حلیف ہوں گا۔"

وہ لوگ یہ سن کر بیعت کے لئے اُمڈ پڑے مگر ان میں سے عباس بن عبادہ نے آگے بڑھ کر اپنی قوم کو سمجھایا کہ

"اے خزرج کے لوگو! کچھ جانتے ہو کہ اس ہستی سے تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ تمہیں گورے اور کالے دونوں قسم کے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا یعنی یہ بیعت کر کے تم دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو' اب اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور خاندان ہلاکت کے لئے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے' تو بہتر یہ ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو، کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہو گی اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس عہد کے ساتھ تم اس ہستی مبارکہ کو اپنے ہاں دعوت دے رہے ہو اسے اپنے جان و مال کی تباہی کے باوجود نبا ہو گے تو پھر بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم! یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔"

اس پر لوگوں نے کہا

ہم آپ کی حمایت میں اپنے جان و مال اور اپنے خاندان سب قربان کر دیں گے مگر اے رسولِ خدا! اس کا معاوضہ ہمارے لئے کیا ہو گا؟

جواب میں رسول اللہ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا "جنّت"

اس بات چیت کے بعد اہل مدینہ نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے۔ ادھر سے رسول نے بھی اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور ایک کے بعد ایک ان سب نے عہد و پیمان دیا۔

اس موقعہ پر صرف ایک پیمان ہی نہیں باندھا گیا بلکہ اجتماعی نظم کی بنیاد بھی اٹھا دی گئی۔ بیعت کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اپنی جماعت میں سے بارہ ایسے اشخاص منتخب کر کے دو جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار رہوں۔ بالکل اسی طرح جیسے عیسٰےؑ ابن مریم علیہما السلام کے حواری ذمہ دار تھے اور جیسے خود میں اپنی پوری جماعت کا ذمہ دار ہوں، اہل مدینہ نے قبیلہ خزرج سے ۹ اور ۳ کا انتخاب قبیلہ اوس سے کر کے انہیں رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ گویا آنحضور کے نائب تھے۔ ان کے تقرر سے منظم معاشرہ کی تعمیر کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا۔

یہ مہم رات کے وقت عقبہ کی گھاٹی میں سکون واطمینان کے ساتھ انجام پائی۔ سب کو گمان تھا کہ اہل مکہ میں سے کسی شخص کو خبر نہیں لیکن یہاں سے جانے ہی کو تھے کہ کسی انجانے کی آواز سُنی جس کو اتفاق سے اس بیعت کے بارے میں کچھ پتہ چل گیا تھا اُس نے اونچی آواز سے پکارتے ہوئے کہا:۔

"غضب ہو گیا محمد اور اس کے بے دین ساتھیوں نے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔"

عباس بن عبادہ نے کہا" اے رسولِ خدا! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچائی دے کر بھیجا ہے اگر فرمائیں تو ہم دن نکلنے کے ساتھ ہی منیٰ والوں پر اپنی تلواروں سے ٹوٹ پڑیں۔"

رسول اللہ نے جواب دیا" خدا کی طرف سے ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا۔ اب آپ لوگ اپنے خیموں میں چلے جائیں۔"

دن نکلتے ہی قریش کے کانوں میں اس بیعت کی بھنک پڑ گئی۔ چنانچہ قریش کے بڑے بڑے آدمی اہل مدینہ کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا" اے گروہ خزرج، ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس آدمی (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ملے ہو اور تمہارا

ارادہ اسے ہمارے ہاں سے نکال لے جانے کا ہے اور تم اس سے ہمارے خلاف جنگ کی بیعت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم عرب میں کوئی قوم ایسی نہیں جس سے لڑنا ہمیں تمہارے خلاف جنگ کرنے سے زیادہ ناگوار ہے۔ اس پر اہل مدینہ میں سے جو لوگ مشرک تھے انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ یہ بات کہنے میں وہ سچے بھی تھے کیونکہ واقعی ان کو اس کا علم نہ تھا۔ لیکن مسلمان ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر قریش کے سردار عبداللہ ابن ابی کے پاس گئے اور اُس سے اس معاملہ کا ذکر کیا۔
اُس نے کہا "یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری قوم مجھ سے بالا بالا یہ نہیں کر سکتی اور میں نہیں جانتا کہ ایسا ہُوا ہے۔"

آخر کار قریش وہاں سے چلے گئے مگر انہیں کسی بات پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا وہ برابر ٹوہ میں لگے رہے۔ ادھر اہل مدینہ نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ قبل اس کے کہ قریش کو حقیقت معلوم ہو جائے وہ اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھے اور وطن کی راہ لی۔ لیکن ذرا دیر بعد قریش نے واقعہ کی تصدیق کر لی اور مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ مگر سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی بھی ان کے ہاتھ نہ آسکا قریش کے لوگوں نے ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور ان کو مارتے پیٹتے اور ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے مکّہ لے گئے۔ انہوں نے ان کو بہت مارا اور سخت تکلیفیں پہنچائیں۔

آخر کار اہل مکّہ میں جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے ان کی حمایت کر کے انہیں اس مصیبت سے نجات دلوائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں جب اپنی تجارت کے سلسلے میں شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا کرتے تھے تو حضرت سعد بن عبادہ ان دونوں کو پناہ دیا کرتے تھے۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا

ہم نے اپنے بندے کو سیر اس لیے کرائی کہ ہم
اپنی کچھ نشانیاں اُسے دکھائیں

اِسراء و معراج

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ کا ایک ایسا واقعہ جس کی
انبیاء سمیت تاریخِ انسانی کے کسی فرد کی سیرت میں مثال نہیں ملتی

اسرا سے مُراد رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیتُ المقدس) تک لے جانا۔ جیسا کہ قرآن مجید سُورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں بیان ہوا ہے اور معراج سے مراد ہے آپؐ کا بیتُ المقدس سے سدرۃُ المنتہیٰ تک پہنچنا ہے۔ آپؐ کو ایک ہی رات میں جسم و رُوح کے ساتھ بیداری کے عالم میں مسجد حرام سے بیتُ المقدس بھی لے جایا گیا اور اسی رات آپؐ عالم بالا کی انتہائی بلندیوں سے گذرتے ہوئے بارگاہ رَبُّ العزت تک بھی پہنچے اور صُبح ہونے سے پہلے مکہ واپس تشریف لے آئے۔

معراج کا واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا، اس کے بارے میں تو روایات مختلف ہیں۔ البتہ تمام روایات کو سامنے رکھنے کے بعد تاریخ لکھنے والوں نے جس بات کو ترجیح دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہجرت سے تقریباً سال ڈیڑھ سال پہلے کا ہے۔

حدیث میں جو تفصیلات آئی ہیں۔ ان کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کے منصب سرفراز ہوئے بارہ برس گذر چکے تھے۔ ۵۲ برس کی عمر تھی۔ آپؐ حرم کعبہ میں سو رہے تھے۔ یکایک جبرائیل علیہ السلام فرشتے نے آکر آپؐ کو جگایا اور حرمِ کعبہ میں لے آئے۔ یہاں لاکر انہوں نے سینہ چاک لیا اور اسے زم زم کے پانی سے دھویا۔ پھر اسے ایمان اور حکمت سے بھر کر بند کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپؐ کو سواری کے لیے جانور پیش کیا، جس کا رنگ سفید تھا اور جو خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ برق کی رفتار سے چلتا تھا۔ اس کا ہر قدم حدِ نظر پر پڑتا تھا اور اسی مناسبت سے اس کا نام "بُراق" تھا۔ آپؐ اس پر سوار ہوئے اور جبرائیلؑ آپؐ کے ساتھ چلے، پہلی منزل مدینہ کی تھی جہاں اُتر کر آپؐ نے نماز پڑھی، جبرائیلؑ نے کہا، اس جگہ آپ ہجرت کر کے آئیں گے۔ دوسری منزل طُور سینا کی تھی۔ جہاں خدا تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہوئے تھے۔ تیسری منزل بیتُ اللحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چوتھی منزل پر بیتُ المقدس تھا جہاں بُراق کا سفر ختم ہوا۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا، اِدھر آؤ۔ آپؐ نے توجہ نہ کی، جبرائیلؑ نے کہا یہودیت کی طرف بُلا رہا تھا۔ دُوسری طرف سے آواز آئی اِدھر آؤ، آپؐ نے اس کی طرف بھی

دھیان نہ دیا۔ جبرائیلؑ نے کہا، یہ عیسائیت کا داعی ہے۔ پھر ایک عورت بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپ نے اس سے بھی نظر پھیر لی۔ جبرائیلؑ نے کہا یہ دُنیا تھی۔ پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی۔ جبرائیلؑ نے کہا دُنیا کی باقی ماندہ عمر کا اندازہ اس عورت کی باقی ماندہ عمر سے کر لیجئے۔ پھر ایک اور شخص ملا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر آپ اسے بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبرائیلؑ نے کہا۔ یہ شیطان تھا جو آپ کو راستہ سے ہٹانا چاہتا تھا۔

بیتُ المقدس پہنچ کر آپ براق سے اُتر گئے اور اُسی مقام پر اُسے باندھ دیا۔ جہاں پہلے انبیاء اس کو باندھا کرتے تھے۔ ہیکلِ سُلیمانی میں (جو اس زمانے میں منہدم تھا مگر اِس کی جگہ موجُود تھی اور قیصر جیٹینین نے وہاں ایک گرجا بنا رکھا تھا) داخل ہوئے تو ان سب پیغمبروں کو موجُود پایا جو شروع دُنیا سے اُس وقت تک پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں۔ سب منتظر تھے کہ امامت کے لیے کون آگے بڑھتا ہے، جبرائیلؑ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔

پھر آپ کے آگے تین پیالے پیش کئے گئے ایک میں پانی، دُوسرے میں دُودھ اور تیسرے میں شراب۔ آپ نے دُودھ کا پیالہ قبُول فرمالیا۔ جبرائیل نے یہ دیکھ کر مُبارک باد دی کہ آپ نے دینِ فطرت کو اختیار کیا ہے۔

اس کے بعد آسمان کا سفر شروع ہوا۔ جب آپ پہلے آسمان پر (آسمان دُنیا) پر پہنچے تو دروازہ بند تھا، محافظ فرشتوں نے پوچھا کون آتا ہے؟ جبرائیلؑ نے اپنا نام بتایا، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرائیلؑ نے بتایا "یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں" فرشتے نے پھر پوچھا، کیا یہ بُلائے گئے ہیں، جبرائیلؑ نے کہا "ہاں یہ بُلائے گئے ہیں" یہ سُن کر فرشتے نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "ایسی ہستی کا آنا مُبارک ہو"۔ جب آپ اندر داخل ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام سے مُلاقات ہوئی۔ جبرائیلؑ نے تعارف کرواتے ہوئے کہا "یہ آپ کے والد (نسلِ انسانی کے مورثِ اعلیٰ) آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ اِن کو سلام کیجئے۔ آپ نے اُن کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "خوش آمدید"

اے نیک بیٹے اور اے نیک نبی۔ حضرت آدمؑ کے دائیں بائیں بہت سے لوگ تھے۔ وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے، بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا کیا ماجرا ہے؟ بتایا گیا، یہ نسل آدم ہے۔ آدمؑ اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

پھر آپؐ کو تفصیلی مشاہدہ کا موقع دیا گیا، ایک جگہ آپؐ نے دیکھا کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ اور جتنی کٹتے جاتے ہیں اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے، پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں، پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جن کا خمار نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتا تھا۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے، پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو مال میں سے زکوٰۃ خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک آدمی کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ جب نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے۔ پوچھا یہ کون احمق ہے؟ کہا گیا یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اُٹھا نہ سکتا تھا، مگر ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اُوپر لادے چلا جاتا تھا۔

پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں کہا گیا یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔ ایک اور جگہ دیکھی ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس سے ایک بڑا موٹا بیل نکل آیا پھر وہ بیل اسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا، مگر نہ جا سکا۔ پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا یہ اس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کرتا ہے پھر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ دوسروں پر لعن طعن کرتے تھے۔

انہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیر حاضری میں ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزت پر حملے کیا کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ یتیموں کا مال ہضم کرتے تھے۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوتے ہیں آنے جانے والے ان کو روندتے ہوتے گزرتے ہیں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ سُود خوار ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس چکنا گوشت رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت جس سے سخت بدبو آرہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے حلال بیویوں اور شوہروں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہش نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے ذمے ایسے بچے لگا دیے جو ان کے نہ تھے۔

انہی مشاہدات کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُلاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترش روئی کے ساتھ ملا۔ آپ نے جبریلؑ سے پوچھا۔ اب تک جتنے فرشتے ملے تھے۔ سب خندہ پیشانی اور بشاشش چہروں کے ساتھ ملے۔ لیکن یہ کیوں اتنے خشک مزاج ہیں؟ جبرائیلؑ نے کہا اس کے پاس ہنسی کا کیا کام، یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے، یہ سُن کر آپ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، اس نے یکایک آپ کی نظر کے سامنے سے پردہ اُٹھا دیا اور دوزخ

اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہوگئی ۔

اس کے بعد دوسرے آسمان پر پہنچے اور پہلے آسمان کی طرح سوال و جواب کے بعد دروازہ کھلا اور آپؐ اندر تشریف لے گئے ۔ تو وہ وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ سے مُلاقات ہوئی ۔ جبریلؑ نے اِن سے تعارف کروایا اور کہا " سلام کیجئے " آپؐ نے سلام کیا ۔ دونوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا " خوش آمدید اے صالح بھائی اور اے صالح نبی " ۔ پھر تیسرے آسمان تک اسی طرح پہنچے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے مُلاقات ہوئی اور سلام وجواب ہوا ۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے مُلاقات ہوئی ، اور سلام وجواب ہوا ۔ پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے ۔

ساتویں آسمان پر پہنچے تو ایک عظیم الشان محل (بیت المعمور) دیکھا ۔ جہاں بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے اس کے پاس آپؐ کی مُلاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو خود آپؐ سے بہت مشابہ تھے ۔ تعارف پر معلوم ہوا حضرت ابراہیمؑ ہیں ۔

پھر مزید اوپر چڑھنا شروع ہوئے یہاں تک کہ آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے ۔ جو پیش گاہ رَبُّ العزت اور عالمِ خلق کے درمیان آخری حد کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس پر تمام مخلوقات کا علم ختم ہوجاتا ہے ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غیب ہے جس کا علم نہ کسی نبی کو ہے نہ کسی مقرّب فرشتے کو ۔ سوائے اس کے جسے اللہ اس میں سے کوئی علم دے دے ۔ نیچے سے جو کچھ جاتا ہے وہ یہاں لے لیا جاتا ہے اور اُوپر سے جو کچھ آتا ہے اسے یہاں وصُول کر لیا جاتا ہے ، اس مقام کے قریب آپؐ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپؐ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو کسی کان نے سُنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصوّر تک گزر سکا ۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبرائیلؑ ٹھہر گئے ۔ یہ ایک بیری کا پیڑ ہے ، انتہا پر ۔ اس پر بے شمار ملائکہ جگنوں کی طرح چمک رہے تھے) آپ تنہا آگے بڑھے ۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ جلال

سامنے تھی ۔ ہمکلامی کا شرف بخشا گیا ۔ جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں ۔

ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں ۔ نماز کے علاوہ اس موقعہ پر بارگاہِ الٰہی سے دو تحفے اور بھی عطا ہوتے ۔ ایک سورۂ بقرا کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد اور ایمان کی تکمیل کا بیان ہے اور یہ بشارت ہے کہ اب مصیبتوں کا دور ختم ہونے والا ہے ۔ دوسرے یہ خوشخبری کہ امت محمدیؐ میں سے جو شرک سے بچا رہے گا ۔ اس کی مغفرت ہو جائے گی ۔ تیسری یہ کہ ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسکے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے ۔ اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے ۔

جب آپؐ خدا کے حضور سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے پوچھا " کہیئے بارگاہ خداوندی سے کیا تحفہ لائے ؟ فرمایا : ۔ دن رات میں پچاس نمازیں ۔ انہوں نے فرمایا ۔ میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں ۔ میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی اُمت نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی ۔ جائیے اور کمی کے لیے عرض کیجئے ۔ آپؐ گئے اور ربُّ العالمین نے ۱۰ نمازیں کم کر دیں ۔ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی ۔ ان کے کہنے پر آپؐ بار بار اُوپر جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کر دیں اور فرمایا گیا کہ اگرچہ ہم نے نمازوں کی تعداد پچاس سے کم کر کے پانچ کر دیں ۔ لیکن تمہاری اُمت میں سے جو لوگ پابندی سے روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کریں گے انہیں اجر پچاس نمازوں کا ہی دیا جائے گا

آسمانوں سے واپس آنے کے بعد جب آپؐ بیتُ المقدس تشریف لائے تو دیکھا ۔ یہاں پھر تمام انبیاء کرام موجود تھے ۔ آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی جو غالباً فجر کی نماز تھی ، پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس تشریف لے آئے ۔

صبح سب سے پہلے آپؐ نے اپنی چچا زاد بہن اُمِّ ہانی کو یہ روداد سُنائی ۔ پھر باہر نکلنے کا قصد کیا ، انہوں نے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور کہا خُدا کے لیے یہ بات لوگوں کو نہ سُنائیے گا ورنہ اُن کو آپؐ

کا مذاق اڑانے کے لیے ایک اور انوکھی بات ہاتھ آجائے گی۔ مگر آپؐ یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔

حرم کعبہ میں پہنچے تو ابوجہل سے آمنا سامنا ہوا۔ اس نے کہا کوئی تازہ خبر؟ فرمایا ہاں پوچھا کیا؟ فرمایا کہ میں آج رات بیت المقدس گیا تھا۔ کہا بیت المقدس؟ راتوں رات ہو آئے؟ اور صبح یہاں موجود ہو؟ فرمایا ہاں۔ کہا۔ قوم کو جمع کروں؟ سب کے سامنے یہی بات کہو گے؟ فرمایا۔ بے شک۔ ابوجہل نے آوازیں دے کر سب کو جمع کر لیا اور کہا۔ لو اب کہو۔ آپؐ نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کر دیا۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ کوئی تالی پیٹ رہا تھا۔ تو کوئی حیرانگی سے سر پہ ہاتھ رکھ رہا تھا۔ دو ماہ کا سفر ایک رات میں؟ ناممکن! محال! پہلے تو شک تھا۔ اب یقین ہو چلا ہے کہ تم دیوانے ہو گئے ہو۔

لمحوں میں یہ خبر تمام مکہ میں پھیل گئی، بعض مسلمان اس کو سن کر اسلام سے پھر گئے۔ کچھ لوگ اس امید پر حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے کہ محمدؐ کے دست راست ہیں۔ یہ پھر جائیں تو تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر کہا۔ اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ تو ضرور سچ ہو گا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمانی پیغام آتے ہیں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق حرم کعبہ میں آئے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے ان مقامات کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ جن پر سے اسراء کی رات آپؐ کا گزر ہوا تھا۔ جونہی مسجد اقصیٰ اور اس کی جغرافیائی حیثیت کا بیان فرمایا چونکہ ابوبکرؓ بھی بیت المقدس سے ہو آتے تھے انہوں نے سنتے ہی "تصدیق کرتا ہوں یا رسول اللہ" عرض کیا۔ اس تصدیق کی بنا پر اس وقت سے حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کے خطاب سے پکارنا شروع فرما دیا۔

وہاں بہت سے ایسے آدمی موجود تھے جو تجارت کے سلسلے میں بیت المقدس جایا کرتے تھے۔ وہ سب دل سے قائل ہو گئے کہ نقشہ بالکل صحیح ہے۔ اب لوگ آپؐ کے بیان کی سچائی کا

مزید ثبوت مانگنے لگے ۔ حضورؐ نے فرمایا جاتے ہوئے میں فلاں مقام پر فلاں قافلہ پر سے گزرا جس کے ساتھ یہ سامان تھا ۔ قافلہ والوں کے اُونٹ براق سے بھڑکے ۔ ایک اُونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا ۔ مَیں نے قافلہ والوں کو اس کا پتہ دیا ۔ واپسی پر فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کا قافلہ مجھے مِلا ۔ سب لوگ سو رہے تھے ۔ میں نے ان کے برتن سے پانی پیا اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس سے پانی پیا گیا ۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں آپؐ نے فرمائیں ۔ یہ واقعہ سُننے کے بعد قریش نے بڑی جستجو سے ان دونوں قافلوں کا سُراغ لگا کر ان سے واقعات دریافت کئے ۔ تو دونوں قافلوں نے ان تمام باتوں کی تصدیق کی ۔

عظیم الشان سنگِ بنیاد

معراج کا یہ واقعہ ایک طرف تو لوگوں کے ایمان اور رسالت کی تصدیق کا امتحان تھا دوسری طرف خود آپؐ کو بے شمار غیب کی حقیقتوں کے مشاہدے کا ذریعہ ۔ ساتھ ہی ساتھ یہ آنے والے انقلاب کے لیے ایک پیغام تھا جس سے اس اسلامی تحریک کو جلد ہی دوچار ہونا تھا اور اس موقع کی مناسبت سے آپؐ کو خاص ہدایات دینا مطلوب تھا ۔ معراج کے اس سفر سے واپس آکر یہ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو دیا جو قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں لفظ بہ لفظ محفوظ ہے ۔ یہ ہدایات ہجرت سے ایک سال پہلے دی گئی تھیں ۔ جن کے تحت نبی اور اصحابِ نبی کو آگے کام کرنا تھا اور اسلام کے اصولوں پر ایک نئی ریاست کا سنگ بنیاد رکھنا تھا ۔

عبرت

اس پیغام میں معراج کا ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی گئی ہے ۔ بنی اسرائیل اب تک اللہ کے دین کے وارث تھے ۔ اور اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ دُنیا

کو خدائی پیغام (اسلام) سے روشناس کرائیں۔ لیکن انہوں نے اس خدمت کو انجام نہیں دیا، بلکہ خود بے شمار برائیوں کا شکار ہو گئے اور اس قابل نہ رہے کہ اللہ کے دین کی خدمت بجا لا سکیں، لہذا اب یہ خدمت بنی اسماعیل کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اس خاندان میں مبعوث کیا گیا۔ اب تک بنی اسرائیل سے براہ راست خطاب نہیں کیا گیا تھا۔ اب سورۃ بنی اسرائیل میں ان سے کہا گیا کہ اب تک جو غلطیاں تم کر چکے سو کر چکے، تم کو اب سے پہلے دو بار آزمایا جا چکا ہے۔ لیکن تم نے اپنی حالت کو ٹھیک نہیں کیا۔ اب اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پھر تمہیں موقعہ مل رہا ہے۔ اگر تم ان کی پیروی کرو گے۔ تو پھر ترقی کی راہ پر قدم بڑھا سکو گے۔ مکے کی انتہائی مظلومانہ اور پریشانی سے بھری ہوئی زندگی میں یہ اشارہ ایک بہت بڑی بشارت تھی۔ جو آگے چل کر بالکل ٹھیک ثابت ہوئی۔

اپنا عمل

دوسری اہم حقیقت جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان خود ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اس کا اپنا عمل اس کے حق میں فیصلہ کن ہے سیدھا چلے گا تو آپ اپنا بھلا کرے گا غلط راہ پر چلے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اس شخصی ذمہ داری میں کوئی کسی کا شریک نہیں ہے اور نہ کسی کا بار دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔ لہذا ایک صالح معاشرے کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داری پر نگاہ رکھنی چاہیئے دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہوں، اسے پہلی فکر یہ ہونی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے؟

فکر

تیسری بات جس پر متنبہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے بڑے لوگوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم میں تباہی آنے کو ہوتی ہے تو اس کے خوش حال اور

صاحب اقتدار لوگ فسق و فجور پر اُتر آتے ہیں ، ظلم و ستم اور بد کاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں ۔ آخر یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے ۔ لہٰذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہو اسے فکر رکھنی چاہیئے کہ اسکے ہاں سیاسی اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بد اخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں ۔

پائیدار کامیابی

مسلمانوں کو خاص طور پر جو بات یاد دلائی گئی اور جو قرآن مجید میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہے اگر تمہارے پیشِ نظر صرف یہی دُنیا اور اس کی کامیابیاں اور خوشحالیاں ہوں تو یہ سب کچھ تمہیں مِل سکتا ہے ۔ مگر اس کا آخری انجام بہت بُرا ہے مستقل اور پائیدار کامیابی ، جو اس زندگی سے لے کر دوسری زندگی تک کہیں نامرادی سے داغدار نہیں ہونے پاتی ۔ تمہیں صرف اسی صورت میں مِل سکتی ہے ۔ جبکہ تم اپنی کوششوں میں آخرت اور اس کی بازپرس کو پیشِ نظر رکھو ۔ دُنیا پرست کی خوشحالی بظاہر تعمیر کی شان رکھتی ہے ، لیکن اس تعمیر میں ایک بہت بڑی خرابی کی صورت بھی مضمر ہے وہ اخلاق کی اس فضیلت سے محروم رہتا ہے جو صرف آخرت کی جواب دہی کا احساس رکھنے ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے ۔ یہ فرق آپ دُنیا ہی میں دونوں طرح کے آدمیوں کے درمیان دیکھ سکتے ہیں ۔ یہی فرق بعد کے زندگی کے مقامات میں اور زیادہ نمایاں ہو جائے گا ۔ یہاں تک کہ ایک کی زندگی سراسر ناکامی اور دوسرے کی زندگی سراسر کامیابی بن کر رہے گی ۔

پیغام معراج

قرآن حکیم نے اخلاقی رواداری کے جو اصول پیش کیے ہیں، اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہو سکتا ہے، حکماء اور فلاسفروں نے مختلف دور میں اخلاقی اقدار سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اور انسان کامل کا نظریہ پیش کیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مگر ان مسلسل کاوشوں کے باوجود کسی نے وہ اخلاقی اقدار پیش نہیں کیں جو اتنی احسن و اکمل ہوں جیسی کہ سورۂ اسراء میں موجود ہیں۔

اسلامی ریاست اور معاشرے
کی تعمیر کیلئے بنیادی اصول

★

اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ بنایا جائے۔ عبادت، بندگی، اطاعت اور فرماں روائی کے حقوق میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھرایا جائے

★

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا، نہ اُنہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ اُن سے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ بات کرو، محبت اور نرمی و رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جھک کر رہو اور اُن کے لیے دعا کرتے رہا کرو کہ "اے میرے پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا، تمہارے دل کی بات کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور اگر تم سعادت مند ہو تو وہ تم کو معاف کر دے گا۔ چونکہ وہ توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو بخشنے والا ہے۔

★

اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی اور ایثار کا جذبہ موجود ہونا چاہیے اور رشتہ داروں، مسکینوں، عزیز و اقارب اور مسافروں کے حقوق بڑی خندہ پیشانی سے ادا کیے جائیں۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں کے درمیان پائے، معاشرے میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص ان سب انسانوں کے حقوق اپنے اوپر محسوس کرے جن کے درمیان رہتا ہے۔ ان کی خدمت کرے تو یہ سمجھے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے نہ کہ احسان کا بوجھ لاد رہا ہے۔ اور اگر کسی خدمت کے قابل نہ ہو تو بڑی نرمی سے معذرت کرے اور خدا سے فضل مانگے تاکہ وہ دوسروں کے کام آسکے۔

★

لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ، عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کو غلط راستوں میں بہا دیں، در اصل خدا کی نعمت کا کفران ہیں۔ جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں اور ایک صالح معاشرے کا فرض ہے کہ ایسے بے جا صرف مال

کو اخلاقی تربیت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے روک دے۔

★

اور اپنا ہاتھ نہ تو گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیے کہ وہ نہ تو کنجوس بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں (ایسا کرو گے) تو تم ایسے ہی بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم عاجز ہو گے۔ تمہارا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

★

غربت کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، چنانچہ نسلوں کی افزائش کو اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائیں گے تو معاشی ذرائع تنگ ہو جائیں گے۔ ایک بہت بڑی غلطی ہے، جو لوگ اس اندیشے سے آنے والی نسل کو ہلاک کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رزق کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ رازق وہ خدا ہے جس نے انسانوں کو زمین میں بسایا ہے۔ پہلے آنے والوں کے لیے بھی رزق کا سامان اُسی نے کیا تھا اور بعد کے آنے والوں کے لیے بھی وہی سامان کرے گا۔

★

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ زنا عورت اور مرد کے تعلق کی ایک بالکل غلط صورت ہے۔ اس کو نہ صرف بند ہونا چاہیے۔ بلکہ معاشرے کے اندر ان اسباب کو بھی ختم کرنا چاہیے جو انسان کو اس کے قریب لے جاتے ہیں۔

★

اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے۔ ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اُس کے والی (وارث) کو (قاتل سے) قصاص لینے کا اختیار دیا ہے تو اُس کو چاہیے (خون کا بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے۔ اس کی مدد کی جائے گی۔

★

انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ احترام ٹھہرایا ہے، کوئی شخص نہ اپنی جان لینے کا حق رکھتا ہے نہ کسی دوسرے کی جان کی جس معاشرے میں لوگوں کی جان محفوظ نہ ہو وہ کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا۔ امن کی حالت کے بغیر کوئی تمدن ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے سب سے پہلے لوگوں کی جان و مال کے تحفظ کا انتظام ضروری ہے۔

★

یتیموں سے بہتر سلوک کرو۔ کمزور اور ایسے لوگ جو اپنے حقوق کی حفاظت خود نہیں کر سکتے امداد کے مستحق ہیں۔ جس معاشرے میں بیواؤں، یتیموں اور کمزوروں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔

★

اپنا عہد پورا کرو، عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ عہد و پیمان خواہ ایک دوسرے سے کریں۔ یا ایک قوم دوسری قوم سے کرے۔ ہر حالت میں ایمانداری سے پورے کیے جائیں اور وہ عہد بھی مراد ہے جو ایک بندہ مومن ایمان لاتے وقت اپنے خدا سے کرتا ہے۔

★

ناپ تول میں پیمانے اور ترازو کو ٹھیک رکھو۔ جب ناپ کر دو تو پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور (تول سے دینا ہو تو) ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ لین دین میں معاملات کی درستی اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ معاشرے کے امن و سکون کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

★

جب بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ بغیر کسی علم کے نامعلوم باتوں کی کرید اور بلاوجہ گمان اور تخمینوں پر رائے قائم کر لینے سے معاملات خراب ہوتے ہیں، کیونکہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہونی ہے اور تمہارے خیالات اور ارادوں کا بھی تمہیں خدا کو حساب دینا ہے۔

★

زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو کیونکہ تم اپنی اکڑ سے زمین کو نہ پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنے غرور میں پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتے ہو۔

کانوں میں روئی ٹھونس لیتا

طفیل بن عمرو دوسی حج کعبہ کے لیے مکہ میں آئے یہ شریف الطبع ہونے کے ساتھ شاعر اور دانشور بھی تھے۔ قریش نے اپنی تبلیغ کے لیے ان کا استقبال شہر سے باہر جاکر کیا۔ انہیں اسلام کی دعوت اور رسولِ خدا سے ڈراتے ہوئے کہا کہ محمدؐ کی باتوں میں ایسا جادو بھرا ہے کہ بیٹے اور باپ میں، بھائی اور بھائی میں، شوہر اور بیوی میں علیحدگی تو ایک طرف خود انسان اور اس کی ذات میں تفرقہ پیدا کر دیتا ہے۔ اے طفیل! ہمیں آپ کی قوم پر بڑا ترس آتا ہے۔ ہمیں تمہارے اور تمہاری قوم کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں تم لوگ اہل مکہ کی طرح آپس میں جدائی کا شکار نہ ہو جاؤ۔ بہتر ہے کہ آپ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کریں نہ ان کی بات کانوں میں پڑنے دیں۔

طفیل خود بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ میں پوری طرح قائل نہ ہوگیا کہ نہ بات کروں گا نہ سنوں گا۔ چنانچہ جب میں مسجد حرام کی طرف جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔

ایک دن رسولِ خدا یہاں پہلے سے تشریف فرما تھے اور کسی کو تبلیغ فرما رہے تھے۔ ایک دو جملے میرے کان میں بھی پڑ گئے جو مجھے بہت بھلے معلوم ہوئے، میں نے خود سے کہا۔

"ارے میں ایک صاحب عقل آدمی ہوں، شاعر ہوں، اچھی بری بات میں تمیز کر سکتا ہوں مجھے اس شخص کی بات سننے میں کیا خطرہ ہے، اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کر لوں گا ورنہ چلا آؤں گا۔"

طفیل رسولؐ اللہ کے انتظار میں رہے۔ جب آپؐ کعبہ سے نکلے تو آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے آپؐ کے گھر آگئے۔

طفیل نے یہاں آکر اپنی کہانی پیش کی اور دل میں جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی عرض کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ طفیل کہتا ہے کہ

"خدا کی قسم! نہ اس سے بڑھ کر اچھا کلام میں نے کبھی سنا نہ اس سے بڑھ کر سچا پیغام"۔

چنانچہ وہ فوراً اسلام لے آئے اور واپس جاکر اپنے قبیلہ (دوس) میں پُرجوش طریقے سے تبلیغ کی اور پورا قبیلہ متاثر ہوا۔

ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلامی کی ۲۳ سالہ جدوجہد میں ایک اہم موڑ

عظیم انقلابی اقدام

وہ لمحہ جسے اُمت مسلمہ کی عظیم الشان سیاسی، اقتصادی، معاشی اور آفاقی امن وسکون سے لبریز زندہ رہنے کے آداب کی تاریخ کا نقطہ آغاز کہلانے کا شرف نصیب ہونا تھا

ایک ایسا واقعہ کا ظہور ہونے کو ہے تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جس واقعہ سے دنیا میں صداقت و ایمان اور عظمت وشکوہ کا بے مثل نمونہ پیش ہونے کو ہے

تقویم اسلامی کا آغاز ابتدائے دعوت کی بجائے ہجرت سے کیا گیا۔

ہجرت کے ذریعے جس سمت کی طرف دعوتِ انقلاب کا آغاز سفر ہوا تھا۔ فتح مکہ اس کی آخری منزل تھی اور اسلام ایک عالمگیر قوت اور برادری کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آگیا

آخری فیصلہ

مدینہ میں جب اسلام کی اشاعت ایک حد تک ہو چکی تو اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو قریش کے بے پناہ ظلم و ستم کا شکار ہو رہے تھے، مدینہ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ نبی صلعم کے حکم کے مُطابق مکہ کے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صُورت میں خاموشی سے مدینہ روانہ ہونے لگے۔ ادھر مدینہ کے مُسلمانوں نے اپنے اِن اسلامی بھائیوں کے لیے اپنے مال و دولت اور اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ یہ صُورتِ حال دیکھ کر کفار نے مُسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لیے مظالم بڑھا دیئے اور ہر طرح کی کوشش کی کہ یہ لوگ اُن کے چنگل سے نکل کر جا بھی نہ سکیں۔

لیکن مسلمانوں نے اپنے مال، جان اور اولاد کو خطرے میں ڈال کر اللہ کے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہی پسند کیا اور کوئی لالچ اور دباؤ انہیں ان کے ارادوں سے نہ روک سکا۔

کوئی دو ماہ کے عرصہ میں رسُولِ خُدا، حضرت ابُوبکر صدّیقؓ ان کے اہل خانہ اور حضرت علیؓ کے سوا بہت کم مسلمان مکہ میں رہ گئے۔ وہ مکہ میں موجود تھے جنہیں زبردستی روک لیا گیا، یا ان کے خاندان والوں نے قید کر رکھا تھا، ان میں کچھ نوعمر بچے تھے اور باقی غلام۔

قریش اب دیکھ رہے تھے کہ آپؐ کو مدینہ میں ٹھکانا میسر آ گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قیادت کے تحت ایسے جانثار لوگوں کا ایک مضبوط گروہ کی شکل میں منظم ہو جانا اور ایک شہر کی ریاست بھی اُن کے ہاتھ میں آ جانا، پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ مدینے کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہاں مُسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مُسلمانوں کی زد میں آ جائے گی اور اس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مُسلمان نظام جاہلیت

کی زندگی دشوار کر دیں گے ۔ صرف اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے بل پر مکے سے شام وروم اور مصر تک چل رہی تھی ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی ، طائف اور دُوسرے مقامات کی تجارت اس میں شامل نہیں تھی ۔ اس وجہ سے بیعت عقبہ کی خبر پاتے ہی قریش میں کھلبلی مچ گئی ۔ پہلے تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو آنحضرتؐ سے توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ، مگر وہ اس میں ناکام ہو گئے تو اس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارۂ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔

آخری فیصلہ کرنے کے لیے دار الندوہ میں تمام قبائل کے سرداروں کا ایک خفیہ اجتماع منعقد ہوا۔ جو تاریخ میں یوم الزحمہ کے نام سے مشہور ہے ۔ اجلاس میں اس بات پر مشورہ کیا گیا کہ اس خطرے کا سدِباب کس طرح کیا جائے ۔

" ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ آپؐ کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جب تک زندہ رہیں رہا نہ کیا جائے ۔" لیکن رائے کو اس لیے قبول نہ کیا گیا کہ اگر آپؐ کو قید کر دیا تو آپ کے ساتھی برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو انہیں چھڑوانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیں گے ۔

دُوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ انہیں جلا وطن کر دینا کافی ہے جب ہمارے درمیان نہ رہے گا تو ہمیں کوئی تعلق نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے ، بہرحال اسکے وجُود سے ہمارے نظامِ زندگی میں خلل پڑتا تو بند ہو جائے گا ۔ لیکن اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو اپنی جادُو بیانی سے لوگوں کے دِل موہ لے گا اور پھر دُوسرے عرب قبیلوں کو اکٹھا کر کے ہم پر حملہ آور ہوگا

آخر کار ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں سے بہادر نوجوان منتخب کریں اور سب مل کر یک بارگی مُحمّد پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں ۔ چونکہ قتل کی ذمہ داری بہت سے قبائل پر عائد ہوگی اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ قاتلوں کے خلاف اعلان جنگ سے باز رہے گا اور خون بہا پر اکتفا کے لیے مجبُور ہوگا اور خون بہا مشترکہ فنڈ سے ادا کر دیا جائے گا ۔

اس رائے کو سب نے پسند کیا ، قتل کے لیے آدمی بھی نامزد کر دیئے گئے ، قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا اور اس ساری کارروائی کو انتہائی خفیہ رکھا گیا ۔

ہجرت کی اجازت

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کو مکے سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی ۔ یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات ـــــ جو قریش نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مقرر کی تھی ۔ اسی روز جبریل علیہ السلام نے آکر حضور کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں آپؐ دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے ، دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دی ۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے ۔

حضرت ابوبکر سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو" ابوبکرؓ نے کہا " یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی)

آپؐ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے" ۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بے تابی سے کہا

" میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کیا مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا ؟"

ارشاد ہوا " ہاں" حضرت ابوبکر نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں ، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپؐ پسند فرمائیں ۔

فرمایا " مگر قیمت دے کر لوں گا" ، حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا ۔

اس کے بعد حضور اور حضرت ابوبکر نے بنی الدیل کے ایک شخص عبداللہ بن ارُیقط کو جو راستوں کا ماہر تھا ، اجرت پر رہنمائی کے لیے مقرر کیا اور دونوں اونٹنیاں اس ہدایت کے ساتھ اس کے حوالے کیں کہ جس جگہ ہم بلائیں اسی وقت انہیں لے کر اس جگہ پہنچ جانا ۔

ان کی امانتیں میرے پاس ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو اس قدر شدید دشمنی تھی لیکن آپؐ کی دیانت و امانت پر اتنا اعتماد تھا کہ جس کو بھی کچھ مال و اسباب امانت رکھنا ہوتا ، آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا ۔ اس وقت قریش کی آپؐ کے پاس بہت امانتیں جمع تھیں ۔

بہر حال اس کے بعد آپؐ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا ۔

"مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا، تم رات کو میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔

یہ جو لوگ میرے قتل کے درپے ہیں ان کی امانتیں میرے پاس ہیں، تم ان میں سے ایک ایک کی امانت لوٹا کر مدینہ پہنچ جانا۔"

کفار نے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کیا تو وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بستر پر سوئے ہوتے ہیں۔ لیکن آپ نے ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی حضرت علیؓ کو اپنی چادر اوڑھا کر لٹا دیا تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ عرب میں خواتین والے گھر میں گھسنے کو بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی یہ لوگ رات بھر باہر بیٹھے انتظار میں رہے کہ صُبح سویرے جب حضُورؐ اٹھیں تو یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔

اس دوران میں کہ دشمن گھیرا ڈالے ہوئے تھے اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے دشمنوں کو بے خبر کر دیا۔ آپ یک و تنہا بالکل اطمینان اور استقلال سے ان کے بیچ سے ہوتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ سُورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھ رہے تھے۔

صُبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو حضُورؐ کے بستر پر سے اٹھتے ہوئے دیکھا اور اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی کے جا چکے ہیں۔ دشمنوں نے آپ کو پکڑ کر بہت مارا پیٹا اور مسجد حرام میں لے جا کر بند کر دیا۔ مگر جب تشدد سے بھی حضُور کا پتہ معلوم نہ کیا جا سکا تو مجبُور ہو کر آپ کو چھوڑ دیا۔

غارِ ثور

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر سیدھے حضرت ابُوبکر کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ روانگی کے لیے پہلے سے ہی آپ کی انتظار میں تھے۔

اے مکہ، خُدا کی قسم! تو مجھے خُدا کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی دونوں بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی دونوں مُسافروں کے لیے سامان سفر تیار کیا اور ایک تھیلے میں زادِ راہ کے طور پر ضروری چیزیں رکھ دیں۔
چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابُوبکرؓ نے نہایت خاموشی کے ساتھ گھر کے عقبی حصہ میں ایک کھڑکی کے ذریعے باہر نکل کر یمن کے راستے کا رُخ کیا۔
مکے سے نکلتے وقت حضوؐر نے حَزوَرہ کے مقام پر کھڑے ہوتے بیت اللہ کی طرف رُخ کیا اور بڑے درد کے ساتھ فرمایا "اے مکہ، خُدا کی قسم، تو مجھے خُدا کی زمین میں سب سے زیادہ محبُوب ہے اور خدا کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبُوب ہے۔ اگر تیرے باشندوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ نکلتا"۔ اس کے بعد آپؐ کوہ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔
مکہ سے پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلے پر کوہ ثور ہے۔ کوہ ثور کا انتخاب اس حکمت کی بنا پر کیا گیا تھا کہ یہ پہاڑ مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر ہے۔ حالانکہ مدینہ مکہ کے شمال میں شام کے راستے پر واقع ہے کفار مکہ کو معلوُم تھا کہ حضور ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے آپ کا تعاقب کرنے کے لیے ان کا ذہن سب سے پہلے شمالی پہاڑوں اور پہاڑی راستوں ہی کی طرف جا سکتا تھا، جنوب اور مشرق اور مغرب کی طرف ان کی جستجو کا رُخ صرف اسی صُورت میں پھرتا جب کہ وہ شمالی راستوں میں آپؐ کو تلاش کرنے میں ناکام ہو جاتے، اس طرح یہ اُمید تھی کہ غار ثور تک ان کو پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ جائے گا۔

اس پہاڑ کی چڑھائی سخت اور راستہ سنگلاخ تھا چنانچہ کالے نوکیلے پتھروں پر تیز تیز چلتے ہوئے حضوؐر اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور خُون بہنے لگا، مگر سفر جاری رہا اور آخر کار غار ثور تک پہنچ گئے۔ یہ غار آج بھی موجُود ہے۔ یہ غار انتہائی تاریک اور پُر خطر تھی۔ پھر جب غار پر پہنچے تو ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ آپ ذرا ٹھہریں میں اندر جا کر غار کو آپؐ کے لیے صاف اور محفوظ کر دوں،

چنانچہ حضرت ابُوبکرؓ غار میں داخل ہوئے اور میلے کو صاف کیا پھر اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر ایک ایک سوراخ اور ایک ایک بل کو تلاش کرتے گئے اور اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر اسے بند کرتے چلے گئے، غار میں ایک بل رہ گیا تو حضرت ابُوبکرؓ نے اس پر اپنی ایڑی لگا دی تاکہ کوئی موذی جانور اس سے نکل کر حضُور کو کاٹ نہ لے۔ پھر حضُور انور کو آواز دی کہ آپ اندر تشریف لے آئیں۔

غار ثور کے قیام کے دوران حضرت ابُوبکر کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دن بھر حسب معمول آپ کی ہدایت کے مطابق بکریاں چراتا رہتا اور مکہ والوں کی خبریں لیتا رہتا، پھر رات گئے غار کے پاس آکر بکریوں کا دُودھ بھی دے جاتا اور جو خبریں سنتا وہ بھی بتا دیا کرتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابُوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عُبداللہؓ جو ایک ذہین اور فہیم نوجوان تھے مکہ میں قریش کی خبریں معلُوم کرکے رات کو آکر بیان کر جاتے۔

ہم دونوں کے ساتھ ہمارا تیسرا ہمراہی اللہ ہے۔

رسُولؐ اللہ جب قتل سے بچ کر نکل گئے تو قریش کے لیے قیامت برپا ہو گئی، قریشی نوجوان ننگی تلواریں، لاٹھیاں اور نیزے لیے ہوئے کھوجیوں کے ہمراہ آپؐ کی تلاش میں مکہ کے معرُوف راستے سے نکلے لیکن بے سُود، پھر یمن کے راستے کی طرف متوجہ ہوئے اور غار ثور کے دھانے پر آکر ٹھہر گئے، مگر وہاں انہوں نے دیکھا کہ غار کے دھانے پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ ایک کھوجی کرز بن علقمہ نے کہا یہاں سے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ دُوسرے نے کہا غار میں چل کر بھی دیکھ لیا جائے، مگر امیہ بن خلف نے کہا "یہاں کیا پاؤ گے؟ اس غار پر تو مکڑی کا جالا محمدؐ کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلُوم ہوتا ہے۔

اس وقت ابُوبکرؓ غار کے دھانے پر کھڑے ہونیوالوں کے پاؤں دیکھ رہے تھے اور اسی موقع پر حضرت ابُوبکرؓ نے دشمنوں کو عین غار کے دھانے پر کھڑا دیکھ کر حضُور سے عرض کیا "یارسول اللہ، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا" حضُور نے پورے اطمینان کے

ساتھ جواب دیا کہ " اے ابُوبکرؓ گھبرائیے نہیں! ہم دونوں کے ساتھ ہمارا تیسرا ہمراہی اللہ ہے تعاقب کرنے والوں کا یہ گروہ بھی ناکام لوٹ گیا۔

چنانچہ تین دِن کی تلاش وجستجو کے بعد کفار مکہ کو یقین ہوگیا کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے آس پاس موجُود نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عام اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کو پکڑ لائے یا قتل کر دے اُسے دونوں کی دیت یعنی سو سو اُونٹ دیا جائے گا۔

دُنیا کی تاریخ بدل ڈالی۔

تیسرے روز جب محسوس ہوا کہ مشرکین قدرے سکون پذیر ہو گئے تو عبداللہ بن اریقط وعدہ کے مطابق دونوں اونٹنیاں جو اس کی تحویل میں تھیں لے کر تیسری رات کے آخری حصے میں غار ثور پر پہنچ گیا، ٹھیک وقت پر حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ بھی زادِ راہ ایک تھیلے میں لیے ہوئے پہنچ گئیں مگر اس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانے کا انہیں خیال نہ رہا۔ انہوں نے اپنا نطاق (وہ کپڑا جو اس زمانے میں خواتین کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا، اور اس سے تھیلے کو باندھ دیا۔ اسی بنا پر حضرتِ اسماءؓ کو ذات النطاقین (دو نطاقوں والی) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اُونٹنی پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے دُوسری پر حضرتِ ابُوبکرؓ تھے اور انہوں نے خدمت کے لیے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ آگے آگے عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ اس طرح اس عظیم الشان سفر ہجرت کی ابتدا۔ ہوئی جس نے دُنیا کی تاریخ بدل ڈالی غار ثور سے اس مُبارک قافلے کی روانگی ۴ ربیع الاوّل کو پیر کے دِن ہوئی اور یہ قافلہ بحر احمر کے ساحلی راستے سے مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ پاسبان بن گیا۔

قریش کی طرف سے حضُور کی گرفتاری یا قتل کے لیے سو سو اونٹ کا انعام بہت سے لوگوں کے لیے لالچ کا باعث تھا اور کئی لوگ تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ سراقہ بنی مدلج کا رئیس تھا اور قدید کے قریب اس کا علاقہ واقع تھا، وہ مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے بتایا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ

گذر رہا تھا لگتا تھا شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، سراقہ نے کہا نہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ تو فلاں فلاں تھے۔ پھر کچھ دیر بعد خاموشی سے گھوڑے پر سوار ہوکر اور کسی کو بتائے بغیر آپ کے تعاقب میں نکلا تاکہ کہیں انعام میں بستی کے دوسرے لوگ شریک نہ ہو جائیں اور عین اس وقت جب کچھ سفر آپ کر چکے تھے۔ اس نے نبی اکرمؐ کو دیکھ لیا، تو گھوڑا دوڑا کر آپ کے قریب آگیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا، سراقہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا تو گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا۔ حالانکہ آپ کا قافلہ اس وقت سخت زمین پر سے گذر رہا تھا۔

چنانچہ اس نے فال کے تیر اپنے ترکش سے نکال کر فال دیکھی تو جواب میں "نہیں" نکلا لیکن سراقہ اسکی پرواہ کئے بغیر انعام کے لالچ میں پھر آگے بڑھا تو گھوڑے میں چلنے کی سکت نہ پائی، سراقہ نے پھر فال نکالی تو اس کی خواہش کے خلاف نکلی۔ اب تو سراقہ سخت پریشان اور خوفزدہ ہوگیا اور سمجھ گیا کہ رسولِ خدا کامیاب ہو کر رہے گا۔

اس نے لاچار ہوکر دور سے التجا کی کہ "میں سراقہ بن جعشم ہوں اور خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، خُدا کے لیے مجھے اِس مصیبت سے نجات دلائیں اور امان دیں"

کمال شفقت و مہربانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مُعاف فرمایا بلکہ تحریری امان بخشی، عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھ دی اور ساتھ ہی سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہننے کی بشارت بھی عطا فرمائی، جو عمر فاروقؓ کے زمانے میں سراقہ نے پہنے۔

سراقہ نے عرض کیا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیجئے جو کچھ آپ چاہیں" حضورؐ نے فرمایا "بس اپنی جگہ پر ٹھہرو اور کسی کو ہم تک نہ پہنچنے دو"۔

اس طرح جو شخص چند لمحے پہلے دشمنِ جاں تھا وہ پاسباں بن گیا۔ چنانچہ اس کے بعد جو بھی حضورؐ کے تعاقب میں آتا اس سے سراقہ کہتا کہ واپس جاؤ میں نے اطمینان کر لیا ہے وہ اِدھر نہیں ہیں۔

میں خود حاضر کر دیتی۔

سفر جاری رہا، وادی امج اور وادی قدید سے ہوتے ہوئے ابنِ اریقط کی رہنمائی میں اب وادی خرار

کی جانب یہ چھوٹا سا قافلہ چلا جا رہا تھا، پیاس اور بھوک محسوس ہوئی تو قافلہ رکا۔

یہیں بنو خزاعہ کی ایک بڑھیا اُم معبد کا خیمہ تھا۔ اُم معبد یہاں سے گذرنے والے مسافروں کی خبرگیری اور خدمت میں بہت مشہور تھی، رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی جب وہاں پہنچے تو وہ اپنے خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی، زمانہ قحط کا تھا جس سے سارا علاقہ بُری طرح متاثر تھا حضرتِ اُبوبکر صدّیق نے کہا کھانے پینے کی جو چیز بھی تمہارے پاس ہو ہمیں دے دو، ہم اس کی قیمت ادا کرینگے۔

اس نے کہا "اگر کوئی شے بھی موجُود ہوتی تو آپ کے کہنے سے پہلے میں خُود حاضر کر دیتی" اتنے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں کھڑی تھی، حضور نے پوچھا "معبد کی ماں، یہ بکری کیسی ہے؟" اس نے کہا یہ بے چاری اپنی لاغری اور کمزوری کی وجہ سے دُوسری بکریوں کے ساتھ چرنے نہ جا سکی، آپ نے پوچھا "یہ کچھ دُودھ دے سکتی ہے؟" اس نے کہا "یہ اِس سے زیادہ نڈھال ہے کہ دُودھ دے سکے"۔ فرمایا "کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ مَیں اس کا دُودھ دوھ لوں"، بڑھیا نے کہا اگر آپ اس میں کچھ بھی دُودھ پائیں تو ضرور نچوڑ لیں۔

آپ نے دُعا فرمائی اور بسم اللہ پڑھ کر بکری پر ہاتھ پھیرا اور دُودھ دوھنا شروع کیا، بکری نے ٹانگیں پھیلائیں۔ جگالی کرنے لگی اور دُودھ کی دھار اس کے تھنوں سے بہ نکلی، حضُور نے بڑا برتن منگایا۔ آپ دُودھ دھوتے چلے گئے یہاں تک کہ برتن لبالب بھر گیا آپ نے پہلے اُم معبد کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا اور جب سب سیر ہو گئے تو آخر میں آپؐ نے خُود پیا اور "لوگوں کو پلانے والا خُود آخر میں پیتا ہے" اس کے بعد دوبارہ آپؐ نے اس برتن کو دُودھ سے بھر کر معبد کی ماں کے حوالے کیا اور یہ فرما کر آگے روانہ ہو گئے کہ یہ دُودھ معبد کے باپ کو دے دینا جب وہ آئے۔

خدا کی قسم! ایک مبارک آدمی کا گذر یہاں سے ہوا ہے۔

ام معبد کے گھر میں دُودھ کے برتن بھرے ہوتے تھے کہ ام معبد کا شوہر آ گیا وہ برتنوں کو دُودھ سے بھرے دیکھ کر ششدرہ گیا، اس سے پوچھا "اتنا سارا دُودھ کہاں سے آ گیا؟" ام معبد نے کہا "خُدا کی قسم ایک مبارک آدمی کا گزر یہاں سے ہوا ہے" اس نے یہ کچھ کہا پھر اس نے سارا واقعہ اپنے

شوہر کو سُنایا،

اس نے کہا ذرا اس کا حُلیہ تو مجھے بتا۔ وہ کہنے لگی۔

" میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن وجمال نمایاں تھا، چہرہ روشن تھا، اخلاق پاکیزہ تھے بدن بھاری تھا نہ نحیف، خوبصورت اور خوش اندام تھا، آنکھوں میں گہری سیاہی تھی، پلکیں لمبی تھیں، آواز بلند تھی مگر کرخت نہ تھی، آنکھوں کی پتلیاں بہت سیاہ اور ڈھیلے بہت سفید تھے، آنکھوں کے کوئے سیاہی مائل تھے، بھویں نہ ایک دُوسرے سے بالکل الگ تھیں نہ بالکل ملی ہوئی بلکہ درمیان میں ہلکے ہلکے بال تھے اور بھنوؤں کے کنارے باریک تھے۔ بال نہایت سیاہ تھے۔ لمبی گردن، ڈاڑھی گھنی تھی خاموش ہوتا تو اس کا وقار نمایاں تھا، بولتا اور معلوم ہوتا کہ اس کی آواز گرد و پیش پر چھا گئی ہے، شیریں کلام واضح الفاظ، گفتگو جیسے زبان سے موتیوں کی لڑی سلسلہ وار نکلتی چلی آر ہی ہے، نہ کم گو تھا نہ باتونی، دُور سے سنو تو اس کی آواز سب سے زیادہ بلند مگر خوش آہنگ محسوس ہوتی اور قریب سے سنو تو بہت شیریں اور لطیف محسوس ہوتی تھی، میانہ قد نہ ایسا دراز کہ بدنما نظر آئے اور نہ اتنا پستہ قد کہ کوئی نگاہ اس سے بلند تر کی طرف متوجہ ہو۔ اس پر جان دینے والے رفقا اسے گھیرے رہتے تھے، جب وہ کچھ کہتا تو چپ چاپ سنتے ہیں اور اس کے حکم پر دوڑ پڑتے ہیں۔ وہ مخدوم تھا وہ مطاع تھا، نہ ترش رو تھا اور نہ درشت کلام"

ابو معبد یہ سُن کر بول اٹھا کہ خُدا کی قسم یہ تو وہی صاحب قریش تھے۔ جن کا ذکر ہم سنتے رہتے ہیں، اگر میں اُن سے ملتا تو اُن کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا اور اب موقع ملا تو میں ضرور اس کی کوشش کروں گا، ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان دونوں نے بھی ہجرت کی اور مدینہ پہنچ کر مُسلمان ہو گئے۔

سات راتیں صحرا کی تہ پر

یہاں سے قافلہ پھر آگے چل پڑا، جب وادی غزار سے آگے جحفہ کی سرحدوں سے ملتے ہوئے علاقے میں پہنچا تو قبیلہ بنو سہم کا ایک سردار بریدۃ بن الحفیب الاسلمی بھی اپنے ستر مسلح آدمیوں کے ہمراہ

انعام کی لالچ میں آپ کے سامنے آیا۔ لیکن جب آپ سے ہم کلام ہوا تو آپ کی معجز بیانی کے اثر سے آپ پر حملہ آور ہونے کی بجائے مُسلمان ہوگیا اور تھوڑی دیر پہلے جن نیزوں کی انی کو مقدس خُون سے رنگنا چاہتا تھا۔ اب وہ اس پر پگڑی کا علم بناتے ہوئے اپنے مُسلمان ہونے اور عظمتِ دینِ قیم کا اعلان کر رہا تھا۔

آوازِ نے لمحوں میں سفر طے کیا

محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے رفیق نے اس شدید گرمی میں ثنیۃ المرۃ سے ہوتے ہوئے ثنیۃ الغائر المعروف بہ ریب الغائر کی طرف رُخ کیا، وادی مدلجہ مجاح اور مرجح مجاح سے ہوتے ہوئے الاجرد اور جبل ثاقل سے وادی العبابیب کو منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے القاحہ اور پھر العرج سے گذر رہے تھے۔ دھوپ کی شدت سے صحرا کی ریت آگ کے شعلے بنی ہوئی تھی۔ پورے راستے میں دھوپ سے سر چھپانے کو سایہ اور نہ کبھی اونچے مقام پر کوئی سایہ دار شے نظر آتی تھی نہ کہیں کسی ایسی محفوظ جگہ کی توقع کہ اگر دشمن اچانک سر پر آ پہنچے تو اس کی اوٹ میں خُود کو اس حملے سے بچا سکیں سوائے صبر و رضا کے جو اللہ تعالیٰ نے اِن کے دِلوں میں سمو دیئے تھے یا ایمان کی اس سربلندی کی بدولت جو اس وحی کی بدولت نصیب ہوئی جسے خُدا تعالیٰ نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمایا۔

مسافر اسی طرح لگاتار سات دِن دھوپ کی جھلسا دینے والی تمازت میں چلتے رہے اور اسی طرح پوری سات راتیں صحرا کی تہہ پر ان کا سفینہ ریت کے دھارے پر چلا کیا وہ شب کی تاریکی میں تاروں کی جھلملاہٹ سے خُود کو تسکین دیتے کہ اِک نہ اِک روز ہماری دعوت بھی ظلمتوں کی ان تاریکیوں میں اسی طرح چمکے گی۔

اور آخر کار یہ قافلہ مدینہ مُنورہ سے پانچ کلومیٹر دور وادی مریم میں داخل ہوگیا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مکہ سے نکلنے کی اطلاع مدینے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مُسلمان روز صبح کے وقت نکل کر مکے کے راستے پر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک کہ

دھوپ کی تپش ناقابلِ برداشت نہ ہو جاتی ، پھر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے ، مہاجرین آپ کی آمد میں دیر لگنے سے پریشان تھے ۔

یہ اس بات کی اوّلین علامت تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنا محبُوب وطن چھوڑ کر کسی پناہ گزین کی طرح ایک نئی جگہ تشریف نہیں لے جا رہے تھے ۔ بلکہ اللہ کے فضل سے آپ کو مقامِ ہجرت وہ مِلا تھا جہاں کے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھانے کے لیے بے تاب ہیں ۔

۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کا دِن تھا ، دوپہر کا وقت تھا ، انصار اور مہاجرین حضوؐر کا انتظار کر کے گھروں کو جا چکے تھے ۔ جب آپ ساتھیوں کے ہمراہ قبا میں پہنچے جو مدینے کی نواحی بستیوں میں مشہور ترین بستی تھی ۔

اِس وقت ایک یہودی نے جو اپنی گڑھی کے اوپر کسی کام کے لیے چڑھا ہوا تھا ، جوں ہی آپ پر اس کی نظر پڑی تو بے ساختہ انتہائی بلند آواز سے پکارا " اے بنی قیلہ ، یہ تمہارے سردار آ پہنچے جس کا تم شدت سے انتظار کر رہے تھے "۔

وادیٔ قبا ـــــ مدینہ منوّرہ کے جنوب کی طرف تین میل دُور ہے آواز نے لمحوں میں سفر طے کیا ، یہ سنتے ہی بنی عمرو بن عوف نے ، جو قبا میں آباد تھے ، بیک زبان نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہتھیاروں سے سج کر آپ کے استقبال کے لیے چل پڑے ۔ ادھر نبیٔ اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ اپنی سواریوں سے اُتر کر کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہو گئے ۔ انصار کا ہجوم بڑے جوش و خروش کے ساتھ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ۔ لوگ پروانوں کی طرح اُڑ کر پہنچنا شروع ہو گئے لیکن بعض انصار کو ابھی تک شرفِ زیارت نصیب نہیں ہوا تھا ۔ اس لیے وہ جانتے نہ تھے کہ دونوں ملجیوں میں سے رسُول اللہ کون ہیں ، دھوپ حضور تک پہنچنے لگی تو حضرت ابُوبکر نے اُٹھ کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کر دیا ۔ تو پھر ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ رسُول اللہؐ کون ہیں ، انصار کے بچے ، جوان ، بوڑھے ، مرد

اور خواتین کے دِل و دماغ ، جسم اور زبانیں ہی نہیں بلکہ ان کی روحیں بھی والہانہ محبت وعقیدت و خلوص اور ادب بھری نگاہوں سے چہرہ مُبارک کا طواف کر رہی تھیں ۔

سُورج بالکل ڈھل گیا تو قبا کے ممتاز خاندانِ انصار کے ایک خوش نصیب انصاری کلثوم بن ہدم کو اپنے غریب خانہ میں شرف میزبانی نصیب ہوا ، لیکن عام نشست کے لیے اُبو سعد بن خشیمہ کا مکان تجویز کیا گیا ۔ کیوں کہ بال بچّوں والے نہ تھے ان کا پورا گھر مردوں کے لیے کھُلا ہوا تھا ۔
اس قیام کے زمانہ میں آپؐ نے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی ، یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں بنائی گئی اور پہلی مسجد تھی جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو علانیہ نماز با جماعت پڑھائی ۔

اسی زمانے میں حضرتِ علیؓ مکہ سے حضُور کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام کیا ، وہ مکّہ میں تین دِن ٹھہرے اور اہلِ مکّہ کی وہ تمام امانتیں واپس کیں جو حضُور کے پاس رکھی ہوئیں تھیں اس کے بعد انہوں نے مکہ سے ہجرت فرمائی ۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ قبا میں حضُورؐ کا قیام کتنے دِن رہا ، بہر حال مختلف روایات کو پیش نظر رکھ کر ۱۴ دِن ، ۱۸ دن ، دس دن ، ۲۲ دِن ، ۴ دن کے بعد حضُورؐ جُمعہ کے روز دِن چڑھے قبا سے روانہ ہوئے ۔ بنی سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے ہی تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا ۔ آپؐ وہاں اترے اور اِن کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی ایک سو آدمی اس نماز میں شریک تھے اور یہ پہلا جُمعہ تھا جو حضُور کی امامت میں پڑھایا گیا ۔ بنی سالم کی یہ مسجد وادیٔ رانُونا میں تھی اور پہلے مسجد غُبیب کہلاتی تھی ۔ حضُورؐ کے وہاں جُمعہ پڑھانے کے بعد مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہو گئی اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے ۔ مدینہ سے قبا جاتے ہوئے یہ راستہ کے بائیں جانب ملتی ہے ۔

بے تابانہ نگاہیں متلاشی تھیں۔

نماز جمعہ کے بعد جب حضور مدینے جانے کے لیے تیار ہوئے تو بنی سالم کے لوگ حضرت عتبان بن مالک اور حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نصلہ کی سربراہی میں سامنے آئے اور آپ کی اونٹنی کی نکیل تھام کر انہوں نے عرض کیا " یارسول اللہ آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیں ہم تعداد میں بھی کافی ہیں جنگی سروسامان بھی رکھتے ہیں اور دفاع کی طاقت بھی۔

حضورؐ نے فرمایا، میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیوں کہ مامور ہے، مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ کے حکم سے چل رہی ہے اور اسی جگہ جاکر ٹھہرے گی، جہاں ٹھہرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ آگے چلے تو بنہ بیاضہ، بنی ساعدہ، بنی الحارث، بنی عدی بن نجار کے محلے راستے میں آئے پورے مدینہ شہر کے لوگ حضورؐ کے استقبال کے لیے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اور اونچی جگہوں پر چڑھ کر آپؐ کو دیکھنے کے لیے بے تابانہ نگاہیں متلاشی تھیں اور شہر کے ہر محلے اور ہر گوشے میں آگئے نبی اللہ، آگئے رسول اللہ کی آوازیں گونج رہی تھیں، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے ایسا روشن اور شاندار دن نہیں دیکھا،

اہل مدینہ استقبال کے لیے اُمڈتے چلے آرہے تھے، ہر محلے کے قبیلوں کے لوگ اپنے سرداروں کی پیشوائی میں سامنے آکر اپنے ہاں قیام کے لیے عرض کرتے رہے اور آپ ان سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ مامور ہے حضور نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی اور آپ اسے ہلکا سا اشارہ بھی نہیں فرمارہے تھے وہ کدھر جائے اور کہاں ٹھہرے۔ جب وہ بنی مالک نجار کے محلے میں پہنچی تو ٹھیک اسی جگہ جاکر بیٹھ گئی۔ جہاں آج مسجد نبوی ہے اور بعض روایات کے مطابق منبر رسول ہے۔ مگر حضور اس پر تشریف فرما رہے۔ وہ پھر اٹھی اور کچھ دور چل کر پھر اسی جگہ پلٹ آئی اور وہاں ٹک گئی۔ تب حضورؐ اس پر سے اترے۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا گھر بالکل سامنے ہی تھا۔ وہ حاضر ہوئے اور آپ کا سامان اتار کر اپنے گھر میں لے گئے۔ اور آپ نے انہی کے ہاں قیام فرمایا۔

اہل مدینہ نے تو بے پناہ عقیدت و محبت، کے ساتھ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، لیکن مدینہ شہر

ئیں آپ کا استقبال جس جوش وخروش اور جس والہانہ انداز میں ہوا وہ بے نظیر تھا۔ عرب میں نہ اس سے پہلے کبھی کسی کا ایسا استقبال ہوا تھا نہ اس کے بعد ہوا،

دیواروں، درختوں اور چھتوں پر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے تھے۔ اہلِ مدینہ کو کبھی اس قدر خوش وخرم نہیں دیکھا گیا تھا جس قدر حضورؐ کی تشریف آوری کے دن وہ خوش تھے، خواتین اور بچیاں چھتوں پر چڑھ کر یہ گیت گا رہی تھیں۔

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوگیا وداع کی پہاڑیوں سے ہم پر شکر واجب ہے، جب تک کوئی اللہ کو پکارنے والا باقی رہے۔

"اے ہمارے ہاں معبوث ہونے والے، تو وہ منصب لے کر آیا ہے جو واجب الاطاعت ہے

اتنا ایثار کیا

آپؐ نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ تمام امتیازات اور فخر و تکبر کو ختم کیا اور مہاجرین و انصار کے درمیان رشتۂ اُخوت پیدا کیا۔

آپؐ نے دونوں گروہوں کے افراد کو یکجا کیا اور ایک مہاجر کا ہاتھ پکڑ کر ایک انصار کے ہاتھ میں دیا اور ان دونوں کو آپس میں بھائی بنا دیا۔ یہ رشتہ صرف نظریاتی اور زبانی طور پر نہیں تھا بلکہ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اتنا ایثار کیا کہ جس کے پاس دو مکان تھے۔ اس نے ایک اپنے بھائی کو دے دیا، نصف دولت مہاجر بھائی کو دے دی، باغات تقسیم، زمین کی تقسیم یہاں تک کہ جن انصار کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر مہاجر بھائیوں کے گھر آباد کرنے کی پیشکش کر دی۔

یہی نہیں بلکہ آپؐ نے انصار کے دو مشہور قبائل، اوس و خزرج جو ہمیشہ سے آپس میں برسرپیکار رہتے تھے، انہیں بھی رشتہ و محبت و اُخوت میں ایسا پرو دیا کہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار کے تمام مُسلمان ایک جماعت حزب الٰہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

جنگِ بدر

اسے بلاشبہ تاریخ عالم کی نہایت اہم اور تاریخ ساز
جنگوں میں شمار کیا جا سکتا ہے

کفار کے لیے آخری راستہ

مہاجرین اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ انصار لڑائی کے معاملہ میں ابھی ناتجربہ کار تھے۔

لشکر کفار انتہائی جوش اور شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوا کہ اب مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالنا چاہیے

حضرت مقداد بن عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! جدھر آپ کا رب حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے
ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم لوگ آپ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے
پیچھے سے جانیں لڑا دیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضورؐ کا ارشاد ہماری طرف ہے؟ قسم ہے
اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! آپؐ حکم فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں اور
ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔"

تم اسے مار ڈالو یا مدینہ سے نکال باہر کرو ! ورنہ

مدینہ میں مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منتقل ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب اسلام کو ایک ٹھکانا میسر آ گیا تھا۔ اور اب وہ مسلمان جن کی صداقت، صبر و استقامت کا بار بار امتحان ہو چکا تھا ایک منظم جماعت کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ قریش کے لیے یہ ایک شدید خطرہ تھا۔ اب انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسلامی جماعت کا اس طرح منظم ہو جانا دراصل ان کے جاہلی نظام کے لیے موت کا پیام ہے۔ اس کے علاوہ ایک سخت خطرہ اور تھا جس نے انہیں انتہائی بے چین کر رکھا تھا۔ مکے والوں کی کمائی کا بڑا دارومدار یمن اور شام کی تجارت پر تھا۔ شام کو تجارت کا جو راستہ بحر احمر کے کنارے کنارے جاتا تھا۔ مدینہ عین اس راہ پر تھا۔ مدینے میں مسلمانوں کے طاقت پکڑنے کا مطلب یہ تھا کہ ملک شام سے قریش کی تجارت کا دارومدار یا تو مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے پر تھا یا پھر اس راستے سے تجارت کا مال صرف اس صورت میں جا سکتا تھا کہ مدینے میں مسلمانوں کی طاقت کو آخری طور پر کچل دیا جائے۔

اسی وجہ سے بیعتِ عقبہ کی خبر پاتے ہی قریش میں کھلبلی مچ گئی پہلے تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس میں وہ ناکام ہو گئے، پھر انہوں نے مکے سے مسلمانوں کی ہجرت کو روکنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں اختیار کر لیں۔ مگر وہ چند ہی لوگوں کو روک سکے اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مدینہ پہنچ گئی۔ اور جب قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں منتقل ہو جائیں گے۔ تو قریش کے سرداروں نے مجلسِ شوریٰ میں متفقہ طور پر آخری فیصلہ کیا کہ اب حضورؐ کو قتل کر دیا جائے۔ ورنہ حالات ہمارے بس سے باہر ہو جائیں گے۔ لیکن خدا کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا پر یقینِ کامل اور حسن تدبیر سے ان کی یہ چال ناکام ہو گئی اور

حضورؐ بخیریت مدینہ پہنچ گئے اور اب جب کفار کی تمام تدبیریں ناکام ہوگئیں تو پھر ایک مرتبہ آخری فیصلہ کیا گیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اس اُبھرتے ہوئے خطرے کو ہمیشہ کے لیے دبا ہی ڈالنا چاہیئے ۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینے پہنچ گئے تو چند روز ہی بعد قریش مکہ نے عبداللہ بن اُبی کو ایک خفیہ خط لکھا ۔

"تم لوگوں نے ہمارے آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور ہم خُدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اسے مار ڈالو یا مدینہ سے نکال باہر کرو۔ ورنہ ہم سب مل کر تمہارے خلاف چڑھائی کریں گے اور تم کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لیے سامانِ عشرت بنائیں گے۔"

عبداللہ بن اُبی مدینے کا ایک سردار تھا ۔ ہجرت سے پہلے اہلِ مدینہ اسے اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں لیکن حضورؐ کے مدینے پہنچ جانے اور مدینہ کے دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کی اکثریت کے مُسلمان ہو جانے سے اس کی آرزوؤں اور تمناؤں پر پانی پھر چکا تھا ۔ یہ خط عبداللہ کی ٹوٹی ہوئی اُمیدوں کا کچھ سہارا بنا وہ اپنی محرومی اقتدار کا انتقام لینے کے لیے اس پر تل گیا کہ قریش کی خواہش کو پُورا کر دیا جائے اسے اندازہ تھا کہ تحریک اسلامی کے مقابلے پر مدینہ کے باسیوں میں شر پسندوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے ۔ لیکن یہ راز بہت کھل گیا اور حضورؐ مطلع ہو گئے ۔ آپ خود عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے اور اسے سمجھایا کہ تم لوگوں کے اپنے ہی بیٹے ۔ بھتیجے اور بھانجے اپنی پوری قوت اور جرأت کے ساتھ دینِ حق کی علمبرداری کر رہے ہیں اور اگر کوئی صُورتِ حال پیدا ہوئی تو تم دیکھو گے کہ تمہاری ہی اولادیں تمہارے مقابلے میں کھڑی ہیں ۔ تمھیں اپنے ہی بچوں سے لڑنا ہوگا ، عبداللہ بن اُبی کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور وہ اپنے منصوبے سے باز آ گیا ۔

راتوں کو جاگ جاگ کر

اسی زمانے کی بات ہے کہ سعد بن معاذ جو مدینہ کے قبیلے اوس کے سردار تھے، عمرہ کرنے کے لیے مکہ گئے۔ وہاں عین حرم کے دروازے پر ابوجہل نے اُن کو ٹوک کر کہا "تم تو ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور اُن کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمھیں اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں؟

"خدا کی قسم اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو زندہ یہاں سے نہیں جا سکتے تھے۔"

سعد نے جواب میں کہا "بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمھیں اس چیز سے روک دوں گا جو تمھارے لیے اس سے شدید تر ہے" (یعنی مدینہ پر سے تمھاری رہگذر)

یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے اور اس کا جواب اہلِ مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شامی تجارت کا راستہ مخالفین اسلام کے لیے پُرخطر ہے اس وقت مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستہ سے وابستہ تھا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی مخالفانہ اور لڑائی جھگڑے کی پالیسی پر نظرثانی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔

چنانچہ مدینہ میں آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور ساحل بحر احمر کے درمیان اس شاہراہ سے متصل جو یہودی قبائل آباد تھے اُن سے مذاکرات کیے تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم طرفداری کے معاہدے کرلیں چنانچہ اس میں آپ کو پوری کامیابی ہوئی۔ اور قریش اپنے اس احترام اور اثر و رسوخ کو جو اسے حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب میں حاصل تھا اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہا تھا اور نہ صرف دیگر کئی قبائل کو جو اس کے زیرِ اثر تھے اسلام کا مخالف بنا دیا تھا بلکہ انہیں مدینہ میں حضُور کے پاس آنے سے بھی روکتا تھا، قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا تھا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مُدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا، آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا چنانچہ حضرت سعد بن وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا، تب آپ نے آرام فرمایا،

کمانڈر کی حیثیت سے۔

ان حالات میں آپ کے لیے بہت ضروری ہو گیا کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ عزور تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں۔

چنانچہ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں بھی آپ نے کمانڈر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقے اور کمال حکمت اور خوبی سے نبھایا۔ اور قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لیے اس شاہراہ پر چھوٹے دستے بھیجنے شروع کئے اور بعض دستوں کے ساتھ آپ خود بھی تشریف لے گئے ان تمام مہموں میں نہ تو کبھی کشت و خون ہوا اور نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مہموں کا مقصد قریش پر یہ واضح کر دینا تھا کہ وہ ایسا جو کچھ بھی قدم اٹھائیں یہ سوچ کر اٹھائیں کہ ہوا کا رخ کدھر ہے اگر وہ مسلمانوں کو تنگ کریں گے۔ تو انہیں بھی اپنی تجارت سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔

ہجرت کے چار چھ ماہ بعد علاقوں میں حسب ذیل دستے روانہ کئے گئے۔

۱۔ امیر حمزہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ۳۰ آدمیوں کا دستہ سیف البحر کی جانب دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ابوجہل تین سو آدمیوں کے ساتھ مکہ سے نکلا تھا۔ لیکن مسلمانوں کو چوکنا پاکر لوٹ گیا۔

۲۔ ۶۰ سپاہیوں پر مشتمل دستہ زیر عبیدہ بن حارث کی کمان میں جو رمضان ۱ھ اہل مکہ کے فوجی حالات معلوم کرنے کو بھیجا گیا۔ دشمن کے ۲۰۰ آدمی عکرمہ یا ابوسفیان کی سرکردگی میں ثنیۃ المرۃ کے مقام پر موجود پائے گئے۔ گشت لگاکر یہ دستہ سلامتی سے واپس آیا (شوال ۱ھ)

۳۔ سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں ۸۰ افراد کا دستہ قریش کی سرگرمیوں کا پتہ چلانے کے لیے جحفہ تک بھیجا گیا۔ یہ لوگ بغیر کسی واردات کے واپس آ گئے۔ (ذی قعدہ ۱ھ)

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ۷۰ افراد کو لے کر ابوار کے علاقے میں تشریف لے گئے جہاں سے قریشی شاہراہ تجارت گذرتی تھی۔ حضور عمرو بن فحش ضمری سے معاہدہ کر کے بغیر کسی تصادم کے واپس

آ گئے ۔ ۲ھ صفر ۔

۵ ۔ حضور نے خود ۲۰۰ سپاہیوں کو لے کر بواۃ کی جانب اقدام کیا ۔ راستہ میں اُمیہ بن خلف کی سرکردگی میں سو افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ ملا ۔ مگر کوئی تعرض نہیں کیا گیا ۔ ربیع الاوّل ۲ھ

جنگی کارروائیوں کا آغاز کیے قریش کو کافی عرصہ گذر چکا تھا ۔ لیکن ابھی تک وہ اپنے عزائم میں کوئی خاص کامیابی نہ حاصل کر سکے تھے اور حالات اب قریش کے مخالف جا رہے تھے ۔ مکہ کے گرد و نواح میں ان کا وقار بھی گرنا شروع ہو گیا تھا جس کی بناء پر قریش کے حلیفوں اور دوستوں کی تعداد میں کمی ہونے لگی تھی ۔ چنانچہ قریش نے ایک غیر معمولی قدم اُٹھایا کرز بن جابر نے ایک تیز رفتار دستے کے ساتھ پانچ سو کلومیٹر سے آکر مدینہ کی حدود میں ڈاکہ ڈالا اور رات کی تاریکی میں مدینہ کے باہر کھیتوں اور باغوں کو نقصان پہنچایا ۔ حضور کے مویشی ، سرکاری اُونٹ اور دُوسرے لوگوں کے جانور ہانک کر لے گیا ۔ اطلاع ملنے پر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مہاجر اصحاب کا دستہ تیار کیا اور کرز بن جابر کا تعاقب وادی صفوان تک کیا جو بدر کے قریب ہے اس مناسبت سے یہ غزوہ بدر الاولیٰ کے نام سے مشہور ہے کرز بن جابر غیر معروف راستوں سے ہوتا ہوا بچ کر نکل گیا ۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضور دو سو مہاجرین کے ساتھ ذوالعشیرہ تشریف لے گئے اور وہاں بنو مدلج اور بنی ضمرہ سے معاہدہ کیا ۔

ایک بند خط دیا ۔

اس دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالات سے برابر باخبر رہنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے ۔ تاکہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ قریش کس قسم کے منصوبے بنا رہے ہیں ۔ چنانچہ ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا یہ مقام مکے اور طائف کے درمیان واقع ہے ۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک بند خط دیا اور فرمایا کہ اسے دو دن سفر

کر لینے کے بعد کھولنا۔ حضرت عبداللہ روانہ ہو گئے دو دِن کے سفر کر لینے کے بعد انہوں نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا "مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر قیام کرنا، مکی نقل و حرکت کا پتہ چلانا اور کسی قسم کی لڑائی یا چھاپہ وغیرہ کی کوشش نہ کرنا" چنانچہ انہوں نے تحریری احکام کے مُطابق سفر جاری رکھا اور مکہ کے جنوب میں نخلہ کے مقام پر جا کر رُکے تاکہ انکی نقل و حرکت معلُوم ہو سکے، اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لے کر آ رہے تھے۔ نخلہ کے مقام پر آکر رُکے حضرت عبُداللہ نے اُن پر حملہ کیا اُن میں سے ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

امیر دستہ جناب عُبداللہ اپنے ہمراہ قریش کے دونوں قیدیوں اور اُن کا مال اسباب لے کر مدینہ واپس پہنچے اور رسُولِ خُدا کی خدمت میں پیش کیا، لیکن جب آپ کو علم ہوا تو آپ نے بہت ناراض ہو کر فرمایا۔ "مَیں نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی اجازت نہیں دی" آنحضرتؐ نے قیدیوں اور مال دونوں میں سے کسی چیز کو قبول نہ فرمایا۔ بعد میں حضُور نے قیدی چھوڑ دیئے۔ مقتول کا خُون بہا ادا کر دیا اور اپنے آپ کو بہ حیثیت سربراہ حکُومت کے اس حادثہ کی ذمہ داری سے بری قرار دیا۔

مگر قریش مکہ کو نفرت پھیلانے کا موقعہ مل گیا انہوں نے عرب میں چاروں طرف ڈھنڈورچی پھیلا دیئے جو چلاتے پھرتے کہ "جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں نے حُرمت کے مہینے میں ہم پر حملہ کر کے خون ریزی کی، ہمارے سامان کو لُوٹا اور آدمیوں کو قیدی بنا کے لے گئے"۔

مدینہ کے یہودیوں نے سُنا تو انہیں بھی مُسلمانوں پر حرمت والے مہینے کا الزام دینے کا موقعہ مل گیا تاکہ مُسلمانوں کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑکائی جا سکے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے پیغمبر لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو ماہ حُرمت، حُرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان سے کہدو! اس میں لڑائی کرنا بڑی بُرائی کی بات ہے مگر ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا نیز مکہ سے وہاں کے بسنے

والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بُرائی ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔
اور یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں دین سے پھیر دیں"

قرآن مجید مشرکین مکہ کے اس گلہ کو حق بجانب قرار دیتا ہے کہ حُرمت کے مہینوں میں جنگ و جدال حرام ہے" لیکن قرآن مجید کو خُود مشرکین سے جو شکوہ ہے اس کا جواب کیا ہے؟
جس گناہ کا شکوہ تمہیں ہے کچھ گناہ اس سے بھی تو زیادہ گھناؤنے ہیں۔ قریش جو آج عرب کے گھر گھر میں یہ منادی کر رہے ہیں کہ "مسلمانوں نے حُرمت کے مہینے میں قتل و غارت کا ارتکاب کیا ہے" ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بھی دیکھیں کہ انہوں نے حرمت کے مہینوں ہی میں مسلسل تیرہ سال تک مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے کون سا ظلم نہیں اُٹھا رکھا؟ کیا مشرکین اور قریش کے لیے دوسروں کو دین کی وجہ سے ستانا جائز ہے؟ اور خُود انہیں کفر پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے؟
کیا مسجد حرام کے پاسبانوں کو ان کے گھروں سے نکال دینا اُن کے لیے واجب ہے؟ اُن کے لیے جائز ہے کہ مسلمانوں پر دین کی وجہ سے کھانا پینا حرام کر دیں؟ وہ شخص کیوں کر مجرم ہو سکتا ہے جو اسی بیت اللہ کے پڑوس اور اسی حرم اور انہی حرمت والے مہینوں میں ان قریش و مشرکین کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو خود انہوں نے دُوسروں کے ساتھ روا رکھا؟ سب سے بڑا گناہ تو یہ تھا کہ کسی حرمت والے دن میں ایسے لوگوں کو ستایا جاتا جن کے دِلوں میں دوسروں کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ تک نہ ہو بلاشبہ فتنہ برپا کرنا ارتکاب قتل سے زیادہ بُرا ہے مگر جو قوم دوسروں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے میں آگے بڑھے لوگوں کو خُدا کی راہ سے ہٹانے کی مرتکب ہو اس کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے اور ایسی جنگ خُدا کی راہ میں متصور ہوگی کہ ایسے لوگ دوسروں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے سے رُک جائیں تاکہ خُدا کا دین فتح یاب ہو جائے!

سمجھوتے کی توقع بے سود ہیں۔

جناب عبداللہ بن جحش کے گشتی دستہ نے اسلام کا رُخ ایک نئی راہ کی طرف پھیر دیا۔ جس میں رؤسائے مکہ میں سے حضرمی کی موت حضرتِ عبداللہ کے تیر سے واقع ہو گئی۔ تاریخی طور پر مُسلمانوں کے ہاتھ سے یہ پہلا قتل ہوا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو خُدا وند کریم نے اجازت دے دی تو وہ پوری بہادری سے قریش کے مقابلے پر میدان میں آگئے۔ قریش جو سالہاسال سے مُسلمانوں کو ان کے دین کی بنا پر انہیں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ انہیں ان کے شہر سے نکال دیا تھا، ان کو خُدا کے گھر سے محرُوم کر دیا تھا اور کعبہ کی زیارت سے روکنے کے علاوہ ان کو خُدا کی راہ پر چلنے میں حائل رہے۔ ادھر قریش نے حضرمی کا قتل حرمت والے مہینے میں واقع ہونے کی وجہ سے تمام عرب کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقا کے خلاف مشتعل کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔

چنانچہ اس سے آنحضرتؐ کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ قریش مکہ سے سمجھوتے کی توقع بے سُود ہے مکی مدنی جنگ شروع کرنے والوں کو یہ احساس نہ تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخلی اور خارجی سطح پر خاطر خواہ انتظام کر سکیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے اب تک جو مہیں روانہ کی تھیں ان میں قریش نے اپنی پوری طاقت استعمال نہیں کی تھی۔ اب انہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ اِن کی غلط فہمی کی وجہ سے مدینہ دِن بدن طاقت پکڑتا جا رہا ہے۔ اور اگر مدینہ کے استحکام اَور دُوسرے قبیلوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی یہ رفتار جاری رہی تو عرب کا اچھا خاصہ حصہ مدینہ کا حلیف بن جائے گا۔ اور پھر نیا نظامِ زندگی قبول کرایا جائے گا۔ اس ضابطۂ حیات کو اسی وجہ سے وہ مدینہ سے باہر متعارف نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔

حتیٰ کہ اس کا حبشہ میں جڑیں پکڑ لینا بھی انہیں منظور نہ تھا۔ اب وہ مدینہ میں قائم ہو چکا تھا۔ اس کی اپنی ریاست تھی جس میں اسی نظامِ زندگی کا قانون نافذ ہو چکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس دین کے لانے والے کی حیثیت اب سربراہ مملکت کی تھی اور یہ سربراہ مملکت وہی تھا جسے وہ امین کا لقب دے چکے تھے اور پورا عرب اس کی دیانت،

امانت، سخاوت، صداقت اور شجاعت کو تسلیم کر چکا تھا۔ ان کے لیے آخری راستہ کھلا تھا کہ وہ اپنی پوری طاقت کو اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کریں اور اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔

چنانچہ قریش مکہ نے مدینہ کے ایک سردار عبداللہ بن اُبی کو ایک خط لکھا تھا۔

"تم لوگوں نے ہمارے آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) اپنے ہاں پناہ دی ہے اور ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اسے مار ڈالو یا مدینہ سے نکال باہر کرو ورنہ ہم سب مل کر تمہارے خلاف چڑھائی کر دیں گے اور تم کو قتل کر دیں گے۔ اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔"

ایک آخری فیصلہ اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا اور حضورؐ کو قتل کرنے کی کوشش ہجرت کی شب تک جاری رہی تھی۔

حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور حالات نے یکدم خطرناک صورت اختیار کر لی۔

کون بہادر ہے جو اپنے قافلے کو بچانے کے نکلے۔

قریش اب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ مگر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے قریش کو کثیر جنگی اخراجات کے بندوبست کرنے کے علاوہ بنو بکر کا تعاون حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ مکہ کے قریب بنو بکر کا قبیلہ تھا جس کے ساتھ مکہ کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ اگر قریش اپنی پوری طاقت لے کر مکہ سے باہر چلے جاتے تو خطرہ تھا کہ بنو بکر مکہ پر حملہ آور ہو کر مکہ کو نقصان پہنچائیں گے علاوہ ازیں مکہ سے مدینہ جانے کے لیے ہی لشکر کو بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے علاقوں سے ہو کر گذرنا پڑتا تھا اور یہ دونوں قبیلے مدینہ کے حلیف بن چکے تھے۔ ان کو مدینہ کی مدد کرنے سے روکنے کے لیے کوئی راستہ تلاش کرنا تھا۔ چنانچہ بنو بکر، بنو ضمرہ اور بنو مدلج کو خاموش رکھنے اور جنگی مصارف کے

لیے کثیر سرمائے کی فراہمی کا ایک ہی طریقہ قریش مکہ کی سمجھ میں آیا کہ قریش کا جو تجارتی قافلہ اپنے وقت پر شام جارہا تھا اس میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگا کر بہت منافع کمایا جائے اور اس آمدنی کے ذریعے بہت بڑا لشکر بھیج کر مدینہ کو تباہ کر دیا جائے ۔ اور اگر حالات و واقعات موافق ہوئے تو یہ موقع جنگ کے لیے بھی بہترین بہانہ بن سکے گا کیوں کہ اہل عرب کے ہاں تجارتی قافلوں اور تجارتی شاہراہوں کو آزادی دی گئی تھی ۔ اس لیے اگر قریش یہ ثابت کر سکتے کہ مدینہ ان کے قافلوں پر حملہ آور ہو رہا ہے ۔ تو بنو ضمرہ اور مدلج کے دو قبیلے مکی لشکر کے راستہ میں حائل ہونے سے احتراز برتیں گے اور بنو بکر مکہ پر حملہ آور نہ ہوں گے ۔

یہ حالات تھے کہ شعبان ۲ھ (فروری مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار دینار کا مال تھا ۔ مکہ کی تقریباً تمام آبادی نے اپنی پونجی اس تجارتی قافلہ میں لگا دی تھی اور مکہ کا شاید ہی کوئی گھر یا خاندان ہو جس نے اس قافلہ کے ذریعے شام سے سامان نہ منگوایا ہو ۔ اس کے علاوہ جنگی ساز و سامان بھی بھاری مقدار میں منگوایا گیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو سکے ۔ یہ تجارتی قافلہ بہت بڑا تھا ۔ مگر تیس چالیس سے زیادہ محافظ نہ تھے ۔

شام سے مکہ کی طرف واپسی پر جب مدینہ کے قریب والے علاقے میں پہنچا ۔ چونکہ مال زیادہ تھا محافظ کم تھے ۔ یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ مدینہ کے مسلمان کہیں حملہ نہ کر دیں ۔ قافلے کا سردار ابوسفیان تھا ۔ اس لیے اس نے اس علاقے میں پہنچتے ہی زرقہ کے مقام سے ضمضم نامی قاصد کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد لے کر آئے ۔

ضمضم نے مکہ پہنچ کر اپنی اونٹنی کے کان اور ناک کاٹ دیئے اس کا پالان الٹا کیا اور عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور بلند آواز سے چلانا شروع کیا " اے قریش! تمہارا قافلہ خطرے میں ہے ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت ابوسفیان پر حملہ کرنے کو ہے ۔ امید نہیں کہ تم اپنا مال بچا سکو ، کون بہادر ہے جو اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے ۔

اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہوگیا۔ ہر ایک نے اس قافلے کے ذریعے سامان منگوایا تھا اور اب اس کے لُٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، اہل مکہ کی ہمدردی حاصل ہو چکی تھی اور یہ ایک قومی مسئلہ بن گیا، ایک طرف مال بچانے کی خواہش دوسری طرف پُرانی دشمنی اور تعصب کا جوش، ان تمام حالات و واقعات سے قریش کو اپنے تجارتی قافلہ کے بچاؤ کے لیے لشکر لے جانے اور دیگر قبائل کو مطمئن کرنے کے لیے بہانہ مل گیا۔

چنانچہ اس پکار پر قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور تقریباً ایک ہزار جوشیلے جنگجو نوجوانوں کی ایک فوج تیار ہوگئی۔ ان میں سے ۶۰۰ سو زرہ پوش تھے اور سو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا، تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ان کے ساتھ تھے۔ یہ فوج انتہائی جوش اور شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی کہ اب مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالنا چاہیئے۔ ان کے پیشِ نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں اور مدینہ میں یہ مخالف قوت جو ابھی نئی نئی مستحکم ہو رہی ہے اسے پارہ پارہ کر دیں اور گرد و نواح کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کردیں کہ آئندہ کے لیے یہ تجارتی راستہ بھی محفوظ ہو جائے۔

اب وہ وقت آگیا ہے۔

ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حالات کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں۔ آپ نے محسوس فرمایا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اگر اس وقت قریش کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہوگئی اور انہوں نے اس جماعت کو نیچا دکھایا تو پھر اسلامی تحریک کے پنپنے کا سوال انتہائی مشکل ہو جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے اسلام کی آواز ہمیشہ کے لیے دب جائے۔ مدینہ میں آتے ہوئے ابھی دو سال بھی نہ ہوتے تھے۔ مہاجرین اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے اور خالی ہاتھ تھے۔ انصار لڑائی کے معاملے میں ابھی ناتجربہ کار تھے۔ یہودیوں کے بھی بہت سے قبیلے مخالفت پر آمادہ تھے۔ خود مدینے میں

منافقوں اور مشرکوں کی موجودگی ایک بڑا مسئلہ تھا۔ ایسے حالات میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر قریش مدینہ پر چڑھ آئے تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے اور اگر وہ حملہ نہ بھی کریں بلکہ اپنے زور سے قافلے کو بچا کر نکال کر لے جائیں تو بھی مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑ جائے گی کہ پھر آئندہ آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے دبا لینے میں کوئی اندیشہ باقی نہ رہ جائے گا اور وہ قریش کے اشاروں پر مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیں گے۔ ادھر مدینہ کے یہودی، منافقین اور مشرکین بھی سر اٹھائیں گے اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیں گے اس لیے آنحضرتؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اس وقت جو طاقت بھی میسر ہے اسے لے کر میدان میں نکلیں اور یہ فیصلہ ہو جائے کہ زندہ رہنے کی قوت کس میں ہے اور کس میں نہیں ؟

چنانچہ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور پورے حالات ان کے سامنے صاف صاف رکھ دیئے کہ ایک طرف مدینے کے شمال میں تجارتی قافلہ ہے دوسری طرف جنوب میں قریش کا لشکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی ایک انہیں مل جائے گا۔ بتاؤ تم کس کے مقابلے پر چلنا چاہتے ہو۔ جواب میں بہت سے صحابہ نے یہی خواہش ظاہر کی کہ قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تو کچھ اور ہی تھا اس لیئے آپ نے پھر اپنا سوال دھرایا۔

حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے اور حکم کی تعمیل کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا اور جانثارانہ تقریریں کیں۔

پھر مہاجرین میں سے مقداد بن عمروؓ نے اُٹھ کر کہا یا رسُول اللہ! جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں " کہ جاؤ تم اور تمہارا خُدا دونوں لڑیں۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم لوگ آپ کے دائیں سے بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے جانیں لڑا دیں گے"۔ آنحضرتؐ خوش ہوئے اور ان

کے لیے دُعا کی۔

مگر اس معاملے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے انصار کی رائے معلوم کرنا ضروری تھا۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو براہ راست مخاطب کر کے اپنا سوال دھرایا۔

اس پر حضرت سعدؓ بن مُعاذ اُٹھے اور عرض کیا" یا رسُول اللہ شاید آپؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے " ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں، وہ حق ہے۔ آپؐ کی اطاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسُولؐ آپؐ نے جو کچھ ارادہ فرمالیا ہے، اسے کر گزریئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپؐ سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اُتر جائیں تو ہم آپؐ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ مقابلے میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں کہ اللہ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پس اللہ کی برکت اور بھروسہ پر آپ ہمیں لے چلیں۔"

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے لشکر ہی کے مقابلے کے لیے چلنا ہے۔ لیکن فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ انصار نے یہ جانتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و جان سے ساتھ دیا کہ وہ پورے عرب کے تیروں اور تلواروں کی زد پر جا رہے ہیں۔ اب ان کا تمام اہل مکہ سے مقابلہ تھا جن کی قیادت قریش کے جنگجو سرداروں کے ہاتھ میں تھی جو اپنے آبائی مذہب، قدیم رسم و رواج اپنی قیادت اور مُعاشی مفاد کے تحفظ کے لیے سر سے کفن باندھ کر گھروں سے نکلے تھے۔

مسلمانوں کی جماعت قریش کے مقابلے میں بہت کمزور تھی۔ لڑائی کے قابل لوگوں کی تعداد تین سو سے کچھ ہی زیادہ تھی، اور جنگی ساز و سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ لیکن جذبہ ایمانی سے سرشار یہ عقابی شان کے مالک اسلام کے نام لیوا بے خوف و خطر خُدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے بے تاب تھے۔

ادھر ابوسفیان نے ساحلی علاقے میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ پاکر قریشی فوج کو پیغام بھیجا کر اب ہم بچ کر نکل آئے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ بھی لوٹ آؤ۔ مگر ابوجہل کے ذہن میں دوسرا ہی سودا سما رہا تھا، اس نے بدر جانے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کی ٹھان لی، قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں کو چونکہ قافلہ کے بچاؤ کے لیے ساتھ لیا گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے واپس چلنے کے لیے اصرار کیا۔ ان کی بات نہ سُنی گئی تو وہ اپنے آدمیوں کو لے کر لوٹ گئے۔

حکیم بن حزام اور عُتبہ نے بھی جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر ابوجہل ان باتوں کو سُن کر آگ بگولہ ہوگیا، اور اس نے جنگ نہ کرنے والوں کو سخت طعن و تشنیع کی اور ساتھ ہی واقعہ نخلہ کے مقتول حضرمی کے بھائی عامر کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ عامر نے شور مچا کر ایک جذباتی طوفان برپا کر دیا۔ آخر قریش کا لشکر بڑے غرور اور گھمنڈ کے ساتھ بدر کے کنارے آپہنچا۔

آج نمازِ عشق کا عملی سبق درپیش تھا۔

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپؐ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے باہر نکلے۔ ۲ کلومیٹر چلنے کے بعد فوج کا جائزہ لیا جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے۔ عُمیرؓ بن ابی وقاص ایک کم سِن بچہ تھے۔ جب اُن سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی عُمیرؓ کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ فوج کی کُل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے اور یہ لوگ جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے مکمل نہ تھے کِسی کے پاس کوئی ہتھیار تھا تو کوئی ہتھیار سے بھی خالی تھا۔ ان تین سو تیرہ بے سرو سامان اصحابؓ کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور تین گھوڑے تھے۔ چنانچہ ہر تین آدمی کے لیے ایک اُونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ خُود رسُولؐ اکرم کے ساتھ بھی دو حضرات ایک اونٹ میں شریک تھے۔ ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ۔ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ حضرات عرض کرتے یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سوار رہیں ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔

رحمۃ للعالمین کی طرف سے جواب ملتا کہ نہ تم مجھ سے قوی ہو اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں کہ اپنے ثواب کا موقع تمھیں دے دوں اس لیے اپنی باری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

ان حالات میں اپنے پیچھے منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لیے ابولبابہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ مدینے کو واپس جائیں۔ مدینہ کی بالائی آبادی عالیہ پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے۔ جدھر سے اہلِ مکہ کی آمد کی خبر تھی دو خبر رساں بسبسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے کہ مکی لشکر کی آمد وغیرہ پر نظر رکھیں۔ روحا، منصرف، ذات، اجلال، معلات، اثیل سے گزرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، مخبروں نے اطلاع دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں چنانچہ نبی اکرمؐ یہیں رک گئے اور فوج اتر پڑی۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا اس کے برعکس مسلمانوں نے وادیٔ بدر میں پہنچ کر جہاں قیام کیا وہاں کوئی چشمہ یا پانی کا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔

مسلمانوں میں حضرت حباب بن منذر وادی بدر کی مکانی حیثیت سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ نے اس مقام کو اللہ کے حکم سے پسند فرمایا ہے تو ہم یہاں سے ہٹ کر ادھر اُدھر مورچہ بندی نہیں چاہتے! یا آپ اپنی رائے اور موقعہ کی اہمیت اور تدبیر سے اسے تجویز فرما رہے ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "صرف اپنی رائے اور موقعہ کی اہمیت اور تدبیر کی وجہ سے یہاں مورچہ بنانا چاہتا ہوں اللہ کے حکم سے نہیں۔"

حضرت حباب نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے

کنوئیں بے کار کر دیئے جائیں ۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا ۔

دوسری صبح ۱۷ رمضان ۲ھ کو نماز سے فارغ ہو کر اپنے اس چھوٹے سے تاریخی لشکر کی صف بندی کی اور دشمن کا انتظار کرنے لگے ۔

بدر کی وادی دو اونچے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ، وادی کے وسط میں پانی کا چشمہ ہے۔ جس کے قریب سے شام اور مدینہ کی شاہراہ گذرتی ہے ۔ وادی کے شمالی حصہ میں پہنچ کر شام اور مدینہ کے راستے جدا جدا سمتیں اختیار کر لیتے ہیں ۔ شام کا راستہ شمال کا رُخ قائم رکھتا ہے اور مدینہ کا راستہ مشرقی رُخ اختیار کر لیتا ہے ۔ راستے کے مغرب کی جانب اونچی زمین ہے ۔ میدانِ جنگ کے لیے اِسی سرزمین کا انتخاب فرمایا ۔

ادھر مکی فوج اپنی زیادہ تعداد اور عسکری قوت کے نشے میں ڈوبی ہوئی رقص اور موسیقی کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو دفاعی لڑائی کے مطابق ترتیب دیا تھا ۔ مگر اس بات کو پیشِ نظر رکھا تھا کہ جونہی جوابی حملہ کی ضرورت محسوس ہو ۔ اس وقت پورا لشکر حملہ کر سکے اور کسی طرح سے دیر یا الجھن پیدا نہ ہو ۔ آپؐ نے لشکر کی دو صفیں بنائیں اور ہاتھ میں تیر لیکر صف سیدھی کی ۔ عرب میں اب تک لڑائی کے دوران صف بندی کا دستور نہ تھا ۔ وہ ہجوم کی شکل میں حملہ آور ہوا کرتے تھے ۔ آپؐ نے اپنی اُمت کی جماعتی زندگی کی ترتیب نماز اور لڑائی دونوں مقامات پر صف بندی کے ذریعہ شروع کی ۔ نماز میں جس طرح امام کے احکام کے بغیر کوئی حرکت نہیں کی جاسکتی اسی طرح لڑائی میں اپنے سپہ سالار کے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں ہوسکتی جس طرح سلام پھیرنے سے قبل اگر کوئی نماز ختم کر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح لڑائی میں سپہ سالار کے حکم کے بغیر صف سے نکل نہیں سکتا ۔

اسلامی لشکر نماز کے دوران نظم و ضبط قائم رکھنے کا سبق سیکھ چکا تھا ۔ آج نمازِ عشق کا عملی سبق درپیش تھا ۔

یہ عجیب منظر تھا۔

اعلان ہوا کہ جب تک حضورؐ حکم نہ دیں، اس وقت تک کسی ہتھیار سے دشمن پر وار نہیں کیا جائے گا۔ تاکہ کوئی تیر، کوئی بھالا اور کوئی پتھر ضائع نہ ہو جائے۔ جب تیر کمان سے نکلے تو وہ دشمن کے سینہ میں پیوست ہو۔ ورنہ اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر مدینہ کی ریاست کے قلیل مادی ذرائع اجازت نہ دیتے تھے کہ یونہی تیر پھینکے جائیں اور وہ سینۂ زمین میں پیوست ہوتے رہیں۔ رسُول اللہؐ نے اگلی صف میں شمشیرزن اور نیزہ باز افراد کو رکھا، تیرانداز پچھلی صف میں تھے، دونوں پہلوؤں کو ترچھی ترتیب دی گئی تھی تاکہ دشمن اپنے رسالے اور کثرت کی برتری کی وجہ سے فائدہ اٹھا کر اسلامی لشکر کو اپنی لپیٹ میں نہ لے سکے۔ ایک راستہ اسلامی لشکر کے عقب میں جاتا تھا۔ اس راستے سے فوج کے اونٹوں پر حملہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے ایک دستے کو اس راستے کی حفاظت پر متعین کر دیا۔ پینے کے پانی کی کمی نہ تھی۔ رات بارش ہو گئی تھی اور صفوں کے قریب ہی تالاب بنا لیا گیا تھا۔ دشمن کے افراد کو اجازت تھی کہ وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تالاب سے پانی لے سکتے تھے۔

قریش جب اسلامی صفوں سے تقریباً تین سو گز پر پہنچے تو رُک گئے۔ زمین ڈھلوان ہونے کی وجہ سے وہ نچلی سطح پر تھے اور رات جو بارش ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے کیچڑ سا ہو گیا تھا اور انہیں اوپر آنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، سُورج بھی ان کی آنکھوں میں پڑ رہا تھا، حضُورؐ نے جو مقام چُنا تھا، وہاں سے سُورج اسلامی لشکر کے عقب میں تھا، صفیں درست کرنے، تفصیلی احکامات صادر کرنے اور اپنا نائب کمانڈر مقرر کرنے کے بعد فوج کے صدر مقام پر تشریف لے آتے۔

یہ ایک چھوٹا سا کھجُور کی ٹہنیوں اور پتوں کا چبوترہ تھا جو صفوں کے درمیان میں پیچھے کی طرف قدرے اونچی زمین پر بنایا گیا تھا تاکہ آپؐ سامنے ہی لڑائی کے میدان کو ہر لمحہ دیکھ سکیں اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق احکامات دیتے رہیں۔

رسُول اللہ نے مسلمانوں کی صف آرائی کرنے کے بعد دشمن کی فوج کی طرف دیکھا تو ان کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی، دشمن کی ایک ہزار سپاہ جس میں چھ سو زرہ پوش ایک سو سوار شامل تھے جس کے ساتھ اونٹوں کا ہجوم تھا، اسلحہ کی فراوانی تھی، رسد بافراط تھی۔ جانبازوں کی خوشنودی کے لیے شراب کے مٹکے اور گانے کے لیے لونڈیاں حاضر تھیں اور اس کے مقابل میں تین سو سے کچھ زائد بے سروسامانوں کو میدان میں اتار دینا محض دلیری نہ تھی۔ جنگی قوت تعداد اور اسلحے کے علاوہ اور بہت سے عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔

حضورؐ خوب جانتے تھے کہ وہ جن سپاہیوں کو تین کے مقابلے میں ایک کے تناسب سے لا رہے ہیں ان میں مظلومی کی رُوح موجزن ہے ان میں اپنے نظریۂ صداقت پر کوہ شکن ایمان کارفرما ہے وہ تنظیم اور کردار کے لحاظ سے فائق تر ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو خُدا کی نصرت پر یقین تھا جو اُن کی نگاہ میں اصل فیصلہ کُن طاقت تھی۔

آپؐ اپنے خیمے کی طرف لوٹ آئے، اسی موقعہ پر حضرت ابُوبکر بھی پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ دشمنوں کا مسلح لشکر اور بے سروسامان مسلمانوں کی قلیل تعداد آپؐ کے سامنے تھی۔

زبانِ مُبارک سے فرمایا "اے اللہ! یہ قریش ہیں۔ یہ اپنے تکبر و غرور کے نشے میں سرشار ہو کر اس غرض سے آرہے ہیں کہ تیرے بندوں کو تیری اطاعت سے باز رکھیں اور تیرے رسُول کو جھٹلائیں پس اے اللہ، تیری نُصرت تیری مدد کی ضرورت ہے، جس کا تو نے وعدہ فرمایا۔"

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی دُنیا میں عقیدۂ توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے۔

"خُدایا تو نے مجھ سے نصرت کا جو وعدہ کیا ہے اسے پُورا کر"

بار بار یہی دُعا دہراتے رہے دونوں ہاتھ پروردگار عالم کے آگے پھیلاتے ہوئے یکسوئی کا یہ عالم

کہ چادر مبارک کندھے پر سے گر پڑی تو حضرت ابوبکرؓ آپ سے انتہائی عقیدت کی بنا پر پشت کی طرف حاضر تھے ، انہوں نے چادر اُٹھا کر کندھے پر رکھتے ہوئے عرض کیا " اے خُدا کے نبی ! اس نے آپ کی التجا سُن لی ہے وہ اپنا وعدہ پورا ہی کرے گا۔"

لیکن رسُول خُدا اسی دھن میں خُداوند تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے رہے اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے مسلسل دُعائیں مانگ رہے تھے کہ اِسی عالم میں فتح کی بشارت آئی خوش خوش برج سے نکلے اور مسلمانوں کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔

" اس ذات کبریا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے آج جو شخص کفار کے ساتھ صبر و استقلال اور رضائے الٰہی کے لیے جنگ کرتا ہوا شہید ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا"!

رسُولِ خُدا کا مسلمانوں کی صفوں کے سامنے تشریف لا کر ان کی ہمت بڑھانے اور انہیں جنگ پر آمادہ کرنے سے ان کی قوت میں بے حد اضافہ ہوگیا اور ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ دشمن سے مقابلے کے موقع پر ایک مُسلمان دو سے لے کر دس دس کافروں پر بھاری ہوگیا۔

جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت کا منتظر۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں ، عتبہ جو سردار لشکر تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارزت کے مدنی فوج کو للکارا ، عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے ۔ عتبہ کے سینے پر شتر مرغ کے پر تھے حضرت عوفؓ ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن روانہ مقابلے کو نکلے ۔ لیکن سردارِ لشکر نے انصار کے ساتھ مبارزت کرنے سے انکار کر دیا ۔ کیوں کہ حسب و نسب کے لحاظ سے بھی قریش چاہتے تھے کہ اپنے ہی قبیلہ کے جوانوں سے ان کا مقابلہ ہو ۔

نبی اکرم نے انصار نوجوانوں کو واپس بُلا لیا اور اپنے ہی خاندان کے تین بہادر اور اولو العزم افراد حضرت حمزہؓ ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں نکلنے کیلئے کہا ۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے۔ لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔

مبارزت کی ایک شرط ہوا کرتی تھی کہ جونہی خون بہہ نکلے تو مبارزت میں حصہ لینے والے ایک دوسرے کی مدد کو آ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور حمزہؓ عبیدہ بن حارثؓ کی مدد کے لیے شیبہ پر بجلی بن کر گرے اور چند لمحوں میں قریش نے اپنے تین سورماؤں کی لاشوں کو اپنے سامنے تڑپتا دیکھ لیا۔ قریش کا علم زمین بوس ہو چکا تھا ادھر تین بار اسلامی لشکر سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا جس سے فضاء آسمانی گونج اٹھی۔

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا اپنے لشکر سے نکلا اور پکارا کہ "میں ابو کرش ہوں" حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں تاک کر آنکھ پر برچھی ماری، وہ زمین پر گرا اور مر گیا، برچھی اس طرح پیوست ہوئی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی۔ لیکن دونوں نیزے خم ہو گئے۔ یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے نبی اکرمؐ نے مانگ لی۔ پھر چاروں خلفا کے پاس منتقل ہوتی رہی پھر عبداللہ بن زبیر کے پاس آئی۔

مکی سردارِ لشکر اب اپنی فوج کے حوصلوں کو مزید پست نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے عام حملے کا حکم دے دیا۔

یہ اس کی سنگین غلطی تھی۔ اس کی فوج اپنے تین سورماؤں کا حشر دیکھ چکی تھی انہیں حملہ کرنے کے لیے بلندی کی طرف آگے بڑھنا تھا۔ رات کی بارش پاؤں کو جمنے نہ دے رہی تھی اور سورج کی تیز شعاعیں آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہی تھیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اسلامی لشکر خاموش اور ساکت ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے وہ میدان جنگ پر نہیں بلکہ مسجد نبوی کے کچے فرش پر اپنے خالق و آقا کے حضور صف بستہ ہیں اور جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت کا منتظر ہے۔ وہ اور آگے بڑھے

کہ نہ معلوم اسلامی لشکر کس خیال سے خاموش کھڑا ہے اور پھر اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے کفار کا لشکر اپنے کئی ساتھیوں کو لہو میں غرق تڑپتے دیکھتا ہے۔ اور پھر اگلے ہی لمحے ان کی ٹکر اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے ہوتی جو ان کی منتظر تھی اور جسے وہ کتنی دیر سے دیکھ رہے تھے۔ ایک اور بات جس سے لشکر کفار خوفزدہ سا ہو گیا وہ یہ تھا کہ ٹیلے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہ جانے محمدؐ کے ساتھی کہاں سے آگئے۔ دور سے تو اتنی تعداد نظر نہیں آرہی تھی۔ اور اب جس طرف نگاہ اٹھتی تھی۔ اسلامی لشکر ہیبتناک پہاڑ کی طرح کھڑا ہے۔ اور مکی لشکر جب اس پہاڑ سے ٹکرایا تو خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ بائیں جانب سے مکی لشکر کو آگے بڑھنا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ جرأت نہ کرسکا، حالانکہ مسلمان تو بہت تھوڑی تعداد میں تھے، اس دوران قریش کے سرداروں کی آوازیں بلند ہوئیں تاکہ فوج کا حوصلہ بڑھے مگر آج شاید وہ اپنی گھن گرج کھو چکی تھی، مشرکین اپنی قوت کثیر تعداد کے بل بوتے پر بار بار حملہ آور ہوتے لیکن ان کا مقابلہ تین سو سے نہیں بلکہ شاید قدرت سے تھا۔ جونہی اسلامی لشکر کا ایک سپاہی شہادتِ عظمیٰ حاصل کرتا اور صف میں جگہ خالی ہوتی تو پچھلی صف سے ایک اور جاں نثار خاموشی سے آگے بڑھتا اور خلا کو پُر کر دیتا۔

معاذ بن عمرو نے ابُوجہل کا کام تمام کر دیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اور دُوسرے مُسلمان جذبہ ایمان سے سرشار لڑائی میں مصرُوف ہوئے کہ نہ تو انہیں اپنی جان کا خوف تھا نہ مُسلمانوں کی قلت کا خطرہ نہ دشمن کی اتنی بڑی جمعیت سے ڈر۔ ہنگامہ کی شدت سے تا حد نظر گرد اڑ رہی تھی، تمام فضا گرد آلودہ، قریش کی کھوپڑیاں فضا میں اُڑ رہی تھیں موت نے قریش کے ایک سردار کا گلا دبوچ لیا تھا۔

سپہ سالار مدینہ لمحہ لمحہ کی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔

مُسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ فرطِ مسرت سے بلند آواز میں "احد" "احد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ زمان و مکان کے حجاب ان کی نظر سے ہٹ چکے تھے اللہ نے ان کی بشارت کے لیے فرشتے بھیجے تاکہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو اور اگر کوئی مسلمان اپنے

حریف کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بازو میں قوت کی لہر دوڑا دیتا۔

سپہ سالار مدینہ لمحہ لمحہ کی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ لڑائی گھمسان کی ہو رہی تھی۔ اسلامی لشکر کا ہر سپاہی قریش کے لشکر کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔

رسولِ خدا نے اپنی مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر انہیں زور سے کافروں کی طرف پھینکا اور فرمایا

اُن کے چہرے سیاہ ہوں۔ اے اللہ ان کے دلوں پر رعب طاری فرما دے اور ان کے قدموں کو اکھاڑ دے"

اور اس کے ساتھ ہی اپنے صحابہ کو پوری قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا، مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت دشمنوں کی طرف عقاب کی طرح جھپٹی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوا کہ خداوند عالم کی طرف سے مسلمانوں کی فتح کا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے، مکی فوج مدنی لشکر کے حملہ کی تاب نہ لا سکی۔ قریش کے نامور سردار جو قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے اور باقی کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کر دیا۔

مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ستر اشخاص کو قید بھی کر لیا۔ معرکہ میں کافروں کے ستر آدمی ہلاک ہوئے تھے اور مسلمانوں کے صرف چودہ شخص تھے۔ چھ مہاجرین سے آٹھ انصار میں سے۔ اس روز جنگ میں پہلا شہید ہونے والا عمر فاروق رضؓ کا غلام تھا۔ اہلِ دنیا اسے غلام سمجھتے تھے مگر مساوات کے حامی، عدل کے مربی، اخوت کے بانی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔

بازو کٹ گیا لیکن

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیِ اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار میں سے معوذ و معاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ ابوجہل جہاں نظر آئے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود ختم ہو جائیں گے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتاً مجھ کو دائیں بائیں دو نوجوان

نظر آتے ۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے ؟

مَیں نے پوچھا برادر زادہ ! ابو جہل کا پوچھ کر کیا کرے گا ؟ بولا کہ مَیں نے خُدا سے عہد کیا ہے کہ ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا ، میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی یہی باتیں مجھ سے کہیں ، اتنے میں ابو جہل چکر لگاتا ہوا سامنے آگیا مَیں نے فوراً بتا دیا کہ ابو جہل وہ رہا۔ بتلانا تھا کہ دونوں بھائی اس پر عقاب کی طرح جھپٹے اور اُسی لمحے اُسے خاک و خون میں تڑپا دیا ۔

دونوں نوجوان عفراء کے بیٹے تھے ، معوذ و معاذ ، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آ کر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا ۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا ، وہ بچ کر نکل گیا ، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے ۔ لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی چنانچہ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور پھر مصروف جہاد ہو گئے ۔

غزوۂ بنی قینقاع

تم نے اس قوم کو شکست دی ہے جنہیں جنگ کرنا نہیں آتی۔

بدر کی جنگ سے پہلے یہودی چھپ چھپ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے مگر بدر کی فتح کے بعد ان کا حسد بہت زیادہ بڑھ گیا اور اب وہ کھل کر مسلمانوں کے خلاف فتنہ انگیز باتیں کرنے لگے۔ مدینے میں یہودیوں کے کئی قبیلے آباد تھے۔ انہی میں سے ایک قبیلہ "بنی قینقاع" تھا۔ یہ قبیلہ سب سے زیادہ بہادر سمجھا جاتا تھا اور سب سے پہلے اسی نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے اسی نے اس کی عہد شکنی کی۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دوکان میں (باپردہ) آئیں۔ یہودیوں نے اس کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہوگیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا یہودیوں نے مسلمان کو شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے

تو ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں خدا کے عذاب سے ڈرایا اور برملا فرمادیا" اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کو تکلیفیں دینے سے ہاتھ نہ روکا اور صلح کے معاہدہ پر عمل پیرا نہ رہے تو تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو قریش مکہ کے ساتھ کیا ہے۔

اس پر یہودیوں نے جواب دیا

"اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جنہیں جنگ کرنی ہی نہیں آتی۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو معلوم ہو جائے گا کہ کس دل گردے کے لوگوں سے پالا پڑا ہے۔"

یہود کی اس دھمکی کے بعد مسلمانوں کو جنگ کے بغیر چارہ نہ رہا۔

یہودیوں کی ان حرکتوں کی وجہ سے معاہدہ ختم ہوگیا تھا۔ ادھر اس واقعہ کے بعد مسلمان بہت غضب ناک ہورہے تھے۔ رسول اللہ نے بنی قینقاع کے یہودیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بنی قینقاع کی بستی میں تشریف لائے اور یہودیوں کا محاصرہ کرلیا۔ یہودی قلعہ بند ہوکر دبک گئے اور مسلمانوں نے ان کی بستی کے چاروں طرف زبردست محاصرہ کرلیا اور تمام راستے بند کر دیئے۔ جب اس محاصرہ کو پندرہ دن گزر گئے تو یہودی اطاعت پر آمادہ ہوگئے۔ دروازے کھول دیئے گئے اور تمام مجرم رسول اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ باغی تھے اور ان کی سزا قتل تھی مگر مدینہ کا مشہور منافق عبداللہ بن سلول یہ عیار مسلمان اور یہود دونوں کا حلیف تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دوستوں پر احسان کیجئے۔ آپ کو ان یہودیوں پر بہت غصہ تھا۔ مگر جب منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی کی منت خوشامد حد سے زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے ان کی جان بخشی کردی مگر اس کے ساتھ ہی آپ نے ان یہودیوں کو جلاوطنی کا حکم دیا کہ یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ حضرت عبادہ نے ان کو شہر بدر کر دیا۔ بنی قینقاع کے یہ یہودی مدینہ چھوڑ کر خیبر میں جا بسے۔ ان کا مال ودولت اور ہتھیار مسلمانوں کو مال غنیمت میں ملے۔

جنگِ اُحد

عرب کی تاریخ میں آج تک کسی جنگ کے لیے ایسی تیاری سُننے میں نہ آئی تھی۔

فرمایا! اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا فتح تمہاری ہوگی۔"

رسولؐ اللہ کی تلوار کی توہین کہ اسے عورت پر آزمایا جائے۔

تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ چاہے ہماری بوٹیاں گدھیں نوچ کر لے جائیں۔

رسولؐ خدا کا چہرہ زخمی ہو کر دوؔ دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔

حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے لیکن آپ کا پتہ نہ تھا۔

رسول اللہؐ نے شوریٰ کی بنیاد رکھی

رسولِ خدا کے چچا حضرت عباس دل سے حضورؐ کے وفادار تھے اور ابھی تک مکہ میں تشریف رکھتے تھے اور قریش کی ہر سازش جو رسولِ خدا کے خلاف ہوتی اس پر کڑی نظر رکھتے۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ ایک تو آپ سے قرابت داری تھی اور دوسرا آپؐ کا بے مثال حسنِ کردار جس میں مسلمانوں کا وہ حسن سلوک بھی شامل ہوگیا جو بدر کی قید کے دوران مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے قریش کا تازہ جنون، ان کے لشکر کی تعداد اور سامانِ جنگ کی پوری تفصیل لکھ کر ایک تیزرَو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ بھیجی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب یہ قاصد خط لے کر پہنچا آپؐ مسجد قبا میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے یہ خط کعب بن مالک سے پڑھوا کر سنا اور اس سے رازداری کی تاکید فرمائی کہ کسی سے خط کے مضمون کا ذکر نہ کیا جائے۔

آنحضرتؐ نے پہلے جناب انس و مونس کو بھیجا اور پھر ان کی واپسی پر حباب بن منذر کو بھیجا کہ قریش کے لشکر کی صحیح تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر فوج کی صحیح تعداد کے بارے میں بتایا۔

اسی طرح دشمن کا جائزہ لینے کے لئے حضرت سلمہ بن سلامہ نکلے اور قریش کے ایک دستہ کو شہر سے اس قدر قریب دیکھا جیسے ذرا دیر بعد شہر کے اندر داخل ہونے کو ہیں۔ سلمہ بھاگے ہوئے آئے اور مسلمانوں کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ان خبروں سے قبیلہ اوس و خزرج کے مسلمان اور دوسرے لوگ آنے والی جنگ سے بے حد متاثر ہوئے کہ عرب کی تاریخ میں آج تک کسی جنگ کے لئے ایسی تیاری سننے میں نہ آئی تھی۔ قریش پوری قوت اور لشکرِ جرار لے کر حملہ آور ہونے کو ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے بے شمار مسلح مسلمان مسجد نبوی میں رات بھر پہرے پر رہے اور مسلمانوں کا ایک دستہ تمام رات شہر کی حفاظت کرتا رہا۔

آنحضرتؐ نے صبح ہوتے ہی صحابہ کو طلب کر لیا تاکہ باہمی مشورے سے دشمن سے مقابلے کے لئے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا جائے۔ آپؐ نے اس رائے کو قبول کر لیا۔

سب سے پہلے رسالت مآبؐ نے اپنی رائے بیان فرمائی کہ مہاجرین قریش شہر سے باہر نگرانی کریں۔ اہل مدینہ شہر میں قلعہ بند ہو کر موقع کے منتظر رہیں تاکہ دشمن کے حملہ کرنے پر مقابلہ کیا جا سکے۔

عبداللہ بن ابی سلول جو منافقوں کا رہنما تھا اُس نے عرض کیا یارسولؐ اللہ مدینہ میں رہنے والوں نے ہمیشہ اس طریقے سے شہر کی حفاظت کی ہے۔

عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ قلعہ میں بند کر کے ان کے چاروں طرف پتھروں کے ٹکڑے جمع کر دیئے جاتے ہیں۔

شہر کے باہر فصیل کھڑی کر کے نگرانی کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں تعمیر کی جاتی ہیں۔ دشمن کے حملہ کرنے کی صورت میں ادھر عورتیں اور بچے پتھراؤ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اُدھر سے مرد تلواروں سے دشمن پر حملہ کر دیتے ہیں۔ مہاجرین اور انصار بھی رسول اللہ کی اس رائے سے متفق تھے کہ شہر میں بند رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

جو گروہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے بے قرار تھا اس میں دو قسم کے لوگ تھے۔

وہ نوجوان جو بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے اور اب موقعہ غنیمت سمجھ کر داد شجاعت دینے کے لئے بے تاب تھے۔

وہ بہادر اور رجیالے مجاھد جنہیں بدر کی جنگ میں بھی شرکت کا موقعہ مل چکا تھا اور میدانِ جنگ میں خداوند تعالیٰ کی بروقت نصرت نے جن کے حوصلے پہلے سے بڑھا رکھے تھے انہیں یقین تھا کہ دنیا کی کوئی قوت ان پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ حضرات شہر میں بند ہونے کو بُزدلی پر محمول کرتے کہ اس سے دشمن کو ہماری بزدلی کا یقین ہو جائے گا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ بدر کے موقعہ پر اپنے شہر سے دُور ہونے کے باوجود ہم نے قریش پر فتح حاصل کر لی تھی اور آج تو ہم اپنے شہر سے قریب تر ہیں؛ اس گروہ کے ایک نوجوان نے کہا۔

"مجھے یہ گوارا نہیں کہ وہ (کفار) یہاں سے واپس لوٹ کر کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ڈر کر یثرب اور اس کے قلعوں میں دبک گئے۔ شہر میں ہمارے بند ہو جانے سے دشمن کی جرأت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔"

اس طرح جہاں نوجوانوں میں جوش و خروش بھرا ہوا تھا وہاں کچھ بزرگ صحابہ بھی مدینے سے باہر نکل کر ہی لڑنا چاہتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ ابن معاذ کی بھی وہی رائے تھی جو آپؐ کی تھی۔ مگر جب آپؐ نے صحابہ کی اکثریت کا جوش و خروش دیکھا تو آپ نے اس رائے کو قبول کر لیا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ کسی نبیؐ کے شایانِ شان نہیں۔

جمعہ کا دن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جمعہ پڑھا کر فرمایا۔

"مسلمانو۔! اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو تمہاری ہی فتح ہوگی" اور مسلمانوں کیلئے تیاری کا حکم فرمایا۔ نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد اپنے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کو لے کر گھر تشریف لے لئے۔ ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامہ باندھنے میں آپ کی مدد کی۔ زرہ پہنائی اور تلوار حمائل کی اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تھے باہر صحابہ کھڑے تھے اور آپس میں قلعہ بندی یا میدان میں مقابلہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ اسید بن حضیر اور سعد بن معاذؓ جو قلعہ بندی کے حامی تھے دوسرے گروہ سے کہہ رہے تھے جو رسولِ خدا کی مرضی ہے ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر آپ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پسند نہیں فرماتے تو ہمیں باہر نکلنے کے لئے اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابھی وقت ہے کہ آپ کی رضا مقدم سمجھی جائے اور جو کچھ حکم فرمائیں آپ بلا عذر اس کی اطاعت کریں۔ قلعہ بندی کا خلاف گروہ بہت پریشان تھا۔ انہیں سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسولؐ خدا کی رائے نہ ماننے کے جرم میں ان کے خلاف کوئی آیت نازل ہو۔ چنانچہ جونہی آنحضرتؐ زرہ پہن کر باہر تشریف لائے تو ان لوگوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔

"یارسولؐ اللہ! ہمارا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں۔ آپ قلعہ بند رہ کر مدافعت پر کاربند ہوں یا میدان میں صف آرائی کا حکم فرمائیں۔ ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔ خدا کے بعد آپ کا فرمان ہمارے لئے واجب العمل ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا! "جب میں نے تم کو مشورہ دیا تو انکار کر دیا گیا لیکن کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ زرہ پہن لینے کے بعد دشمن کا مقابلہ کئے بغیر زرہ بدن سے اتارے۔ اب تم میرے حکم پر عمل کرو کہ اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو فتح تمہاری ہوگی"۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شوریٰ کی بنیاد رکھی جس پر نظام کی تعمیر کا انحصار ہے کہ جس مسئلہ کو بحث و تمحیص کے بعد متفقہ طور پر طے کر لیا جائے اُسے کسی رائے کے خلاف ہونے کی بنا پر منسوخ نہیں کیا جا سکتا طے شدہ مشورہ پر عمل کیا جائے اور اس کے نفاذ میں عجلت اور اس کے نتیجہ کا انتظار مدنظر ہو۔

اب آپؐ نے تین نیزے منگائے۔ ایک پر مہاجرین سپاہ کا علم باندھا اور یہ عَلم حضرت علیؓ کو دیا پھر اوس کا علم حضرت اسیدؓ بن حضیر کو اور خزرج کا حباب بن منذر کو عطا فرمایا۔

اس کے بعد آپؐ ایک ہزار صحابہ کے لشکر کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں شوط کے مقام پر جب لشکر پہنچا تو عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا اور اپنے ساتھ تین سو کی جمعیت لیکر آیا تھا وہ اپنے تمام منافق ساتھیوں کو لے کر یہ کہتے ہوئے واپس مدینہ چلا گیا" کہ شہر کے اندر رہ کر دفاع کرنے کا جو مشورہ اس نے دیا تھا وہ چونکہ قبول نہیں کیا گیا تھا اس لئے وہ اپنے آدمی بے فائدہ مروانا نہیں چاہتا۔" ایسی صورت حال میں بھی نبی اکرمؐ کے عزم میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ آپؐ کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہ رہ گئے تھے۔ ان میں سے صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا۔ متعدد لڑکے بھی جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ساتھ چلے تھے۔ ان کو حضورؐ نے واپس جانے کا حکم دیا لیکن جان نثاری کا یہ عالم تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافع بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو تو وہ پیروں کے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو گئے

چنانچہ ان کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور وہ لے لئے گئے اور سمرۃ ایک نوجوان جوان کے ہم عمر تھے انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہوں اس لئے اگر ان کو اجازت مل گئی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ نے سچ مچ رافع کو گرا لیا اور اسی بنا پر ان کو بھی اجازت مل گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مختصر سے لشکر کے ساتھ پہلے سیدھے مشرق کا رخ اختیار کیا۔ پھر تھوڑی سی بائیں جانب مڑ کر کوہ اُحد کے جنوب مشرقی کونے کی چھوٹی سی گھاٹی سے ہوتے ہوئے احد کے کھلے میدان میں باربرداری کے اونٹ چھوڑے۔

بعد ازاں اُحد کے جنوب میں جو گھاٹی ہے اس سے نکل کر اُحد کے جنوب مغربی کونے پر لشکر کی صف آرائی فرمائی۔ یہاں سے قریش کا لشکر نظر آرہا تھا۔

آپ نے صبح کی نماز اسی مقام پر ادا کی اور پھر دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ اب آپ کی صفوں کا داہنا کنارہ احد کے ساتھ ملحق تھا اور بایاں کنارہ وادی قناۃ کے کنارے تک پہنچا ہوا تھا۔ اس طرح صف آرائی میں آپ کی صفوں کا رخ تقریباً مغرب اور جنوب مغرب کی جانب تھا اور مدینہ قدرے بائیں مگر پھر بھی سامنے تھا۔ اُحد آپ کے داہنے تھا۔ اور پتھریلا میدان جس میں آج کل عمارتیں بن چکی ہیں عقب میں تھا۔ بائیں اور پیچھے جبل العینین تھا جسے اب جبل رماۃ کہتے ہیں۔ اس دو گنبدی پہاڑی پر آپ نے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا تاکہ اگر وادی قناۃ کے راستہ سے ہوتا ہوا دشمن کا سپاہی عقب سے حملہ آور ہونا چاہے تو اسے تیروں کی بوچھاڑ سے روک لیا جائے اور اس دستہ کو متعین فرماتے وقت آپ نے انہیں سخت احکامات دیئے کہ "کسی کو ہمارے نزدیک نہ پھٹکنے دینا، کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں گدھ نوچے لئے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ہلنا" چنانچہ آپ نے دونوں اطراف کو اس خوبی سے تدبیراتی طور پر محفوظ کر لیا کہ دشمن کا مضبوط اور طاقتور دستہ بیکار ہوگیا۔

قریش کا لشکر تین ہزار نوجوانوں پر مشتمل تھا جس میں سات سو زرہ پوش تھے اور جن کے پاس دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ انہوں نے بھی باقاعدہ ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا اور میسرہ پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو۔ سواروں کا دستہ قریش کے مشہور رئیس صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا۔ تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعۃ تھا۔ طلحہ علمبردار تھا اور دو سو خالی گھوڑے رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں اور سب سے بڑے مورچے کی کمان عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔ جن میں کسی کے ہاتھ میں دف تھی کوئی طبلہ لیے ہوئے تھی۔ ہر عورت بناؤ سنگار کیے اٹھلاتی۔ کبھی اس قطار کے آگے اور کبھی اس صف کے پیچھے۔ ان کی سپہ سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ تھیں۔ قریش کے زنانہ لشکر کا اسلحہ رجزیہ اشعار تھے۔ یہ خواتین دف پر جوش اور غیرت دلانے والے اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں تاکہ لڑنے والوں میں بدر کے مقتولین کا غم اور ان کے خون کا بدلہ لینے کا جوش ابھاریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس موقعہ پر جو خطبہ دیا اس میں بھی یہی فرمایا کہ "اگر تم نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو فتح تمہاری ہی ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے اپنی تلوار میان سے نکال کر آگے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا مسلمانو! تم میں سے کون بہادر اس تلوار کا حق ادا کر سکتا ہے؟ کئی مسلمان آگے بڑھے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان میں سے کسی کی درخواست منظور نہ فرمائی۔ حضرت ابودجانہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس تلوار کا کیا حق ہے؟ فرمایا

فرمایا "اس تلوار کا حق یہ ہے کہ دشمن کے ٹکڑے بکھیرتی ہوئی خم کھا جائے۔"

شیر دل ابودجانہ گھر ہی سے سر پر وہ سرخ پٹی باندھ کر نکلا تھا جسے عرب میں موت کا تسمہ کہا جاتا ہے۔ اس نے ایک ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھا' دوسرے ہاتھ سے سر کی پٹی کو مضبوطی سے کس لیا

اور فاخرانہ خیال سے قدم اٹھاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھا۔
رسولِ خدا نے ان کی چال پر فرمایا" ایسے موقعہ کے سوا یہ انداز خدا کو قطعاً ناپسند ہے۔"
لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ مدینہ منوّرہ کا رہنے والا قبیلہ اوس کا فرد ابو عامر اسی غرض سے چل کر مدینہ سے مکّہ پہنچا کہ "آؤ سب مل کر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیں"۔ وہ بدر کے معرکہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ اس کی کمان میں اپنے قبیلہ اوس کے پندرہ شمشیرزن تھے اور اہل مکّہ کے چند غلام۔ ابو عامر نے قریش کو یہ تاثر دے رکھا تھا کہ جونہی وہ میدانِ جنگ میں آکر مسلمانوں کو پکارے گا تو لشکرِ اسلام سے اس کے قبیلہ والے اسے دیکھتے ہی محمد کو چھوڑ کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور اس طرح سب مل کر قریش کو فاتح بنا دیں گے۔ چنانچہ ابو عامر مشرکوں کے لشکر میں سے نکلا اور اپنے پچاس ساتھیوں کے ساتھ سامنے آیا۔ اس نے اپنے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو پکارا تاکہ وہ اسے دیکھ کر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دیں۔
اس نے پکار کر کہا " اے اوس کے لوگو! مَیں ابو عامر ہوں"۔
مگر اوس کے مسلمانوں نے اسے فوراً جواب دیا۔" اے فاسق، ہم تجھے خوب پہچانتے ہیں، خدا تیری مدد نہیں کرے گا۔"
اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ عکرمہ بن ابوجہل نے اپنے غلاموں کا دستہ لے کر مسلمانوں کے ہراول دستہ پر حملہ کیا جسے مسلمانوں نے صرف پتھراؤ سے ناکام بنا دیا۔ عکرمہ کے ساتھ ابو عامر بھی میدان سے بھاگ گیا۔
حضرت حمزہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے میدانِ جنگ میں نکلے اور کفار کے لشکر کے قلب کو چیرتے ہوئے کئی کافروں کو موت کی نیند سلا دیا۔
قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا۔ حضرت علی آگے بڑھے۔
کچھ دیر دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے اور بچاتے رہے۔ علی کے آخری حملہ نے طلحہ کی کھوپڑی میں شگاف ڈال دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعرہ اللہ اکبر

بلند کیا اور آنحضرت کی آواز کے ساتھ مسلمانوں نے اپنی آواز ملائی جس سے مسلمانوں کے قدم مضبوط ہو گئے۔ اتنے میں ابو دجانہ نکلے۔ ہاتھ میں رسول اللہ کی عطا کردہ تلوار اور سر پر موت کی سرخ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کافروں میں سے جو سامنے آیا زمین پر تڑپنے لگا۔

حضرت ابو دجانہ لشکر کفار کو چیرتے، لاشوں پر لاشیں گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہندہ (ابوسفیان کی بیوی) سامنے آگئی۔ ابو دجانہ کی تلوار ہندہ کے سر پہ پہنچ چکی تھی ہندہ اگرچہ اس وقت کفار میں مسلمانوں کے خلاف زبردست اشتعال پیدا کر رہی تھی اور قریش کو لڑائی پر ابھار رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ابو دجانہ اس بدترین دشمن کے سر پہ تلوار کا وار کرنے سے باز رہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کی اہانت ہے کہ اسے کسی عورت پر آزمایا جائے۔

قریش مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ آج انہوں نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اور جنگ چھیڑی تھی اور بدر کی طرح اس جنگ میں بھی مسلمانوں اور قریش کی تعداد و سامان میں کوئی توازن تھا نہ دونوں کے مقاصد میں یکسانیت۔ ایک گروہ جذبۂ انتقام میں مشتعل اور دوسرا فریق اپنے ایمان و اعتقاد کیلئے دشمنوں کی مدافعت اور وطن کی حفاظت کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار، انتقام کے دیوانے مسلمانوں کے مقابلہ میں قوت اور تعداد ہر ایک میں بڑھ کر تھے۔ لیکن قریش کی اس جمیل خواتین سولہ سنگھار کیے ہوئے ہیجان انگیز نغمہ و سرود سے اپنے لشکر کو ابھار رہی تھیں اور ان میں سے کئی ایک نے اپنے غلاموں سے انعام و اکرام کے وعدے کر رکھے تھے۔ قریش کی انہی حسیناؤں میں کسی نے اپنا بھائی بدر کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ کسی کا خاوند اس لاوے میں بہہ چکا تھا۔ کسی کا باپ اس چتا میں جل کر راکھ ہو چکا تھا اور جنگِ بدر میں جن مسلمانوں کی تلواریں قریش کے سرداروں کے دل و جگر میں پیوست ہو کر ان کی ہلاکت کا سبب ثابت ہوئیں ان مسلمانوں میں عرب کے شیر دل مجاہد حمزہ بن عبد المطلب ہیں جن کی تلوار سے ان حسیناؤں

کی سردار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ عتبہ مارا گیا، عتبہ کے ساتھ ہی ہندہ کا ایک بھائی اور چند رشتہ دار اپنے کئے کی سزا بھگت کر اوندھے منہ وادی بدر میں پڑے ہوئے تھے۔
حضرت حمزہ آج احد میں اپنی ہاشمیانہ ہیبت کے سائے میں دشمنوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے تھے۔ کفار کا مشہور شمشیر زن ارطاۃ بن عبد شرجیل بھی حمزہ ہی کے ہاتھ سے ختم ہوا۔ سباع بن عبد العزیٰ انہی کی تلوار سے کیفر کردار کو پہنچا۔ حضرت حمزہ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس کافر پر حمزہ کی تلوار کا سایہ پڑتا اس کی روح جواب دے کر ایک طرف چلی جاتی۔

قوی ہیکل دشمن کی صفیں بید کی طرح لچک اٹھیں

بدر میں جبیر بن مطعم کے چچا ہندہ کے باپ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے۔ جبیر نے اپنے حبشی غلام سے جس کا نام وحشی تھا معاملہ کیا کہ اگر تم حضرت حمزہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اسی وحشی سے ہندہ نے بھی وعدہ کیا تھا کہ " اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو میں تمہیں سونے چاندی سے لاد دوں گی "۔ چنانچہ احد کے میدان میں جس وقت حضرت حمزہ قریش کے قلب میں گھسے کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں تھا۔ جب حمزہ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں (حبشیوں کا خاص ہتھیار) تول کر ان کی طرف پھینکا جو ان کی ناف میں پیوست ہو کر پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی۔
حضور کے جان نثار صحابہ احد میں سات سو سے زائد نہ تھے۔ پھر بھی یہ اقلیت اپنے سے چار گنا زیادہ تعداد کے مقابل میں صف آرا تھی۔ قریش کی اکثریت وہمت و رفوج کے مقابلہ میں حضرت حمزہ، حضرت ابودجانہ نے جس ثبات قدم کا ثبوت دیا اس سے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کے سامنے قوی ہیکل دشمن کی صفیں بید کی طرح لچک اٹھیں۔ وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق گھما رہے تھے۔ ان قریش کو جن کی شجاعت و دلیری کے سامنے تمام عرب تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ان کی ہمت و جان نثاری کا اس سے اندازہ کر لیجئے کہ ان میں جونہی کسی کے ہاتھ سے علم گرنے کو ہوتا دوسرا بہادر لپک کر اس سے لے لیتا۔ قریش کا یہ قومی جھنڈا سب سے پہلے طلحہ بن ابو طلحہ پکڑے ہوئے تھا۔ جب حضرت علی نے اسے ٹھکانے لگا دیا تو فوراً عثمان بن ابو طلحہ نے اس کے ہاتھ سے لے لیا، عثمان حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تو ابو سعید بڑھا اور علم ہاتھ میں لیتے ہی فخر و غرور سے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ حضرت سعد بن وقاص نے اس پر تیر چلایا۔ تیر اس کے حلق میں لگا اور ابو سعید وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ابو سعید کے بعد قبیلہ عبدالدار کے نو جنگجو یکے بعد دیگرے علم لہراتے ہوئے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ جن کا آخری شمشیر زن اسی قبیلہ کا حبشی غلام صواب نامی تھا۔ جب اس کا دایاں ہاتھ قزمان کی تلوار سے کٹ گیا تو اس نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ قزمان نے اس کا یہ ہاتھ بھی الگ کر دیا تو صواب نے اپنی دونوں کہنیوں کے سہارے اسے سنبھالے رکھا۔ وہ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا مگر اس حالت میں بھی اپنے علم کی حرمت قائم رکھنے کے لئے اسے پشت کے نیچے دبائے پڑا رہا۔

جب قریش میں کوئی علم اٹھانے والا آگے نہ بڑھا تو وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے۔ اس بھگدڑ میں انہیں اپنی مہ پارہ نازنینوں کا خیال بھی نہ رہا جو مکہ سے ان کے ساتھ معرکہ کارزار میں اپنے حسن و جمال کی گرمی سے مشتعل کرنے کے لئے آئی تھیں جنہیں مسلمانوں نے اپنے نرغے میں لے لیا۔ اور قریش اس تباہ حالی میں ان مہ پاروں کو اپنے ہمراہ نہ لے جا سکے۔ مکی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو مدنی فوج نے اس کا تعاقب کیا۔ ادھر بائیں جانب مکی رسالہ بھی روک لیا گیا تھا اس کے سپہ سالار خالد بن ولید تھے۔ جونہی مکی فوج میں بھگدڑ مچی رسالہ بھی پس نشینی پر مجبور ہو گیا۔ چاہے ہماری بوٹیاں گدھیں نوچ کرلے جائیں۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کی پہلی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ہے جسے بعض اہل نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی مہارت سے تعبیر کرتے ہیں جس میں آپ نے

مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرما دیا جس کا ایک ایک فرد نشانہ بازی میں بے مثل تھا۔

مسلمان بڑھ کر لشکرِ کفار کے پڑاؤ تک جا پہنچے تھے۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کی بجائے مسلمان مالِ غنیمت کے لالچ میں مغلوب ہو گئے اور انہوں نے دشمن کے لشکر کو لوٹنا شروع کر دیا۔

ادھر جبل رماۃ پر متعین تیر اندازوں نے دیکھا کہ مکی فوج بھاگ کھڑی ہوئی ہے اور غنیمت لُٹ رہی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے۔ دستہ کے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلایا "چاہے کچھ ہو جائے تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' چاہے ہماری بوٹیاں گدھیں نوچ کر لے جائیں تب بھی نہ ٹلنا۔ لیکن اس کے باوجود چند آدمیوں کے سوا کوئی وہاں نہ ٹھہرا۔

فوج میں لڑائی کے وقت متعین مقام کو چھوڑنے کی سزا موت ہے اور قواعد وضوابط کی حکم عدولی بہت سنگین جرم تصور کی جاتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اپنی غلطیوں کی بنا پر قومیں شکست سے دوچار ہو جاتی ہیں۔

عقب میں متعین کئے گئے مسلمانوں نے مالِ غنیمت کی لالچ میں اپنا مقام چھوڑ کر نہ صرف سنگین غلطی کی بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی، اکابر صحابہ کو چھوڑ کر عام مسلمان یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ چنانچہ انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پرواہ نہ کی تو اس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔

مشرکین کے سپہ سالار خالد بن ولید نے دیکھا کہ درّہ پر متعین دستہ کے اکثر سپاہی مورچہ سے ہٹ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں تو اس نے موقع سے بر وقت فائدہ اٹھایا اور عقب سے

جبل رماۃ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ جن کے ساتھ چند آدمی رہ گئے تھے' اس حملہ کو روکنا چاہا۔
مگر کامیاب نہ ہو سکے اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے
غنیمت سمیٹنے والوں پر بھی ہلّہ بول دیا۔ لوگ لوٹنے میں مصروف تھے مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس
رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے
ہاتھوں مارے گئے۔ جو سپاہی ابھی ایک دور اندیش اور حوصلہ مند کی نگرانی اور ہدایت
کے مطابق دشمنوں کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے۔ اس لمحہ میں انہیں اپنے قائدِ لشکر کی
اتنی خبر نہ تھی کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ اور علمبردار تھے
ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا۔ اس پر کفار نے حضورؐ کی شہادت کا شور مچا دیا۔ اس سے مسلمانوں
میں اور زیادہ پریشانی پھیل گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس بدحواسی میں
دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اسی کش مکش میں آگئے اور
ان پر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون سنتا تھا
غرض وہ شہید ہو گئے اور حذیفہ نے ایثار کے لہجے میں کہا "مسلمانو۔ خدا تم کو بخش دے"۔
جونہی سرورِ دو عالمؐ کی شہادت کی آواز پڑی اس مقام کی طرف سیلاب کی مانند امڈ کر
جا پہنچے جہاں سے آنحضرتؐ فوج کی نگرانی فرما رہے تھے۔ چنانچہ جب کافروں کا لشکر امڈ کر
آپہنچا تو قریب کے مسلمان دائرہ بنا کر رسول اللہ کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ موت سے انہیں
محبت ہو گئی جس کے خوف سے وہ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور جب دیکھا کہ قریش کے
پھینکے ہوئے پتھروں سے رسولِ خدا کا چہرہ زخمی ہو کر دو دندان مبارک شہید ہو گئے ہیں،
لبوں پر زخم آگیا ہے اور خود کے دو حلقے .... رخساروں میں دھنس گئے
ہیں تو مسلمانوں کی نظر میں دنیا اور بھی حقیر ہو گئی ان کی قوتِ ایمان ہزار گنا بڑھ گئی۔ ہر مسلمان
نڈر دلیر کی طرح موت کے ساتھ کھیلنے کے لئے آمادہ تھا۔

ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں

آپ کے پاس صرف چودہ صحابہ رہ گئے تھے

جو اپنی جان کی بازی لگا کر آپ کو دشمنوں سے بچا رہے تھے، ہر طرف سے آپ پر پتھر اور تیر برسائے جا رہے تھے مگر رسولِ خدا بے مثال ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ یہ چودہ جان نثار صحابہ دشمن کے ہر وار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچاتے تھے اور خود زخمی ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ انصاری صحابہ ہیں سب کے سب آپؐ پر نثار ہو کر شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر طرف سے حملہ ہو رہا تھا۔ آپؐ کے جان نثار صحابہ نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ آپؐ ان کے ہمراہ وہاں سے آگے بڑھے۔ ذرا آگے گئے تو اس کھائی میں گر پڑے جو ابو عامر نے مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے کھود کر گھاس سے ڈھانک رکھی تھی۔ حضرت علی اور حضرت طلحہ نے فوراً آپؐ کو سہارا دے کر وہاں سے نکالا۔ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ اُحد پر تشریف لے گئے جہاں دشمنوں کے تعاقب سے قدرتی طور پر حفاظت حاصل تھی۔

اُمِ عمارہ انصار کے خاندان سے تھیں۔ دوپہر تک ان کا یہ مشغلہ تھا کہ اپنے مشکیزہ میں پانی بھر کر زخمی مسلمان سپاہیوں کو پانی پلا رہی تھیں اور دوپہر کو جب دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغے میں آجانے کی وجہ سے اس حالت تک آپہنچے ہیں تو مشکیزہ پھینک کر تلوار سونت لی اور قریش پر ٹوٹ پڑیں۔ تیر اندازی کا موقع آیا تو ان کے پاس کمان اور ترکش میں تیر بھی تھے۔ تیروں سے کفار پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح سرورِ کائنات کی ذات کو دشمنوں سے بچاتی ہوئی زخمی ہو کے گر پڑیں۔

حضرت ابو دجانہ نے آپ پر جھک کر اپنا وجود آنحضرت کے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کیا جو تیر سرورِ کائنات کی طرف آتا وہ اسے اپنی پشت پر لے لیتے۔

حضرت ابو طلحہ مشہور قدر انداز تھے، انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ انہوں نے ڈھال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی گردن اٹھا کر دشمن کے لشکر کی طرف دیکھتے تو ابو طلحہ عرض کرتے کہ "آپ گردن نہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے' یہ میرا سینہ سامنے ہے۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کھڑے ہوئے دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے۔ رسولِ خدا اپنے دستِ مبارک سے انہیں تیر عنایت فرماتے اور زبانِ مبارک سے فرماتے "اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ قربان، یہ لو تیر اور کافروں پر چلاؤ۔"

اسی ہلچل اور اضطراب میں کئی ایک صحابہ نے تو بالکل ہمت ہار دی، لیکن یہاں تو جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتہ نہ تھا۔ ابن نضر لشکرِ کفار سے لڑتے لڑتے کافی آگے نکل آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور پہاڑ کے کنارے بڑے افسردہ بیٹھے ہیں۔ ابن نضر نے پوچھا یہاں کیا کر رہے ہیں؟ بولے، اب لڑ کر کیا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی ہے۔ ابن نضر نے کہا' ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے' اٹھئے جس مقصد کی غرض سے رسولِ خدا نے جان دی ہے آپ لوگ بھی اُسی مقصد کے لئے زندگی نثار کر دیجئے۔" اس کے بعد تینوں جاں نثار دلاور اور اسلام کے نام لیوا دشمنوں پر پل پڑے۔ ابن نضر فوج میں گھس گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ جنگ میں ان کا سا واسطہ کسی کو نہ پڑا ہوگا۔ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ زخموں کی کثرت کی وجہ سے انہیں شناخت کرنا مشکل ہوگیا۔ آخر ان کی ہمشیرہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی کی انگلی پر ایک نشان کی وجہ سے انہیں پہچانا۔

جانثارانِ خاص برابر لڑتے تھے لیکن نگاہیں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈتی تھیں، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک کی نظر پڑی۔ چہرہ مبارک خود سے چھپا ہُوا تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت کعب نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہیں"۔ یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ جتھوں کے جتھے ہجوم کرکے بڑھتے رہے لیکن حضرت علی کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی اور کفار کا یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔

ایک دفعہ ہجوم ہُوا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون مجھ پر جان دیتا ہے...؟" زیاد بن مسکن پانچ صحابہ لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیاد کو یہ شرف حاصل ہُوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کا لاشہ میرے قریب لاؤ، کچھ کچھ جان باقی تھی، حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر مُنہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دے دی۔

مسلمانوں کو اس طرح مصروف پاکر خالد بن ولید نے ایک اور حملہ کر دیا جس کا رخ حضرت عُمر اور کچھ دیگر صحابہ نے پھیر دیا مگر مسلمان یہاں سے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اب وہ اُحد کے ایک بلند ٹیلے پر جا پہنچے جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخموں کی شدت سے بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔

غزوہ بنو نضیر

اِس انداز سے نکلے کہ جشن کا دھوکہ ہوتا تھا

رسول اللہ نے دُور اندیش مفکر کی حیثیت سے فیصلہ کیا کہ اگر اہل مدینہ کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت مٹ گئی تو مشرکین کے قبائل مدینہ میں داخل ہو جائیں گے. اور اس کے نتیجہ میں شہر کے اندر خانہ جنگی سے مدینہ کی تباہی کا امکان بہت زیادہ تھا.
اس لئے آپ نے یہ خیال کیا کہ بہتر ہے کہ ایسا موقعہ آنے سے قبل ہی کچھ خاص مہربانوں کا امتحان کر لیا جائے۔
مدینہ کے یہود بنو نضیر، بنو عامر کے بھی حلیف تھے جن کے دو آدمی شبہ میں حضرت عمر بن امیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور بنو نضیر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان معاہدہ بھی تھا۔ آنحضرت انہی مقتولین کی دیت کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے. یہودیوں کا یہ محلّہ مدینہ سے باہر تقریباً دس کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ دس صحابی تھے

جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے ۔
پہلے تو بنی نضیر اس میں اپنی بڑائی سمجھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ لیکن ذرا دیر بعد ان کے رویئے میں تبدیلی آنے لگی۔ ان میں سے کچھ لوگ الگ ہو کر آپس میں آپؐ کے خلاف

مشورہ کرنے لگے۔ آج ان کے پاس ان کے اپنے مقتول کعب بن اشرف کا زخم پھر بھر آیا۔ اسی طرح ایک دوسرے سے اشارے کرتے کراتے ان میں سے عمرو بن حجاش بن کعب اس چھت پر چڑھا جس کی دیوار کے ساتھ نبی اکرمؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے تاکہ اوپر سے بڑا پتھر آپ پر گرا دے۔

رسول اللہؐ بھی ان چالوں کو دیکھ رہے تھے اور اسی اثنا میں وحی الٰہی کے ذریعے آپ کو پتہ چل گیا کہ یہودی کیا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے دیکھا کہ حضور وہاں سے اٹھ کر تشریف لے گئے ہیں۔ صحابہ نے سمجھا شاید کسی بہت اہم کام کے لئے گئے ہیں۔ انتظار کرتے کافی وقت گزر گیا اور آپ واپس نہیں آئے۔ اب صحابہ کو فکر ہوئی چنانچہ وہ وہاں سے اٹھ کر آپ کی تلاش میں چلے راستے میں انہوں نے ایک شخص کو مدینے کی طرف سے آتے دیکھا۔ تو ان کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مدینہ میں ہیں۔ اس پر سب صحابہ حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو ساری بات بتائی کہ کس طرح یہودیوں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کرنا چاہا اور ان کی بدنیتی کا تذکرہ فرمایا جیسے یہ حضرات بھی موقعہ پر موجود ہونے کی وجہ سے دیکھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ کی آگاہی سے ان کے سامنے بھی وہی حقیقت واضح ہو گئی جو رسولِ خدا پر ان کی بصیرت وحی الٰہی کے ذریعے ظاہر ہو چکی تھی

اس بات سے یہودیوں اور مسلمانوں کا معاہدہ ٹوٹ گیا اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حق حاصل ہو گیا کہ یہودیوں کے خلاف کارروائی کریں۔

رسولِ پاک نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کے ذریعے بنو نضیر کی طرف یہ پیغامِ جنگ بھیجا۔
"ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ تم نے آپس میں کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص مدینہ میں دیکھا گیا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔"

بنو نضیر یہ سن کر دم بخود رہ گئے۔ اور اس کے سوا ان سے کوئی جواب نہ بن آیا۔

"اے ابن مسلمہ! قبیلہ اوس کے کسی فرد سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اپنے صاحب کی طرف سے ہمیں ایسا پیغام پہنچائے۔"

بنو نضیر کا یہ اشارہ اس عہد کی طرف تھا جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے قبل خزرج کے قبیلہ کے خلاف یہود اور قبیلہ اوس ایکدوسرے کے حلیف تھے۔ ان کے جواب میں ابن مسلمہ نے صرف یہ فرمایا کہ "دلوں کی حالت وہ نہیں رہی"

مگر بنو نضیر مقابلہ کرنے پر اتر آئے۔ مدینہ میں سب سے بڑے دھوکہ باز اور منافق عبداللہ بن ابی جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا، یہود کو مزید اشتعال دلانے کے لئے ان کے پاس دو ایلچی بھیجے "کہ کہیں تم اپنا مال اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ سے نکلنا منظور کر لو بلکہ ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں ڈٹے رہنا۔ مسلمان تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور بہت جلد میرے ساتھیوں میں دو ہزار مسلح افراد اور گرد و نواح کے قبائل انہی حلقوں میں تمہاری مدد اور حمایت کیلئے پہنچ رہے ہیں۔"

چنانچہ بنو نضیر نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ "ہم شہر نہیں چھوڑیں گے آپ سے جو ہو سکے کر لیں۔"

یہ کہنے کے بعد انہوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے ساتھیوں سے کہا "آئیے ہم اپنے اپنے قلعوں کو مضبوط کر کے ان میں بیٹھ جائیں۔ محاصرین پر پتھراؤ کیلئے چھتوں پر پتھر کے ٹکڑے جمع کر لیں۔ ہمیں اپنے گھراؤ پر کوئی خطرہ نہیں۔ غلّہ کے ذخیرے موجود ہیں جو ایک سال تک ختم نہیں ہو سکتے۔ پانی کے قدرتی وسائل ہمارے بس میں ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اتنی سکت نہیں کہ وہ سال بھر ہمارا محاصرہ کر سکیں۔"

بنونضیر اپنے سردار حیی بن اخطب کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے قلعہ بند ہو گئے۔ غرض جب یہودیوں نے انکار کر دیا تو دس روز گزرنے پر آپ نے صحابہ کے لشکر کے ساتھ آکر بنی نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی قلعہ کی دیواروں پر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہے مگر باہر نکل کر مقابلہ نہیں کرتے تھے۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ کاٹ کر جلوانے شروع کر دیئے تاکہ مدینہ سے ان کی اقتصادی دلچسپیاں ختم ہو جائیں جن کی وجہ سے یہودی جنگ جاری رکھنے کیلئے یوں قدم جمائے بیٹھے ہیں۔

اس پر یہودی منّتیں کرنے پر اتر آئے کہ "اے محمد! آپ تو دوسروں کو فساد کرنے سے منع فرماتے ہیں پھر خود ہی ہمارے ہرے بھرے پودے کاٹ کر جلانا کہاں کا انصاف ہے؟" ان کی تنبیہہ کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

(اے مسلمانو! ان کے) کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ہاتھ نہ لگایا اور بدستور ان کو جڑ سمیت کھڑا رہنے دیا (تو یہ سب کچھ) خدا ہی کے حکم سے تھا اور خدا کو منظور تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

اِدھر ان کی حمایت کے لئے نہ تو ابن ابی کے دو ہزار مسلح افراد میدان میں نکلے نہ ان کی مصیبت کی طرف دیگر قبائل نے کوئی توجہ دی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی صورت میں وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ اپنے انجام سے ڈر کر خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ "ہم پر رحم کیجئے اور ہماری اور ہمارے بال بچوں کی جان بخشی فرمائی جائے اور ہمیں اپنا سامان ساتھ لے جانے کی اجازت اگر مل جائے تو ہم شہر خالی کئے دیتے ہیں۔"

رسول اللہ نے اجازت دے دی کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں اور مدینہ منورہ سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان میں بعض

بڑے سردار بھی تھے۔ سلآمہ بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حیی بن اخطب خیبر چلے گئے، ان کے علاوہ کچھ لوگ تو خیبر میں آباد ہو گئے اور کچھ شام کی سرحدوں پر جا کر بس گئے۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس انداز سے نکلے کہ جشن کا دھوکہ ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا تھا۔ گانے والی عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں۔ اہلِ مدینہ کا بیان ہے کہ اس شان و شوکت کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی، ہتھیاروں کا ذخیرہ جو ان لوگوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

واقعہ رجیع

بئرمعونہ

خُدا کی قسم! مجھے یہ گوارا نہیں کہ میری جگہ
رسُول خُدا ہوں اور انہیں کانٹا بھی چبھے

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرف کا خیال رکھتے تھے تا کہ بے خبری میں کوئی دشمن حملہ کر کے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا دے ۔ آپ کو جونہی اطلاع ملتی کہ کوئی قبیلہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے تو آپ فوراً یا تو خود اس کی طرف نکلتے یا صحابہ کی مسلح جماعت بھیجتے تا کہ اس کی طاقت ختم کر دیں ۔ اسی طرح جن قبیلوں کے متعلق آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے صحابہ کو بھیجتے تا کہ وہ وہاں تبلیغ کریں اور انہیں دین سکھائیں اور اس تبلیغ سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے پر مشرکین کے خلاف ان کا تعاون حاصل کیا جا سکے ۔ جیسا کہ بیعت عقبہ کے موقعہ پر اوس اور خزرج کی درخواست پر رسول پاکؐ نے ان میں اپنے نمائندے مقرر کیے ۔

غزوہ احد کے بعد ایک دن قبیلہ عضل اور قارہ کے چند آدمی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے ۔ چند لوگوں کو ہمارے پاس بھیجئے جو انہیں اسلام کے عقائد اور احکام سمجھائیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھیجدیا ۔ مگر جونہی یہ رجیع کے مقام پر پہنچے تو کفار نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور شور مچا کر اپنے قبیلے ہذیل کو بلا لیا تا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کریں قبیلہ ہذیل کے دو سو مسلح افراد وہاں آ گئے اور چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا مسلمانوں نے بھی تلواریں سونت لیں ۔

ھذیل نے مسلمانوں سے کہا " ہم خود نہیں قتل کرنے کی بجائے اہل مکہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں ! یہ سن کر مسلمانوں نے اشاروں میں طے کر لیا کہ اہل مکہ جیسے دشمنوں کے ہاتھ قید ہونے سے بہتر ہے کہ مقابلہ کرتے ہوئے انہی کے ہاتھوں قتل ہو جائیں "

چنانچہ یہ مسلمان اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے کی بجائے مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے اور قبیلہ والوں سے مقابلہ کرتے ہوئے تین مسلمان شہید ہو گئے اور تین کو گرفتار کر کے مکہ لے جایا گیا ۔

راستے میں جناب عبداللہ بن طارق کافروں کے ہاتھ سے نکل گئے اور تعاقب پر تلوار سونت کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر کافروں نے مقابلہ کرنے کی بجائے پتھراؤ سے انہیں شہید کر دیا۔

اور حضرت زیدؓ و خبیبؓ کو مکّہ لے گئے۔ حضرت زید بن دثنہ نے بدر میں قریش کے امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔ انہیں امیہ کے بیٹے صفوان نے خرید کر قتل کرنے کے لئے اپنے غلام نسطاس کے حوالے کر دیا۔

چنانچہ انہیں مقتل (قتل کرنے والی جگہ) پر پہنچا دیا گیا تو ادھر سے ابوسفیان آپہنچا اس نے زید سے پوچھا،

زید" آپ کو یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اس وقت تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کیا جا رہا ہوتا اور تو اپنے گھر والوں کے ساتھ آرام کر رہا ہوتا"۔

زید نے کہا" خدا کی قسم! مجھے یہ گوارا نہیں کہ میری جگہ رسولِ خدا ہوں اور انہیں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں!"

ابوسفیان نے حیرت سے کہا" میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کے دوست محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رفیقوں سے بڑھ کر اپنے دوست کو چاہتے ہوں۔"

اس کے بعد نسطاس کی تلوار نے زیدؓ کے خون سے مکّہ کی گرم زمین کو سیراب کر دیا زیدؓ نے اس راہ میں جس طرح جان دی اس سے ثابت ہوا کہ دین اور خدا کے نبی کی محبت میں جان دینا کتنا آسان ہے۔

حضرت خبیبؓ کو کئی روز قید میں رکھنے کے بعد قتل گاہ میں لایا گیا۔ آج انہیں پھانسی کے تختہ پر لٹکایا جانا ہے۔

حضرت خبیب کافروں سے اجازت لے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ان سے یوں مخاطب ہوئے۔

"خدا کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مجھے مرنے سے ڈر جانے کا الزام دو گے کہ میں شاید موت کے ڈر سے نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں اور دیر تک نماز پڑھتا"

ایک بدبخت جب ان کے گلے میں پھانسی کی رسّی ڈالنے کے لئے تیار ہوا تو آپ نے غضب ناک ہو کر بلند آواز میں یہ دعا مانگی۔

"یا اللہ ان میں سے ایک ایک کو اپنی پکڑ میں لے لینا۔ سب کے سب تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر جائیں۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے"

یہ سن کر کافروں کے دل بیٹھ گئے کہ کہیں انہیں غیبی عذاب نہ گھیرے اور سب پہلو کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ ذرا سنبھلے تو حضرت خبیبؓ کے گلے سے پھانسی کی رسّی کھول کر انہیں قتل کرا دیا۔ حضرت زیدؓ کی طرح حضرت خبیبؓ نے بھی دین اور خدا اور رسولؐ کی محبت پر جان نثار کر دی۔

قبیلہ ھذیل کے ظالموں نے جس فریب کے ساتھ ان چھ مومنوں کو شہید کیا۔ مسلمانوں کے لئے وہ بے حد رنج و ملال کا باعث بن گیا۔ رسول اللہ اس خیال سے بھی فکرمند ہو گئے کہ اگر اس حادثہ سے شہ پاکر عرب مسلمانوں کو پامال کرنے کے لئے جمع ہو گئے تو کیا ہوگا؟

اسی دوران میں قبیلہ کلاب کا سردار ابوبرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ایک وفد میرے ساتھ کر دیجئے جو وہاں اسلام کی دعوت پیش کرے۔ ادھر ھذیل کا لگایا ہوا زخم ابھی تازہ تھا۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے خطرہ ہے کہ اہل نجد میرے صحابہ کے ساتھ غداری نہ کریں۔" تب ابوبرا نے عرض کیا "میں ان کا ضامن ہوں۔" ابوبرا کو اپنی قوم میں بڑا مقام حاصل تھا۔

آپ نے منظور فرمایا اور حضرت منذر بن عمرو کی نگرانی میں ستر مسلمانوں کا وفد وہاں بھجوا دیا۔ اس وفد نے بیر معونہ پہنچکر قیام کیا۔ حضرت حرام بن ملحان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا۔ عامر نے خط تک کھولا نہیں اور حضرت حرام کو قتل کر دیا۔

اب عامر نے قبیلہ بنی عامر کو پکارا کہ وہ ان تمام صحابہ کو قتل کر دیں۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا کہ جس کو ابوبرا نے ضمانت دی ہے ہم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ تب بھی اس نے دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کو قتل کرنا واجب سمجھ کر ان سب کو گھیر لیا اور ان معصومین نے خود کو اس بے بسی میں پاکر تلواریں سونت لیں اور ستر صحابہ میں سے دو مسلمان زندہ بچ سکے۔ کعب بن زید جنہیں عامر نے بے روح سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ صحیح سلامت مدینہ تشریف لے آئے۔

اور حضرت عمرو بن امیہ جو قید کر لئے گئے۔ جب عامر کو ان کے ضمری ہونے کا علم ہوا تو ان کی چوٹی کے بال کاٹ کر غلام کی حیثیت سے آزاد کر دیا کہ ایک غلام آزاد کرنے کا فرض اس کی ماں کے ذمہ تھا جو عامر نے اس صورت میں ادا کیا۔

حضرت عمرو مدینہ روانہ ہوئے اور مقام قرقرہ پر پہنچے تو آرام کرنے لئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مدینہ کی طرف سے دو آدمی آرہے تھے وہ بھی اسی درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لئے آ بیٹھے۔ عمرو کو معلوم ہو گیا کہ یہ بنی عامر کے آدمی ہیں چنانچہ انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا. مگر ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں آدمیوں کو امان دے چکے تھے۔

چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تو رسول اللہ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا آپ کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ دونوں آدمی آپ کی پناہ میں تھے۔ یہ بات حضرت عمرو کو معلوم نہ تھی. اس لئے حضور نے دونوں کا خون بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا۔

بیر معونہ کے اس حادثہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور زیادہ صدمہ پہنچا۔

مدینہ کے یہود اور منافقین جن کے ہاں مسلمانوں کی ہر مصیبت پر خوشی کے شادیانے بجنے لگتے۔ اُحد کے بعد بیر معونہ کے واقعہ نے ان کی خوشی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اگرچہ حمرا الاسد میں کامیابی کا ناسور ان کے دلوں میں رسنا بند نہ ہوا تھا اور نہ رسولِ خدا کی هیبت ان کے دلوں سے ختم ہوئی تھی۔

جنگ خندق

عرب کا ایک ایک فرد رسولِ خدا سے کئی کئی
وجوہ سے انتقام لینے کے لیے سر بکف

کل جو شخص اپنے وطن سے ایمان اللہ کے سوا
کوئی اور دولت لیے بغیر نکل آیا تھا۔

کہ مسلمانوں کے دِل دھل گئے۔

لیکن جب آپؐ نے شکمِ مبارک کھولا تو ایک کی بجائے
دو پتھر تھے۔

اچھا جاؤ سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو۔

کافروں میں سے ایک ایک جاندار
لرز اٹھا۔

خون کے پیاسے

رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب نژاد ہونے کی وجہ سے اپنے ملک میں بسنے والی قوموں کے شعور سے پوری طرح واقف تھے اور ان سے ہمہ وقت خائف کہ نہ معلوم دشمن عرب کس وقت مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ قریش مکہ بدر کے مقتولین کی وجہ سے ان کے خون کے پیاسے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ سے نکالے جانے کے غصہ میں ان کے دشمن، بنو غطفان و بنو ہذیل ان سے انتقام کے درپے اور قبائلی قرابت کی وجہ سے تمام عرب ایک دوسرے کی حمایت میں ہر لمحہ تیار۔

عرب کا ایک ایک فرد رسولِ خدا سے کئی کئی وجوہ سے انتقام لینے کے لئے سربکف' انہیں یہ دُکھ بھی کھائے جا رہا تھا کہ کل جو شخص اپنے وطن سے ایمان باللہ کے سوا کوئی اور دولت لئے بغیر نکل آیا تھا اس نے مدینہ میں پانچ سال کے اندر اس قدر قوت حاصل کر لی کہ گردونواح کے تمام بڑے شہر اور صحرائے عرب کے ہر ایک قبیلہ میں اپنی دھاک بٹھالی۔

صدیاں گزار دیں

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین میں تمام عرب سے زیادہ یہود کی دشمنی خطرناک تھی جو اپنی علمی بصیرت کی روشنی میں یہ جاننے کے باوجود کہ ایک نہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے سامنے ان (یہود) کی سرداری کا چراغ بجھ کر رہے گا۔ اگرچہ وہ خود بھی توحید کا پرچار کر رہے تھے۔ ادھر انصار کے ساتھ ان کی شروع سے رقابت تھی جن پر غالب آنے کی امید میں انہوں نے صدیاں گزار دیں۔

اب تک مذہبی اعتبار سے یہود کو ایک قسم کی بڑائی حاصل تھی اور سب لوگ ان کو خدا پرستی اور دینداری کے اعتبار سے قابل عزت سمجھتے تھے لیکن اب اسلامی تحریک پھیلنے سے انکی غلط مذہبیت اور پیشہ ورانہ خدا پرستی کا پول کھلتا جاتا تھا۔ توحید کی دعوت جس انداز میں آپ نے پیش فرمائی وہ دلوں میں یوں بس گئی جیسے قبول کرنے والوں نے خود میں اپنی پہلی حالت سے بہت کچھ برتری دیکھی۔ اس طرح ان عالموں اور پیروں کا کاروبار مدھم پڑتا جاتا تھا۔

اور جونہی آنحضرت نے قوت حاصل کی پہلے یہود بنو قینقاع کو مدینہ سے نکلنے کے لئے مجبور فرمایا اور ان کے بعد (یہود) بنو نضیر کو انہی قدموں پر چلنے کے جرم میں شہر سے باہر دھکیل دیا۔ سوال یہ ہے کیا یہود کے یہ دونوں قبیلے جب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے آبائی وطن بیت المقدس کی سمت لوٹے تو اپنے دل میں غیظ و غضب کے بغیر چلے گئے ؟ کیا انہوں نے یہ ارادہ نہ کرلیا ہوگا کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنا انتقام لینے کے لئے قبائل عرب کو بھڑکایا جائے؟

اسلام کو پورے طور پر ختم کرنے کی ایک اور کوشش

بنو نضیر کے دل میں غصے کی جو چنگاری سلگ رہی تھی اسے ہوا دینے کے لئے انہوں نے رو رو کر عرب سے التجائیں کیں۔ ابن ابوالحقیق کے دونوں بیٹے (سلام و کنانہ) اور حیٔ بن اخطب یہ تینوں بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے اور بنو وائل کے دو بڑے سردار ہوزہ بن قیس اور ابو عمارہ ایک وفد کی صورت میں قریش مکہ کے ہاں پہنچے۔ جنہوں نے حیٔ بن اخطب سے دریافت کیا کہ بنو نضیر کے عزائم کیا ہیں ؟

حیٔ نے بتایا کہ وہ خیبر اور مدینہ کے درمیان پڑاؤ ڈالے تمہاری راہ تک رہے ہیں تاکہ قریش کے ساتھ مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوں اور بنو قریظہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فریب دینے کے لئے ابھی تک مدینہ ہی میں موجود ہیں اور موقعہ کے منتظر ہیں۔

اس مقام پر قریش اس فکر میں ڈوب گئے کہ انہیں محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حملہ کرنا مناسب بھی ہے یا نہیں۔ ان کا اختلاف ان کے ایمان باللہ کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔ اب ان کی دعوت کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ حق پر ہیں ؟

چنانچہ اس موقع پر قریش مکہ نے ان یہود سے پوچھا :۔

اے برادران یہود ! آپ حضرات کو اہل کتاب ہونے میں اولیت حاصل ہے آپ کو ہمارا اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اختلاف بھی معلوم ہے۔ ہم آپ

سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ہمارے حریف کا؟

یہود نے جواب دیا" آپ کا دین اسلام سے بہتر ہے اور ان کے مقابلے میں آپ لوگ حق بجانب ہیں"۔ ا

چنانچہ قریش کے ساتھ سازش کے بعد طے پایا کہ حملہ کیا جائے اور تیاری کے لئے تین مہینوں کی مہلت طے کر لی گئی۔ حیی بن اخطب اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے قریش مکہ ہی کے ساتھ معاہدہ کافی نہ سمجھا بلکہ دیگر قبائل کے پاس بھی چل کر گئے۔

غطفان، بنو مرہ، بنو فزارہ، اشجع، سلم، بنو سعد، بنو اسد اور ان کے ہر اس قبیلہ کے پاس جس کا کوئی ایک فرد بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا یہود نے ہر ایک قبیلہ کو مسلمانوں سے اپنا اپنا بدلہ لینے کے لئے بھڑکایا اور انہیں یہ کہہ کر تسکین دی کہ اس معاملہ میں قریش بھی ہمارے ساتھ ہیں اور اس حملہ پر انہیں فتح و نصرت کا یقین دلانے میں انہوں نے کوئی کسر باقی اٹھا نہ رکھی اور اسلام کو پورے طور پر ختم کرنے کی ایک اور کوشش کی۔ یہ کوشش غزوۂ احزاب یا غزوہ خندق پر ختم ہوئی۔

بے لشکرِ جرّار

بنو نضیر اپنی سازشوں میں کامیاب ہو ہی گئے۔ چاروں طرف سے کفار کے لشکر ہی لشکر امڈ آئے۔ ابو سفیان مکہ سے چار ہزار مسلح نوجوان لے کر نکلا لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار تیز رفتار اونٹ اور بے شمار جنگی ساز و سامان بھی شامل تھا۔ عثمان بن طلحہ کو علم برداری کا منصب عطا ہوا۔

بنو فزارہ کے بے شمار نوجوان نکلے جن کے پاس سواری میں ایک ہزار تیز رو اونٹ تھے، ان کا سپہ سالار عینیہ بن حصن بن حذیفہ تھا۔ قبیلہ اشجع اور مرہ سے ہر ایک کے چار چار سو بہادر نکلے۔ ان کے امیر لشکر مسعر بن رخیلہ اور حارث بن عوف تھے۔ قبیلہ بنو سلیم جنہوں نے قرقرۃ الکدر کے مقام پر اپنے نکالے جانے کی سزا پائی تھی۔ سات سو سورما ہمراہ لیکر

آپہنچے۔ اسی طرح بنو سعد اور انہی کی مانند بنو اسد، سب کی مجموعی تعداد بارہ ہزار کے قریب ہو گئی۔ اس لشکر کا سپہ سالار اعظم ابو سفیان تھا۔

مدینہ منورہ میں تمام خبریں سنی جاتیں۔ مسلمان ڈر رہے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لشکرِ جرّار انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ کبھی خیال گزرتا کہ عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی فوج آج تک یک جا نہیں ہوئی اور فوج بھی ایسی جو تعداد و اسلحہ، سواری اور رسد کی اس قدر قوت رکھتی ہو۔ بدر اور اُحد کی لڑائیوں کی شدت کے باوجود خطرہ اور آزمائش کا موقعہ اس سے قبل شاید ہی ہُوا ہو۔ یہی وہ معرکہ ہے جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

کہ مسلمانوں کے دل دہل گئے تھے۔ (احزاب)

آپ دفاعی امور کو ہمیشہ رازداری میں رکھتے تھے۔

رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خفیہ پیغام کے ذریعے ذوالقعدہ ۵ھ میں اطلاع ملی کہ قریشِ مکہ بہت بھاری لشکر لیکر مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے چل پڑے ہیں۔ آپ لشکروں کی رفتار سے واقف تھے۔ احد کے وقت بھی آپ کو مکی فوج کی روانگی کی جب اطلاع ملی تھی تو آپ نے ان کے پہنچنے کا وقت درست متعین کرایا تھا۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی بجائے مدینہ منورہ کے اندر رہ کر مدینہ کا دفاع کیا جائے۔ آپ کی بھی یہی رائے تھی کہ اس مرتبہ مدینہ کا دفاع مدینہ کے اندر رہ کر کیا جائے اور دشمن کی زاید طاقت کو استعمال ہی نہ ہونے دیا جائے۔ آپ کو صرف چھ دنوں کی مہلت ملی تھی۔ حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ مدینہ کی داخلی قوت کو یکجا کر کے شہر کے اردگرد خندق کھود لی جائے۔ خندق لڑائی بجائے خود فن ہوتی ہے۔ محض خندق کھودنا ہی مقصود نہیں ہوتا خندق کے ایک ایک قدم کو اگر دفاعی افواج کی گہرائی کے موافق نہ رکھا جائے تو حملہ آور فوج چند شہتیروں یا چند درختوں کے تنے رکھ کر خندق کے اوپر سے گزر سکتی ہے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہوں تو خندق کو مٹی اور پتھر سے پُر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے سپہ سالار اعلےٰ کے لئے ذاتی طور پر خندق

جنگ کے تمام پہلوؤں سے پوری واقفیت ضروری ہے۔ ورنہ خندق نقصان دہ ہو سکتی ہے
خندق کی لمبائی چوڑائی، اس کو کھودنے پر کتنے آدمیوں کے کتنے دن صرف ہوں گے اور انہیں
ہر روز کتنے گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ اس کی سمت، اس کے ہر موڑ کا دوسرے موڑ سے رابطہ۔ فوج میں
خندق کے مختلف حصوں کو بانٹنا اور کمانڈروں کے مقامات کا تعین۔ یہ تمام ایسے امور ہیں جو
اگر درست حل نہ کیے گئے ہوں تو خندق مصیبت بن کر شکست کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ یہاں
یہ بات قابل ذکر ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر بھی سب سے پہلے رسالت مآب نے رائے دی
تھی کہ اہل مدینہ شہر میں قلعہ بند ہو کر موقع کے منتظر رہیں تاکہ دشمن کے حملہ پر مقابلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ
آپ کے ذہن میں اس طرح کا دفاع پہلے سے موجود تھا۔ آپ دفاعی امور کو ہمیشہ رازداری
میں رکھتے تھے اور مختلف ذرائع سے کفار کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیوں سے برابر باخبر
رہتے تھے رجب ۲ھ جب آپ نے قریش کی سرگرمیوں کا پتہ چلانے کے لئے عبداللہ بن جحش کو
نخلہ کی طرف بھیجا تو اسے زبانی کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا بلکہ ایک بند خط دیا گیا اور پھر فرمایا تھا
"اسے دو دن کے سفر کے بعد کھولنا اور اس میں جو احکامات لکھے ہیں ان پر پوری طرح عمل کرنا۔"
لگتا ہے اسی طرح آپ کے ذہن میں شہر کا ...... دفاع پہلے سے موجود تھا اور حضرت
سلمان کے خندق بنانے کے مشورے اور تمام صحابہ کی تائید کی بنا پر اپنے اس خیال کو
پورا کرنے میں بھرپور مدد ملی۔

جاڑے کی راتیں۔ تین دن کا فاقہ اور خندق کھودنے میں صحابہ اور رسولؐ اللہ مصروف ھیں
چنانچہ خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔ مدینہ منورہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان
کا سلسلہ تھا جو شہر کی حفاظت کا کام دیتا تھا۔ صرف شام کی طرف رخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر اس مقام میں خندق کی تیاریاں
شروع کر دیں۔ یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدود خود قائم
کئے اور اس کی بنیاد رکھ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق پانچ گز

میں مکمل ہوئی۔ جس طرح مسجد نبوی بنتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ اینٹیں اور پتھر ڈھوتے رہے تھے۔ آج بھی وہی ایمان افروز منظر ہے۔ جاڑے کی راتیں ہیں۔ تین دن کا فاقہ ہے۔ صحابہ کرام اپنی پشتوں پر مٹی لاد لاد کر لاتے ہیں اور خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زمین کی کھدائی اور مٹی ڈھونے میں صحابہ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ ایک جگہ کھدائی کرتے ہوئے بہت سخت پتھریلی زمین آگئی۔ صحابہ نے بہت کوشش کی مگر پتھر نہیں ٹوٹا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے کدال اپنے دستِ مبارک میں لی اور اس پتھر پر ماری۔ کدال پڑتے ہی وہ پتھر ریت کی طرح ذرّہ ذرہ ہو گیا۔

آپ نے نو ہزار گز لمبی خندق جو کم از کم بارہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی تھی اسے چھ دن میں مکمل کیا۔ اس قدر کھدائی اتنے کم عرصہ میں اس وقت شاید ہی کسی مقام پر کی گئی ہو۔

خندق عربوں کے لیے نئی چیز تھی۔

عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں اکٹھا کر دیا گیا اور خندق کے اندرونی کنارے پر پتّھر کے ایسے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کر دیئے گئے جو وقت پڑنے پر دشمن پر برسائے جا سکیں۔ اب مدینہ حملہ روکنے کے لئے تیار تھا۔ مشرکوں کا بہت بڑا لشکر مدینے کے سامنے پہنچ گیا۔ جس کی مجموعی تعداد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔ اس میں عرب کے سارے قبیلے شریک تھے اور بڑی تیاریوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے تھے اور احد کے قریب پڑاؤ ڈالا اور وہاں تین دن تک پڑاؤ ڈالے رکھا۔ جیسے ہی یہ لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نکلا انہیں اپنے اور مسلمانوں کے بیچ میں ایک بہت بڑی خندق نظر آئی۔ عربوں کے لئے یہ نئی چیز تھی۔ اس کو دیکھ کر ان کا غصہ اور زیادہ بڑھ گیا مگر وہ بالکل بے بس تھے۔ اس خندق نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ وہ تو گھر سے یہ سوچ کر نکلے تھے کہ مدینہ پہنچتے ہی مدینہ کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے اور مسلمانوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا

چنانچہ وہ خندق کو دیکھ کر دل ہی دل میں آگ بگولہ ہو رہے تھے۔
خندق سے شہر کی سمت سلع نامی پہاڑی کی پشت کی طرف مسلمانوں کا مورچہ تھا۔
جس میں فخرِ کائنات کے لئے سرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ قریش اور مسلمانوں کے
درمیان خندق حائل تھی۔ قریش اور ان کے فریب خوردہ لشکریوں نے جب خندق کو عبور
کرنا موت سے کھیلنا سمجھا تب انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے مگر اس کے جواب میں
مسلمان بھی فوراً ان پر تیر چلاتے۔ اُن کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی جب وہ آگے
بڑھ کر جونہی خندق کے سامنے پہنچے تو خندق کے اس پار سے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ پڑی۔
سامنے والے رکے تو پیچھے والوں کو معلوم نہ تھا کہ آگے کیا ہو رہا ہے۔ اک ہنگامہ سا بپا
ہو گیا جس کو دُور کرنے میں خاصی دِقت ہوئی۔

ایک آخری داؤ لگانے کا فیصلہ کر لیا

جنگی ٹولے تو ایسی امیدیں لے کر آئے تھے کہ احد کی طرح ایک دن میں میدان مار لیں گے۔
اور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس ہوں گے۔ غنیمت اور مسلمان قبیلوں کے سامان سے
مالا مال ہو کر
یہود بنو نضیر نے غطفان سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ مدینہ فتح ہو جانے پر خیبر کے سرسبز و
شاداب باغوں کے پھلوں کی پوری فصل ان کی نذر ہو گی۔
ایک طرف تو یہ توقعات تھیں اور سامنے خندق حائل جس کا عبور کرنا ان کی ہمت سے
باہر تھا۔ قریش کو جو زخم بدر اور اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے پہنچے وہ ابھی تک رِس
رہے تھے کہ خندق اور مدینہ کے قلعوں نے ان زخموں پر اور نمک چھڑکا۔ حملہ آوروں کو مدینہ
میں رہنے والے یہود بنو قریظہ کی وجہ سے خطرہ تھا کہ ان کی طرف سے مسلمانوں کی امداد محاصرہ
کی مدت میں کمی نہ آنے دے گی۔ کبھی یہ خیال گزرتا کہ حملہ سے دست بردار ہو کر واپس لوٹ
جانے میں کیا حرج ہے۔ لیکن اس لمحہ سے وہ ڈر جاتے کہ روز روز اتنا بڑا لشکر جمع کرنا بھی تو

آسان نہیں۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا اور لشکری اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح ہوگی جس کے بعد ہمیشہ کے لئے یہود کا ٹھکانا کہیں نہ رہے گا۔

بنو نضیر کے سردار حییٔ بن اخطب نے ان حالات میں ایک آخری داؤ لگانے کا تہیہ کرلیا۔ جس طرح ہو سکے یہود بنی قریظہ (جو ابھی تک الگ تھے اور مدینہ میں رہتے تھے) کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑنے پر آمادہ کیا جائے۔ اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسد بند ہو جائے گی اور اس تجویز کی کامیابی کی صورت میں ہماری فتح یقینی ہو جائے گی۔

عہد نامہ پھاڑ ڈالا

مدینہ میں بنو قریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا۔ کچھ کچھ یہ منصوبہ اس نے بھی سن لیا اور حییٔ کے آنے سے قبل اپنی حویلی کا دروازہ بند کروا دیا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ توڑنے کے بعد اگر مسلمان عتاب میں آگئے تو نہ صرف اسے بلکہ تمام یہود کو فائدہ ہوگا۔ لیکن قریش کی شکست بنو قریظہ کو کہیں نہ رہنے دے گی۔ حییٔ بن اخطب کے اصرار پر دروازہ کھولنا ہی پڑا۔

حییٔ نے کعب سے کہا: "اے کعب! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے اور ایک محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے جانے دینے کے قابل نہیں، اب اسلام کا خاتمہ ہے۔"

کعب اب بھی راضی نہ تھا۔ اس نے کہا: "محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معاہدہ کر رکھا ہے۔ میں اسے کسی طرح نہیں توڑوں گا اس لئے کہ وہ خود سچے ہیں اور ہمیشہ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں" مگر حییٔ بن اخطب متواتر اصرار کرتا رہا۔ کعب کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ اگر حییٔ کا لشکر ہار گیا، تو یہ سب تو یہاں سے اپنے اپنے وطن بھاگ جائیں گے اور ہماری حفاظت کی صورت کیا ہوگی۔؟

حیی اس بات کو سمجھ گیا اور اس نے کعب سے کہا "اس وقت ہم لوگ بھی تمہارے ہی قلعوں میں آجائیں گے اور تمہارے ساتھ دکھ سکھ میں شریک رہیں گے" اس پر کعب راضی ہو گیا چنانچہ اس نے فوراً وہ عہدنامہ پھاڑ ڈالا جو اس کے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہُوا تھا۔

نئی سازش سے مطلع ھو گئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ اور قریش کی نئی سازش سے مطلع ہو گئے۔ جس سے رسول پاک کے تصوّرات میں ایک نئے خطرے کا اضافہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت سعد بن معاذ کے ساتھ تین معتمد حضرات کو اس خبر کی تصدیق کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ "اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے تو وہاں سے آکر اس بات کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا تاکہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیل جائے"

یہ حضرات کعب کے پاس پہنچے اور ان کے بار بار کہنے پر اس نے یہ شرط پیش کی "پہلے بنو نضیر (یہود) کو شہر میں دوبارہ آباد ہونے کا موقعہ دیا جائے"

حضرت سعد بن معاذ کا بنو قریظہ کے ساتھ ذاتی معاہدہ بھی تھا۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی کعب سے فرمایا "کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا حشر بھی بنو نضیر ہی کا سا ہو!" مگر بنو قریظہ کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے الٹا یہ جواب دیا۔

"رسول اللہ کون ہیں؟ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں" حتیٰ کہ فریقین میں سخت کلامی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

بنو قریظہ کی عہدشکنی نے رسول اللہ کو بہت متاثر کیا۔ خطرات بڑھ گئے اور یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ بنو قریظہ کہیں حملہ آوروں کو شہر میں داخل ہو جانے کا راستہ نہ دے دیں۔

بنو قریظہ کے ہاں سے حیی بن اخطب کی کامیاب واپسی پر قریش اور غطفان کے حوصلے بڑھ گئے کعب اور حیی میں طے ہُوا تھا کہ ادھر بنو قریظہ دس روز تک جنگ کی تیاری کر لیں اور

اس مدت میں بغیر توقف حملہ آوروں کو مسلمانوں پر یلغار کر دینا چاہیئے۔

اور کبھی کہتے

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔ قریش، یہود اور قبائل عرب کی فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کی تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی، اسلامی لشکر میں منافقوں کی بھی کافی تعداد شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بے خوابی، فوجوں کا ہجوم ایسے واقعات تھے۔ جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا اور آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ اور کبھی کہتے " ہم سے تو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قیصر و کسرٰی کے ذخیروں پر قابض ہونے کا وعدہ کر رکھا تھا! یا یہ حالت ہے کہ آج ہم قضائے حاجت کے لئے بھی شہر سے باہر نہیں جا سکتے!"

کئی روز تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ پر تین تین فاقے گزر گئے۔ ایک دن صحابہ نے بے تاب ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں۔ لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے اہل وعیال یہیں قلعوں میں پناہ گزین تھے۔ محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے دور سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ ایک حصہ خود آپ کے اہتمام میں تھا۔

بے استقلال

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو یہ خیال ہوا ایسا نہ ہو کہ مسلمان اس تنگی سے گھبرا جائیں اسلئے آپ نے

رادہ فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر کریں جس سے مشرکوں کے لشکر میں سے ایک قبیلہ واپس
ہوجائے، مشرک لشکر میں دو بڑے قبیلے تھے ایک قبیلہ قریش اور دوسرا قبیلہ غطفان ۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ غطفان سے معاہدہ کرنے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ
قریش کا ساتھ چھوڑ دیں اور دشمن کی طاقت کم ہوجائے۔ آپؐ نے قبیلہ غطفان کے دو بڑے
سرداروں کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ اگر وہ اپنے قبیلہ والوں کو لے کر واپس چلے جائیں تو
آپ ان کو مدینے کے ایک تہائی پھل دیں گے۔ دونوں سردار اس شرط پر راضی ہو گئے
اور ابوسفیان کے علم میں لائے بغیر چپکے سے معاہدہ لکھوانے کے لئے آپؐ کے پاس پہنچے۔
مگر معاہدہ کے مسودہ پر دستخط فرمانے سے پہلے حضورؐ نے سعد بن عبادہ اور حضرت سعد
بن معاذ جو قبیلہ اوس اور خزرج کے سردار تھے بلاکر مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا
یا رسولؐ اللہ ! اگر آپؐ کو اس بات کا حکم خدا نے دیا ہے "تب ضرور کیجئے" ہمارا سر جھکا ہے
انکار کی مجال نہیں، لیکن اگر یہ آپؐ کی رائے ہے تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ کفر کی حالت میں بھی
کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کرسکا اور اب تو اسلام نے ہمارا منصب بہت
بلند کر دیا ہے۔" یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔ وہ تحریر آپ نے حضرت معاذ کو
دی اور انہوں نے چاک کر دی ۔

موت کا فیصلہ

عرب کی سپاہ نے دفاعی افواج کے پہلے حملے کے بعد خندق سے دور اپنا فوجی کیمپ قائم
کیا۔ کئی روز تک کوششیں جاری رہیں کہ کسی مقام سے خندق کو عبور کیا جائے مگر دفاعی
افواج ہر مقام پر ان کو روکنے میں کامیاب رہیں۔ چنانچہ اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ
انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور سپہ سالار ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار
بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر سپہ سالار اپنی باری کے دن پوری فوج لے کر
آتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔ چونکہ اس

طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام فوجیں یکجا ہوئیں، قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم چوڑی تھی۔ یہ مقام حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو اُس پار تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو تھا وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگِ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں، پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ عمرو نے کہا "اے عزیز من! میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا۔" حضرت علی نے فرمایا "مگر میں تو اپنی تلوار تمہارے خون میں تر کرنا چاہتا ہوں"۔ عمرو اب غصے سے بے تاب تھا۔ پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی نے ڈھال پر روکا۔ لیکن تلوار ڈھال میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن حضرت علی کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا: عمر اس احسان کو یاد رکھنا۔

حملہ آوروں میں سے نوفل خندق کو عبور کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کا اپنے گھوڑے کو مہمیز دینا دونوں کی موت کا فیصلہ تھا۔ سوار اور سواری دونوں اوندھے منہ خندق میں گر پڑے۔ ابو سفیان نے نوفل کی لاش حاصل کرنے کے لئے دیت میں ایک سو اونٹ پیش کئے جنہیں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ "خبیث کی دیت ناقابلِ قبول ہے۔ اور اس کی لاش مٹی میں چھپا دی گئی۔"

ملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ
برسا رہے تھے۔ یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی نمازیں قضا ہوئیں۔ لگاتار تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا
سلمانوں کی خواتین اور بچے جس قلعہ میں تھے۔ بنو قریظہ کی آبادی کے نزدیک تھا۔
ہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ قلعہ پر حملہ کیا
یک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقعہ ڈھونڈ رہا تھا حضرت
صفیہ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ خواتین کی حفاظت کے
لئے حضرت حسّان (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے۔ حضرت صفیہ نے ان سے کہا کہ اتر کر
اس کو قتل کر دو، ورنہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔ حضرت حسّان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس
نے ان میں اس قدر خوف پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے
تھے۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی۔ حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر
یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ حضرت صفیہ چلی آئیں اور
حسّان سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسّان نے کہا جانے بھی دیجئے مجھ کو ان کی کوئی
ضرورت نہیں۔ حضرت صفیہ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ
یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینا پڑی۔ یہودیوں کو
یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔

قیامت خیز لمحہ

نصر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ کتنا عجیب واقعہ ہے اور تحریک اسلامی کی
عملی و اخلاقی صداقت کا ثبوت کہ اس قیامت خیز لمحہ میں قبیلہ غطفان کا ایک رئیس نعیم ابن
مسعود چپکے سے رات کے وقت حاضر ہوا اور حضور کی خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں "اے
اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور پھر عقیدۂ حق کا اعلان کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ

انہوں نے پیش کش کی کہ ابھی تک چونکہ کفار کو میرا اسلام لانا معلوم نہیں۔ لہٰذا اجازت ہو تو میں قریش اور بنو قریظہ کا اتحاد توڑنے کے لئے کچھ کام کروں۔ حضور نے اجازت دی۔ نعیم بنو قریظہ کے پاس گئے۔ ان سے رسمی بات چیت کے بعد کہا اگر فتح ہو تو خیر لیکن شکست کی صورت میں قریش اور بنی غطفان سبھی چلے جائیں گے اور لوگ تنہا مسلمانوں کی زد پر رہ جائیں گے۔ اس لئے میری رائے میں اگر تم ان کی مدد کرو تو ان سے کہو کہ پہلے وہ قریش اور غطفان کے کچھ بڑے سردار تمہارے پاس ضمانت میں بھیجدیں تاکہ اگر شکست ہو گئی تو قریش اور غطفان بھاگ نہ سکیں بلکہ جو حال تمہارا ہو اس میں وہ بھی شریک رہیں۔ یہودیوں کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور انہوں نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔" اس کے بعد حضرت نعیم قریشیوں کے پاس پہنچے اور ابو سفیان سے مل کر کہا کہ" مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو قریظہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اپنے معاہدہ توڑنے پر پچھتا رہے ہیں اور انہیں خوش کرنے کی ہر تدبیر سوچ رہے ہیں جس میں ان کی یہ بھی تجویز ہے کہ اگر ان کے ہاتھ قریش کے کچھ آدمی آجائیں تو وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوش کرنے کے لئے ان کو قتل کی غرض سے پیش کر دیں، کہیں ایسا نہ ہو آپ لوگ اپنے آدمی ان کے حوالے کر دیں۔ وہ یہاں سے سیدھے بنو غطفان کے ہاں پہنچے اور جو کچھ قریش سے کہا تھا وہی ان سے کہا اور انہیں بھی قریش کی طرح ہوشیار کر دیا کہ وہ اپنے آدمی بنو قریظہ کے حوالے نہ کریں۔

حالات کا نقشہ اچانک بدل گیا

نعیم کی تجویز سے قریش اور بنو غطفان دونوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو گیا اور ابو سفیان نے فوراً اپنے ایک قاصد کی زبانی کعب بن اسد یہودی کو یہ پیغام بھیجا" اے کعب! ہمیں اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا محاصرہ کئے ہوئے اتنی مدت ہو گئی اور کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلا۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ کل صبح اس پر حملہ کر دیجئے اور ہم آپ کی کمک پر ہوں"

دیوں نے اس بات کا یہ جواب بھجوایا "کل یوم السبت (سنیچر ان کی عبادت کا دن)
ہے اس روز جنگ یا دنیا کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔
سفیان نے یہ یقین کر لینے کے بعد کہ نعیم نے ان کے متعلق صحیح کہا دوسرا پیغام بھجوایا" اے
بست اس سبت کی عبادت کسی دوسرے سبت میں کر لیجئے گا۔ مگر کل کے روز مسلمانوں
عملہ کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم جنگ کے لئے نکلے اور آپ نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو سمجھا
ئے گا کہ آپ ہم سے معاہدہ توڑ کر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف بن گئے ہیں" ۔

بنو قریظہ نے پھر انکار کر دیا اور ساتھ ہی اپنی شرط بھی عائد کر دی کہ پہلے ہمارے پاس
نے کچھ سردار بھیجدو۔ وہ ہمارے پاس ضمانت میں رہیں گے اس لئے کہ ہمیں ڈر ہے کہ
نہیں شکست ہو گئی تو تم سب ہمیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے
ب قریش اور غطفان والوں کو یہودیوں کا یہ جواب ملا تو انہیں یقین ہو گیا کہ نعیم ٹھیک
رہے ہیں۔ انہوں نے پھر جواب میں یہودیوں کے پاس کہلا دیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ
لڑنا چاہتے ہو تو تیار ہو جاؤ مگر ہم اپنے آدمی تمہیں کسی حال میں نہ دیں گے۔ قریش اور غطفان
اس جواب سے یہودیوں کو بھی یقین ہو گیا کہ ہمیں جو خبر ملی تھی وہ بالکل ٹھیک تھی۔ اس
ح ان دونوں نے ایک دوسرے کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور ان میں پھوٹ
ئی۔ اس تدبیر سے حالات کا نقشہ اچانک بدل گیا۔
منانِ اسلام پھوٹ پڑ جانے کی وجہ سے اب محاصرہ کی ساری سختی کی تھکن محسوس کرنے
۔ گھروں سے نکلے ہوئے مہینہ بھر ہونے کو آیا تھا۔ کاموں کا نقصان ہوا۔ اخراجات
تحاشا اٹھانے پڑے اور نتیجہ کچھ نہیں۔
ھر اتنی بڑی فوج کے بے شمار افراد اور جانوروں کے لئے رسد کا مسئلہ مشکل اختیار کر گیا
یش کی رسد کی ایک بھاری قسط راستے ہی میں ایک مسلم فوجی دستے کے ہاتھ آگئی۔ پھر موسم

ناسازگار ہوگیا اور سردی ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئی۔ ایسے تاریخی مواقع پر بعض اوقات طبعی عناصر بڑا فیصلہ کن عمل کرتے ہیں اور قدرت ایک اشارے سے معاملات کو کسی شکل میں طے کرا دیتی ہے۔ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ طبعی عوامل بھی نازک لمحوں میں اپنا وزن حق کی قوت کے پلڑے میں ڈالا کرتے ہیں۔

کفار کے خیمے زمین سے اکھڑ کر فضا میں غائب ہو گئے

اسی رات سخت طوفانی آندھی اپنے دامن میں موسلادھار بارش لئے کافروں پر چھا گئی بادلوں کی ہولناک گرج۔ اس پر بجلی کی چمک۔ کفار کے خیمے زمین سے اکھڑ کر فضا میں غائب ہو گئے۔ لشکر کی دیگیں اوندھی ہو کر چولہوں میں دھنس گئیں اور چولھے بجھ گئے۔۔۔، کافروں میں سے ایک ایک جاندار لرز اٹھا اور انہیں یہ خطرہ بھی لاحق ہو گیا کہ اگر ایسے میں مسلمان ٹوٹ پڑے تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔

قبیلہ اسد کا سپہ سالار طلیحہ بن خویلد بلند آواز سے پکارا "اے دوستو! یہ مصیبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے آئی ہے۔ یہاں سے بھاگ کر نجات حاصل کریں۔ ابوسفیان کا حوصلہ پست ہو گیا۔ وہ پکار اٹھا:

"اے برادران قریش! طوفان نے ہماری سواری کے گھوڑے اور گدھے دونوں ختم کر دیئے ہیں بنو قریظہ پہلے سے بدعہدی کر کے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اس پر یہ طوفان! ایک لمحہ کیلئے رکنا محال ہے"

چنانچہ ہر طرف گھبراہٹ اور مایوسی پھیل گئی۔ کفار اس قدر خوفزدہ اور بدحواس تھے کہ پورا سامان بھی نہ اٹھا سکے۔ ان کے فرار پر بھی ہوا کی شدت نے ان کے قدم زمین پر نہ جمنے دیئے۔ اس بھگدڑ میں قریش سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے بنو غطفان اور ان کے بعد دوسرے قبائل ان کے بھگتنے پر اور فرار پر بھی اپنی فوقیت کے حق کو نظرانداز نہ ہونے دیا۔

ادھر مدینہ میں صبح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کا مورچہ خالی پایا تو شہر میں لوٹ کر ایک ایک مسلمان نے خدا کے حضور ہدیۂ احسان و تشکر پیش کیا کہ انہیں مصیبت سے نجات ملی۔ اس غیبی امداد کا احسان اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خدا نے اپنی قدرت سے کافروں کو مدینہ سے ہٹادیا وہ لوٹتے وقت غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ خدا نے مسلمانوں پر یہ کرم بھی فرمایا کہ انہیں جنگ سے بچالیا۔

اس طرح اللہ تعالےٰ نے ان مشرکوں کو نامراد واپس کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ قریش کے اس طرح بھاگنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب یہ کافر کبھی ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے بلکہ اب ہم ان پر حملہ کریں گے"۔ اس طرح آپؐ نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ آج کے بعد کفر کی طاقت ختم ہو گئی۔ اب یہ لشکر لے کر مدینے کا رخ کبھی نہیں کریں گے اور اسلام کو اتنی طاقت مل گئی ہے کہ اب ہم خود ان کی طرف بڑھیں گے۔

وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر

اس معرکہ میں لشکرِ اسلام کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور ایمان افروز ہے۔ حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں حضرت سعد بن معاذ کی ماں بھی وہیں مقیم تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ قلعہ سے نکلیں اور قدموں کی آہٹ سن کر دیکھا۔ سعد ہاتھ میں نیزہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے تھے۔ یہ شعر ان کی زبان پر تھا:

ذرا ٹھہر جا تاکہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے ۔ وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر

حضرت سعد کی ماں نے سنا تو پکاریں بیٹا دوڑ کر جا، تو نے دیر لگا دی، سعد کی زرہ اس قدر

چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے سعد کی ماں سے کہا۔ کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق یہ کہ دشمن نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے کحل کی رگ کٹ گئی۔ خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ نصب کیا اور ان کا علاج وغیرہ کیا گیا۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ چنانچہ کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد آپ کا زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔

سعد بن معاذ کے سامنے وہ خوفناک منظر تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل پر نظر دوڑائی تو سب سے پہلے کفار کی شکست پر چین کا سانس لیا۔ لیکن جو یہودی اس مرتبہ انہیں اکسا کر مدینہ پر لے آئے آئندہ بھی ایسا کر سکتے تھے۔ خصوصاً بنو قریظہ کے معاملے میں ذہن اس طرف منتقل ہؤا کہ "اگر قریش اور غطفان سے ان کا اختلاف نہ ہو جاتا تو انہوں نے دشمن کو مدینہ میں راہ دے کر مسلمانوں کا قلع قمع ہی کرا دیا ہوتا۔ سردست بنو قریظہ ہمارے دباؤ میں سہی لیکن یہ دباؤ اس سانپ کی مانند ہے جس کی دُم زخمی ہو گئی ہو اور باقی تمام جسم سلامت۔ ایسے سانپ کی طرف سے حملہ کا اندیشہ کم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کرایا "جو شخص ہمارا وفادار ہے اس کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے محلے میں ادا کرے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی حضرت علی کو ایک مختصر دستہ کے ساتھ بنو قریظہ کے محلہ میں بھجوا دیا۔ اس کے باوجود کہ مدینہ کے مسلمان لمبے محاصرہ کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے لیکن بنو قریظہ کے معاملے میں انہیں اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اگرچہ دشمن محفوظ قلعوں میں پناہ گزین تھے لیکن مسلمان اس سے پہلے اسی طرح کے قلعوں میں بنو نضیر (یہود) کا حشر دیکھ چکے تھے اور مسلمانوں کو بنو قریظہ کی طرف سے کسی مقابلہ کا اندیشہ نہ تھا۔ ادھر بھگوڑے قریش بھاگتے ہوئے اس قدر غلہ چھوڑ گئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو رسد کی کمی کا خطرہ نہ تھا۔

حضرت علی جب ان قلعوں کے پاس پہنچے تو یہود اعلانیہ آپ کے اور دیگر مسلمانوں کے متعلق بدزبانی کر رہے تھے۔ اتنے میں سرور دو عالم تشریف لائے۔ حضرت علیؓ نے یہود کی بدکلامی کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی اور عرض کیا کہ آپ ان خبیثوں کے

پاس نہ جائیں۔ رسول پاکؐ یہود کی اخلاقی گراوٹ ان کی منافقت اور چاپلوسی سے باخبر تھے آپؐ نے جواباً فرمایا کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے تو ایسی باتیں نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب یہود نے آنحضرت کو دیکھا تو انہوں نے نرم گفتاری اختیار کی، جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔

مسلسل پچیس روز محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران میں دو ایک مرتبہ ادھر سے پتھراؤ اور مسلمانوں کی جانب سے ان پر تیر برستے رہے مگر بنو قریظہ کو قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ گھبرا اٹھے کہ اس طرح ایک نہ ایک روز مسلمان ان پر قابض ہو کر رہیں گے اور ان کی قلعہ بندی انہیں موت کے گڑھے میں دھکیل کر ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

بنو قریظہ نے ایک قاصد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ "ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم صلح کے معاملے میں ان کے ذریعے سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔" ابولبابہ نسبتاً قبیلہ اوس سے تھے اور بنو قریظہ سے ان کا ذاتی معاہدہ بھی تھا۔ یہ ان کے ہاں پہنچے تو یہود کی عورتیں اور بچے ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور رو رو کر کہرام مچا دیا جس سے ابولبابہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

یہود نے کہا "کیا آپ متفق ہیں کہ ہم خود کو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے کر دیں؟ ابولبابہ نے فرمایا "میں اس سے اتفاق کرتا ہوں" اور اپنی گردن پر پھرا دیا اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

قبیلہ کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کو تین مشورے دیئے مگر انہوں نے ایک پر بھی آمادگی کا اظہار نہ کیا۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ آپ لوگ مسلمان ہو کر اپنی جان، مال اور اولاد کو ضائع ہونے سے بچالیں۔ مگر یہود کا جواب یہ تھا کہ ہم تورات سے منحرف ہو کر دوسری شریعت قبول نہیں کر سکتے۔

اور دوسری صورت میں اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر کے مقابلہ کے لئے باہر نکل آیئے پھر جسے خدا دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو اپنے بال بچوں کی ہلاکت کا غم دل میں لے کر نہ جائیں گے اور اگر زندہ بچ آئے تو اپنے اپنے گھر پھر آباد کر لیں گے مگر ان کے لئے یہ صورت بھی قابل قبول نہ تھی کہ اپنی عورتیں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دینے کے بعد اگر ہم سلامت بھی رہ گئے تو ان کے بغیر ہماری زندگی سے کیا حاصل ہو گا۔

آخری صورت یہ تھی کہ پھر خود کو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے کر دیجئے۔ لیکن ابولبابہ کے اس اشارہ کو نہ بھولئے کہ حوالے کرنے سے ہمارا حشر کیا ہو گا۔

آخری مشورہ کے بعد انہوں نے رسول اللہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ ہمیں جلا وطن ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ مگر حضور نے اس سے انکار فرمایا اور حوالگی کا مطالبہ کیا۔ بنو قریظہ نے اپنا قاصد قبیلہ اوس کے مسلمانوں میں بھیجکر استدعا کی۔

"اے برادران اوس! جس طرح خزرج نے کل اپنے معاھدین بنو نضیر کی سفارش کی تھی آپ بھی ہماری سفارش کیجئے"۔ اوس نے منظور کر لیا اور سرورِ دو عالم کے حضور پیش ہو کر عرض کیا! "یا نبی اللہ! جس طرح آپ نے خزرج کی سفارش ان کے حلیفوں کے بارے میں قبول فرمائی تھی یہ بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان کی سفارش کرتے ہیں انہیں اپنا مال واسباب لے کر مدینہ سے جانے کی اجازت فرمائیں"۔ رسول اللہ نے فرمایا "آپ لوگوں کو یہ منظور ہے کہ میں اپنے اور بنو قریظہ کے معاملے میں کسی ایک شخص کو ثالث تسلیم کر لوں؟" اوس نے اسے قبول کر لیا۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بنو قریظہ کے ہاں جائیے اور میں اپنا اختیار بھی انہی کو سونپتا ہوں کہ وہ جس شخص کو پسند کریں اسے میرے اور اپنے درمیان ثالث تسلیم کر لیں"۔

اس پر بنو قریظہ نے جناب سعد بن معاذ کو ثالث تسلیم کر لیا۔

سعد بن معاذ نے طرفین سے عہد و پیمان لینے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں صادر فرمایا۔
بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں۔
عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں۔
ان کا تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔
اس فیصلہ پر رسولِ خدا نے فرمایا "بخدا اے سعد! آپ کا یہ فیصلہ خداوند عالم اور مسلمانوں کی مرضی کے حرف بہ حرف موافق ہوا۔ مجھے بھی وحی کے ذریعے یہی حکم دیا گیا۔"
چنانچہ یہودی مردوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح یہودیوں کو اپنے کئے کا پھل مل گیا اور مدینہ ان کے شر سے پاک ہو گیا۔

یہ آیت بنو قریظہ ہی کے انجام پر نازل ہوئی:
اور اہل کتاب میں سے جو (یہودی) مشرکین کے مددگار ہوئے تھے خدا انہیں ان گڑھیوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کی) ایسی دھاک بٹھا دی کہ تم بے دھڑک لگے بعض کو قتل کرنے اور بعض کو قید کرنے اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا اور اس زمین (خیبر) کا جس میں تم نے قدم تک نہ رکھا تھا تم ہی کو مالک کر دیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"
بنو قریظہ کو سعد بن معاذ سے ایسی توقع نہ تھی بلکہ انہیں یہ بھروسا تھا کہ جس طرح کل عبداللہ بن ابی منافق نے بنو قینقاع کی سفارش کر کے ان کا خون معاف کرا دیا تھا۔ اس طرح سعد کے ذریعہ ہماری جان بخشی ہو سکے گی (لیکن بنو قینقاع اور قریظہ کا معاملہ مختلف تھا) سعد بن معاذ کے سامنے وہ خوفناک منظر تھا کہ یہی لوگ کامیاب ہو جاتے تو اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی نسل بھی کھائی نہ دیتی۔ ایک ایک مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا اور کسی کی لاش مثلہ کے بغیر نہ چھوڑی جاتی (جیسا کہ قریش نے احد میں لاشوں کی بے حرمتی کی تھی)

صلح حدیبیہ

مکہ کی یاد ایک خلش تھی جو ہر وقت مُسلمانوں کے دِل میں کھٹکتی رہتی تھی۔

حضرتِ بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے تاہم جب مکہ یاد آتا تھا تو روتے تھے۔

ہر مسلمان حیران تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصواء) خود بخود بیٹھ گئی۔

جوں ہی یہ تیر ایک کنویں کی تہہ میں نصب کیا گیا پانی جوش مار کر ابل پڑا۔

جب تک میرے جسم میں جان ہے میں لڑتا رہونگا

مُیں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں لیکن مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی عظمت کِسی بادشاہ میں نہیں دیکھی۔

جب مکّہ یاد آتا تو روتے تھے

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکّہ سے ہجرت کئے ہوئے چھ سال گذر گئے اس مدّت میں وہ خود دشمنوں کے حملوں کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں مصروف اور کبھی یہود کی سازشوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر! لیکن مسلمانوں کی ان پریشانیوں کے باوجود اسلام ہر طرف پھیلتا گیا اور مسلمانوں میں قوت واستقلال بڑھتا گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یعنی مسلمانوں نے اس کعبہ کو قبلۂ نماز بنا لیا جو مکّہ میں ہے اور جسے حضرت ابراہیم نے تعمیر فرمایا۔ ان کے بعد کبھی کبھی اس کی مزید تعمیر ہوتی رہی۔ اس کی تعمیر میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جوانی کے آغاز میں حصہ لیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اس کے مقام پر لگایا۔ یہ اس دور کا ذکر ہے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے عطیۂ رسالت کی توقع نہ تھی۔ نہ ہی آپ کے متعلق کسی اور کے ذہن میں یہ خیال کہ آپ منصب رسالت پر فائز ہونے والے ہیں۔

مسجد الحرام (کعبہ) اہل عرب کی عبادت گاہ تھی۔ تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا۔ نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے تھے بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا۔ عرب کے قبائل سال بھر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور یہی لوٹ مار ان کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔ کیونکہ ان کی روزی بھی اسی پر منحصر تھی۔ تاہم احترام والے چار مہینوں میں تمام لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں۔ عرب کے مختلف قبائل دور دور سے سفر کر کے آتے اور اس قبلہ گاہ عالم میں عبادت اور عقیدت کے رسوم بجا لاتے۔ وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے اب اکٹھے نظر آتے تھے اور گھل مل جاتے تھے کہ گویا بھائی بھائی ہیں۔

لیکن جب سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے مکّہ سے ہجرت کی مکہ نے ان کے

بیت اللہ میں داخل نہ ہونے کی قسم کھالی اور متفقہ طور پر یہ فیصلہ کرلیا کہ جب تک رسولِ پاک اور ان کے صحابہ جو ھبل و اساف و نائلہ اور دوسرے کعبہ کے بڑے بتوں کی خداوندی کے منکر ہیں ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں۔ ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انہیں کعبہ میں آنے سے روکنا لازم ہے۔

مسلمان مجبور کر کے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہیں گیا تھا اور نہ جا سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے۔ اس کے ساتھ مکّہ سے مسلمانوں کے کئی طرح کے تعلقات تھے اور وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔ مکّہ کی یاد ایک خلش تھی جو ہر وقت ان کے دل میں کھٹکتی رہتی تھی۔ حضرت بلال مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکّہ یاد آتا تو روتے تھے۔ اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے۔ لیکن اپنے اہل و عیال سے بچھڑ جانے کا غم بھی چین نہ لینے دیتا۔

لیکن مہاجرین و انصار دونوں خدا کی نصرت کے امیدوار تھے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنے رسول اور اس کے جان نثاروں کو کامیاب کرے اور اسلام کو ہر ایک مذہب پر غلبہ عنایت فرمائے گا۔

انہیں اس لمحہ کے بہت جلدی آنے کا یقین تھا جس میں خداوند عالم ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا۔

وہ بیت اللہ العتیق ! وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (۲۲:۲۹) کا طواف کریں گے اور دوسروں کی طرح انہیں بھی اس فریضہ کے ادا کرنے کا موقع نصیب ہوگا جسے اللہ نے تمام عالم پر فرض کر رکھا ہے

کئی سال گذر گئے جن میں مسلمانوں کو جنگوں نے گھیرے رکھا۔ ہجرت کے بعد قریش اور مسلمانوں کی جتنی جنگیں ہوئیں تھیں ان میں ۵ھ تک حملے کی پہل ہمیشہ قریش کے ہاتھ میں رہی۔

مدینے پر پہلا حملہ جمادی ۲ھ میں کُرز بن جابر نے کیا تھا۔ اس کے بعد ذوالحجہ ۲ھ میں خود ابوسفیان نے مدینے پر لشکر کشی کی، جس کو غزوہ سویق کہتے ہیں۔ پھر ۳ھ میں معرکہ اُحد ہوا

جس میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد ۴ھ میں ابوسفیان کے چیلنج پر آگے بڑھنے میں بدر الموعد کا غزوہ ہوا۔ ۵ھ میں قریش کے سب سے بڑے حملے کو خندق کے ذریعے روکا گیا جس میں قریش اور ان کے اتحادیوں کی پوری طاقت نے کام کیا تھا۔ لیکن کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے ہمتیں پست ہو کر رہ گئیں۔ خود اعتمادی اور ساکھ ختم ہو جائے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔

چنانچہ پیغمبر اسلام نے اسی وقت پیش گوئی فرمائی تھی کہ قریش کا یہ آخری حملہ تھا جو ہو چکا اب ہر قسم کی پہل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ ۶ھ کے موسم بہار میں جب مسلمان زیارت و طواف کے لئے سراپا اضطراب بنے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین (۴۸ : ۲۷) (قبلۂ اسلام یعنی کعبہ کی زیارت) سنائی تو مسلمانوں نے بلند آواز سے خدا کا شکر ("الحمد للہ") پکارا۔ یہ خوشخبری بجلی کی تیزی کے ساتھ جھٹ پٹ مدینہ میں پھیل گئی۔

جرأت مندانہ اقدام

یہ ایک بڑا جرأت مندانہ اقدام تھا اس لئے کہ عین اس زمانے میں جب کہ مکے کے اندر پورے عرب کے مشرکین کا اجتماع ہوتا تھا۔ مٹھی بھر مسلمانوں کی حیثیت ہی کیا تھی؟ ہر مسلمان حیران تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔ کیا جنگ کے ذریعے سے یا حملہ کر کے قریش کو مکہ سے نکال کر یا قریش ان کا احترام کرتے ہوئے راستہ نہ روکیں گے؟ مگر حقیقت یہ تھی کہ مسلمان جنگ یا حملے کے بغیر مکہ میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ نے مدینہ میں عام منادی کرا دی اور غیر مسلم حلیف قبائل کی طرف وفود بھیجے کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ کعبہ کی زیارت کے لئے چلیں مگر جنگ کا ارادہ کر کے کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔ البتہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد مطلوب تھی تاکہ عرب پر آنحضرت کی طرف سے احترام والے دنوں میں جنگ نہ کرنے کا ثبوت واضح ہو جائے اور انہیں یقین آ جائے کہ مسلمانوں کا مقصد صرف بیت اللہ کی

زیارت ہے اور یہ فریضہ جو اسلام نے ان پر عائد کیا تھا کچھ مسلمانوں ہی کے لئے خاص نہ تھا۔ اہل عرب بھی اسے فرض ہونے کی صورت میں ہی ادا کرتے۔ اس لئے بھی رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیر مسلم قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ اس پر بھی اہل مکّہ نے اگر لڑائی کا ارادہ کیا تو عرب میں سے نہ کوئی ان کی تائید کرے گا اور نہ ان کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوگا بلکہ انہیں یقین ہوجائے گا کہ اہل مکہ لوگوں پر کعبہ کی زیارت کا دروازہ بند کرکے انہیں اسماعیلی اور ابراہیمی دین سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اگر قریش نے ایسا ہی کیا تو آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کبھی خندق کا سا عام ہنگامہ نہ کرا سکیں گے۔ ایسی حالت میں عرب انہیں برملا کہہ دیں گے کہ " اہل مکّہ نے ان لوگوں کو بھی کعبہ کی زیارت سے روک دیا ہے جن کی تلواریں نیام میں تھیں۔ احرام باندھے ہوئے قربانی کے جانوروں کے آگے چل رہے تھے۔ یہ غریب تو صرف بیت اللہ کے طواف کا فرض ادا کرنے کے لئے آئے تھے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منادی میں غیر مسلم قبائل بہت تھوڑی تعداد میں نکلے . . . ذی قعدہ ۶ھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چودہ سو جان نثار صحابہ کو ساتھ لے کر عُمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس طرح آپ کے ساتھ مہاجروں اور انصاریوں کے علاوہ کچھ دوسرے عرب قبیلوں کے لوگ تھے۔ مدینہ سے چل کر آپ نے ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔ یہ مقام وہ ہے جہاں مدینہ کی طرف سے آنے والے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔ سب مسلمانوں نے یہاں احرام باندھا۔ فضا لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کی آواز سے گونج اٹھی۔ زائرین نے سر کے بالوں کی لٹیں گوندھ لیں۔ قربانی کے جانور ساتھ لئے۔ ان کے گلے میں قلادے باندھ دیئے گئے تاکہ دیکھنے والوں کو اندازہ ہوجائے کہ یہ صرف عُمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ان کا مقصد جنگ نہیں ہے۔ عرب کے عام دستور کے مطابق سب مسلمانوں کے پاس تلواریں تھیں مگر نیاموں میں اس کا بھی اعلان کر دیا گیا

تھا کہ ہم صرف ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ قافلہ میں آگے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر چل رہے تھے جس کا نام قصوٰی تھا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ اس سفر میں ہمراہ تھیں۔

اہل مکہ نے یہ خبر سنتے ہی حالات کے ہر پہلو پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا حریف اس عمرہ سے مکہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے گویا وہ ان سے مدینہ پر حملہ کرنے کا انتقام لینے آ رہا ہے۔ وہ جس میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر انہیں وہاں سے ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ آج وہ ان کے شہر پر اس بہانے سے قابض ہونے کے لئے ان کے سر پر آ پہنچا ہے۔

اہل مکہ کے ذہن میں مسلمانوں کا احرام باندھے ہوئے عمرہ کی نیت سے آنا اور تمام عرب میں یہ اعلان کر دینا کہ وہ دینی فریضہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں ذرا بھی اثر انداز نہ ہو سکا۔ انہوں نے رسول اللہ کو زیارت و طواف سے روکنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اگرچہ اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔ قریش نے دو سو مسلح نوجوانوں کا لشکر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی سپہ سالاری میں بھیجا جس نے ذی طوٰی کے مقام پر مسلمانوں کی ناکہ بندی کر کے راستہ روک دیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عسفان کے مقام پر پہنچے تو بنو کعب کے شخص نے جو مکہ سے آ رہا تھا، رسول اللہ کو بتایا کہ اہل مکہ کو آپ کی روانگی کا حال معلوم ہو گیا ہے جس سے وہ بہت غضب ناک ہو رہے ہیں۔ ان کا لشکر ذی طوٰی میں پہنچ گیا ہے۔ ان میں سے ایک ایک سپاہی نے قسم کھائی ہے کہ آپ لوگوں کو وہ کبھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید لشکر لیکر کراع الغمیم کے مقام پر آ پہنچا ہے "۔ یہ مقام رسول اللہ کے پڑاؤ عسفان سے بارہ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا، یہ حالات جان کر رسول پاک نے فرمایا :۔

قریش کی حالت پر افسوس ! وہ جنگوں سے برباد ہو گئے مگر پھر بھی نہ سمجھے۔ آج اگر وہ مسلمانوں اور عرب زائرین کو طواف و زیارت سے نہ

روکتے (تو ان کا کیا بگڑ جاتا) موجودہ صورتِ حال میں اگر وہ مجھ پر غالب آگئے تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر خدا نے مجھے غلبہ عطا فرمایا تو وہ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیں گے اور اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور قریش گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں (اور مسلمان صرف طوافِ وزیارت کے لئے) مگر میرے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ رہیں! خدا کی قسم میں اسلام کو قائم رکھنے کے لئے ساری زندگی جہاد کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسلام کو غالب کرے یا میری زندگی ہی ختم ہو جائے"!

اسی عرصہ میں دور سے اہل مکہ کا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ رنگ ڈھنگ سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اہلِ قریش اپنے وقار اور وطن میں سے ایک ایک کے تحفظ پر جان کی بازی لگا دیں گے۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگ کے طلبگار نہ تھے۔ لیکن اگر آپ کو مقابلہ کرنا ہی پڑا تو یہ قریش کی طرف سے رسول اللہ کو مجبور کرنا ہوگا۔ لیکن اس طرح عرب کے سامنے رسول اللہ کو ملزم ثابت کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ لڑائی کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسلمانوں پر پورا اطمینان تھا کہ وہ تلواریں نیام سے نکال کر اپنا دفاع بہتر انداز میں کر سکیں گے۔ ان تصورات میں یہ خیال گزرتا کہ لڑائی درپیش آنے کی صورت میں مسلمانوں کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور قریش کو بھی یہ بہانہ مل جائے گا کہ مسلمان احترام والے دنوں میں جنگ کرنے کے لئے چڑھ آئے اس لئے جنگ نہ صرف مسلمانوں کے نظریہ کے خلاف ہوگی بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف اور سیاست کے بھی منافی ہوگی۔ اپنے صحابہ سے فرمایا:۔

"جو شخص وادی کی خاص راہوں سے واقف ہو ہماری رہنمائی کرے"۔

یعنی جس راہ سے دشمن کا لشکر آرہا ہے اس سے علیحدہ کوئی راستہ مل جائے تاکہ جنگ سے

بچا جائے کیونکہ اس وقت مسلمانوں کا مقصد جنگ کرنا نہیں بلکہ کعبہ کی زیارت تھا چنانچہ پہاڑیوں سے نکل کر جونہی ذرا کشادہ راستہ ملا رحمۃ للعالمین اپنے قافلے کے ساتھ دائیں سمت مڑ کر اس مقام سے قریب ہو کر گذرے جو ثنیۃ المراد یعنی لشکر کے ٹھہرنے کا مقام حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

رسول اللہؐ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی

ادھر قریش کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان عام راستہ چھوڑ کر اس راستے پر پڑ گئے ہیں جو مکہ کی طرف جاتا ہے۔ وہ خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو مسلمان مکہ پر حملہ کر دیں چنانچہ کفار اسی جگہ سے مسلمانوں کا حملہ بچانے کے لئے مکہ واپس لوٹ گئے۔

مسلمان حدیبیہ میں پہنچے تو رسول اللہ کی اونٹنی (قصواء) خود بخود بیٹھ گئی۔ مسلمانوں نے سمجھا وہ تھک گئی ہے مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قصواء تھکن سے نہیں بیٹھی اس کا بیٹھ جانا اسی قوت کا کرشمہ ہے جس نے ابرھہ کے ہاتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیا تھا" پھر فرمایا "آج اہل مکہ انسانیت کی بھلائی کے لئے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کروں گا۔" اور اپنے قافلے کو اسی جگہ قیام کا حکم فرمایا۔ مسلمانوں نے اس جگہ پانی نہ ملنے کی اطلاع عرض کی۔ اس پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ترکش سے تیر نکال کر صحابہ کو دیا کہ اسے وادی کے کسی کنوئیں کی تہہ میں گاڑ دیا جائے۔ جونہی یہ تیر ایک کنوئیں کی تہہ میں نصب کیا گیا پانی جوش مار کر ابل پڑا اور وہاں ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور لوگ اطمینان کے ساتھ وہاں ٹھہر گئے۔

حدیبیہ میں مسلمانوں نے جب پڑاؤ ڈال لیا تو قریش کش مکش میں پڑ گئے کہ اگر رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر چارہ نہ رہے گا۔ قریش اس حد تک پریشان ہو گئے کہ اگر مسلمان مکے میں داخل ہو گئے تو سارے عرب ہماری بہادری کی ساکھ بالکل ختم ہو جائے گی اور وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ کعبہ کی نگرانی، کلید برداری اور دوسرے دینی عہدے سب کے سب محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قبضہ میں چلے جائیں گے۔ آخر کافی مشورہ کے بعد طے پایا کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایسے سمجھدار افراد کا وفد بھیجا جائے جو ایک طرف ان کی قوت کا جائزہ لے اور دوسری طرف انہیں طواف کے بغیر لوٹ جانے کی تلقین کرے۔

جب تک میرے جسم میں جان ہے میں لڑتا رہوں گا۔

چنانچہ سب سے پہلے بنو خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقا، کچھ آدمیوں کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدیل سے فرمایا کہ:-

> "تم ہمارا یہ پیغام مکہ والوں کے پاس لے جاؤ کہ ہم ہرگز لڑنے کے لئے نہیں آئے، صرف خانہ کعبہ کی زیارت اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ یہ مذہبی فریضہ ادا کرنے کے بعد ہم پُرامن طریقے سے واپس چلے جائیں گے۔ مناسب یہی ہوگا کہ مقررہ مدت کے لئے فریقین میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے اور انہیں یہ کھول کر بیان کر دینا کہ اگر انہوں نے جنگ کا راستہ پسند کیا تو خدا کی قسم! جب تک میرے جسم میں جان ہے میں لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ دے دے۔"

بدیل رسولِ خدا کا پیغام لے کر مکہ والوں کے پاس آیا اور انہیں مشورہ دیا کہ مسلمانوں کے لئے

خدا کے گھر کی زیارت کا راستہ کھول دیں۔ لیکن قریش نے انہیں الٹا ملزم گردانا اور سخت ناراض ہو کر بدیل سے کہا ؛ "محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) لڑائی کے لیۓ نہیں آۓ نہ سہی، تب بھی وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے نہ ہم عرب کو موقعہ دے سکتے ہیں کہ وہ ہماری بزدلی کی داستان بیان کرتے رہیں ۔"

اس کے بعد احابیش (ان لوگوں کو احابیش یا تو سیاہ رنگ کی بنا پر کہتے تھے اور یا "حبشی" نامی پہاڑ کی طرف منسوب ہیں) کے سردار حلیس کو بھیجنے کا فیصلہ کیا مقصد یہ تھا کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حلیس کو ٹھکرا دیا تو یہ لوگ جنگ کی صورت میں قریش کا بھرپور ساتھ دیں گے ۔

رسول اللہ نے حلیس کو پہچان لیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے سے نکالا جاۓ تاکہ حلیس خود محسوس کر سکے کہ اہل مکہ جن لوگوں کا مقابلہ کرنے کی فکر میں مرے جا رہے ہیں وہ تو صرف ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے آۓ ہیں ۔

حلیس نے یہ دیکھا کہ قربانی کے ستر جانور بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں۔ یہ قبیلہ قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اس کا مذہب کی طرف رجحان بھی زیادہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی دیانت داری سے اس قدر متاثر ہؤا کہ اسے قریش کے ظلم اور مسلمانوں کی صلح پسندی کا یقین آ گیا۔ وہ نبی پاک سے ملاقات کیے بغیر واپس لوٹ آیا ۔ مگر اس کی مخلصانہ باتیں سن کر قریش سخت غصے میں آ گۓ اور اس سے کہا ۔ "خاموش ! آخر تم بدو ہی نکلے ۔ تم ان باتوں کو کیا سمجھو ؟"

یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ اس نے قریش سے کہا ۔ "لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیۓ ہمارا تمہارا معاہدہ نہیں ہؤا ۔" حلیس نے قریش سے یہ بھی کہا کہ میرے قبیلہ میں سے کوئی شخص محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طواف سے روکنے کے لیۓ حائل نہ ہو گا ۔

حلیس کی اس دھمکی سے قریش لرز اٹھے چنانچہ انہوں نے بڑی منت سماجت کر کے اتنی مہلت مانگی کہ اس معاملہ میں ہمیں ذرا سوچ لینے دیجیۓ ۔

اب قریش نے ایسا آدمی آپ کے پاس بھیجنے کا منصوبہ بنایا جو حکمت و دانائی میں سب سے بہتر ہو۔ چنانچہ اب عروہ بن مسعود حدیبیہ گیا۔

عروہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ "مکہ آپ کا وطن بھی ہے آج اگر آپ نے ان مختلف اور نیچ درجہ کے لوگوں کے ہاتھ سے اسے پامال کرا دیا تو قریش ہمیشہ کے لئے رسوا ہو جائیں گے اور ان کی رسوائی میں آپ بھی قصوروار ہوں گے۔ قریش کے ساتھ آپ کی لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن ان کی یہ ذلت آپ کو کبھی گوارا نہ ہونا چاہئیے۔"

حضرت ابوبکر نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ عروہ اپنی حکمت عملی سے مسلمانوں کو رسول اللہ کی طرف سے بددل کرنا چاہتا ہے عروہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائی کسی حالت میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔

عرب کے عام دستور کے مطابق گفتگو کے دوران عروہ رسول اللہ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ کے پیچھے باادب کھڑے تھے۔ عروہ جب بھی آپ کی طرف ہاتھ بڑھاتے حضرت مغیرہ ہر مرتبہ عروہ کا ہاتھ جھٹک دیتے اس کے باوجود کہ مغیرہ کو عروہ بن مسعود کا یہ احسان یاد تھا کہ ایک مرتبہ اس نے مغیرہ کی طرف سے تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کی تھی۔ عروہ قریش کے پاس واپس لوٹے تو انہوں نے واضح کہہ دیا "اے برادرانِ قریش! میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سی عظمت کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی اور تو اور ان کے ساتھی ان کے وضو کرنے پر پانی کے قطرے بھی زمین پر نہیں پڑنے دیتے! ان کا بال زمین سے اٹھا کر کسی قیمت پر دوسروں کو دینا گوارا نہیں! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی رائے پر دوبارہ غور کریں۔"

قریش کے وفود کی ناکامی پر آپ نے اندازہ فرمایا کہ قریش کی طرف سے آنے والے وفدوں کے لوگ واپس لوٹ کر انہیں پوری کیفیت سے آگاہ نہیں کرتے۔ چنانچہ رسول پاک نے اپنی جانب سے اپنا ایک قاصد خراش بن امیہ قریش کے پاس بھیجا۔ مگر قریش نے دیکھتے ہی پہلے تو ان کی سواری کا اونٹ ہلاک کر دیا۔ پھر خود اس کو بھی قتل کرنا چاہا۔ لیکن احابیش نے مداخلت کر کے ان کی جان بچا دی۔

اہل مکہ نے اپنے اس رویّہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق بغض اور حسد بھرا ہوا ہے۔ اسی دوران رات کے وقت قریش نے اپنے کچھ آدمی مسلمانوں کی طرف بھیجے ان لوگوں نے اسلامی قافلے پر پتھراؤ کیا اور تیر برسائے۔ یہ دیکھ کر مسلمان فوراً ان پر جھپٹے اور انہیں گرفتار کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ؟ تمام مجرموں کو رہا کر دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصد تو صلح و مصالحت تھا اور ادب والے دنوں کا احترام اور حدیبیہ جو حرم بیت اللہ میں واقع ہونے کی وجہ سے محترم تھا۔ اس کا وقار عزیز تھا۔ قریش اپنے آدمیوں کے پکڑے جانے اور ان کی فوراً رہائی سے بے حد شرمندہ ہوئے۔ انہیں پکا یقین ہو گیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے۔ قریش نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر مسلمانوں پر زیادتی کی گئی تو عرب انہیں طعنہ دیں گے اور یقین کر لیں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک بھی کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے۔

جب تک رسول اللہ طواف نہ کریں میں بھی نہیں کر سکتا

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے محض اس خیال سے کہ اپنی طرف سے کوئی بات رہ نہ جائے۔ اہل مکہ کو ایک اور موقعہ دینے کے لئے فیصلہ کیا کہ کسی دانشمند مسلمان کو مکہ والوں کی طرف بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمر فاروق سے کہا کہ وہ مکے جا کر اہل قریش سے بات کریں حضرت عمر اپنے آقا پر اپنی زندگی کو قربان کر دینا ایک بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے لیکن

انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا کہ یارسول! آپ جانتے ہیں کہ اہل مکہ مجھ سے سخت دشمنی اور بغض رکھتے ہیں۔ کیونکہ میں نے دین کے معاملے میں ان کے ساتھ کبھی نرمی نہیں برتی دوسرے اس وقت میری قوم کا بھی کوئی آدمی مکہ میں موجود نہیں جو مجھے پناہ دے سکے حضرت عثمان غنی اس خدمت کو مجھ سے بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کی اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔

مکّہ میں ان کے ایک عزیز ابان بن سعید نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ آپ نے قریش کے سرداروں سے بات چیت کی۔ لیکن قریش نے صاف صاف جواب دے دیا کہ ہم محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو کسی صورت میں مکّے میں داخل نہ ہونے دیں گے البتہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ مکہ میں آئے ہوئے ہیں آپ عمرہ ادا کرلیں"۔ مگر حضرت عثمان نے جواب دیا "یہ ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک رسول اللہ طواف نہ کریں میں بھی نہیں کرسکتا۔"

حضرت عثمان اور سرداران قریش میں بات چیت کامیاب نہ ہوسکی۔ اب حضرت عثمان کو مقررہ مدّت کے اندر واپس حدیبیہ آجانا چاہئے تھا۔ لیکن اہل مکّہ نے بات چیت کے لئے حضرت عثمان کو کچھ مدّت کے لئے روک لیا۔ حضرت عثمان کی عدم موجودگی سے مسلمانوں میں شکوک وشبہات بڑھنے لگے کہ یکایک افواہ اڑگئی کہ اہل مکّہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔

اللہ ان تمام مُسلمانوں سے راضی ہوگیا

مسلمان حضرت عثمان کے متعلق اس خبر سے بے چین ہوگئے۔ ان میں سے ایک ایک فرد نے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ لیا۔ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے حد افسردہ ہو گئے کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو احترام والے مہینے میں قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا " لانبرح حتی نناجز القوم " میں ان سے جنگ کئے بغیر یہاں سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا" یہ فرما کر آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے اور بیعت جہاد کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک مسلمان دیوانہ و مستانہ وار بیعت کے لئے آگے بڑھا کہ وہ موت کو فرار پر ترجیح دے گا۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو احترام والے دنوں میں شہید کر دیا یہ ان کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی بیعت تھی۔ ان بیعت کرنے والوں کو اللہ کی رضا کی سند بھی مل گئی۔

خداوند تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا!

"اے پیغمبر! اللہ ان تمام مسلمانوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے اس (کیکر کے) درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کی۔ پھر اللہ نے ان کے دلوں کی نیت اور خلوص کو جان لیا اور ان کو (دلی) اطمینان وسکون عطا فرمایا اور اس کے بدلے میں انہیں جلد آنے والی فتح سے سرفراز فرمایا۔" (۴۸ : ۱۸)

جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تب رسول پاک نے اپنے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ کر فرمایا 'ھذہ ید عثمان' یہ عثمان کا ہاتھ ہے! پھر اس بیعت رضوان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اے رسول! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے ان کے ہاتھوں پر تمہارا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اللہ کا ہاتھ تھا!" (۴۸ : ۱۰)

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر درست نہ تھی اور اتنے میں ان کی خیریت کی اطلاع آگئی، رسول اللہ نے اپنے ہاتھ پر ان کی بیعت لے کر بتا دیا کہ حضرت عثمان زندہ و سلامت ہیں۔ بیعت کسی زندہ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اسی بیعت رضوان میں اللہ کی طرف سے کئی مصلحتیں تھیں۔

اہل مکہ کو مسلمانوں کی قوت، شوکت اور جذبہ فداکاری اور قربانی کا اندازہ ہو جائے (ظاہر ہے کہ جو شخص موت سے نہیں گھبراتا خود موت اس کے نام سے لرزتی ہے۔ کامیابی ایسے ہی لوگوں کے لئے چشم براہ رہتی ہے)

صحابہ کو حضرت عثمان کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو جائے۔

معاہدہ صلح میں دیر نہ ہونے پائے۔

غالباً اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کا وقت آئے تو تمام مسلمان ان کی حفاظت کریں۔

معاہدہ کی دفعہ ۳ اور ۴ کو سن کر مسلمان تڑپ اٹھے

مشرکین مکہ میں جب مسلمانوں کے جوش اور ولولہ اور جذبۂ فداکاری کی خبریں پہنچیں تو اہل مکہ میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ دارالندوہ میں سب سردارانِ قریش جمع ہوئے اور اگلے اقدام پر غور کیا جائے گا۔ اب یہ طے ہوا کہ لڑائی تو مناسب نہیں کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ مسلمان اس سال تو واپس چلے جائیں اور اگلے سال حج کے لئے آئیں۔ اس طرح عربوں میں ہمارا سر نیچا نہیں ہوگا۔

چنانچہ مکہ کے عقل مند، بات چیت کے ماہر اور سیاسی امور کو سمجھنے والے ایک شخص سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیجا گیا۔ حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش کے مابین بات چیت کے کئی دَور ہوئے۔ آخر بحث و تمحیص اور افہام و تفہیم کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں اور اہل قریش کے درمیان ایک معاہدہ کر لیا جائے جس پر دس سال کے بعد نظر ثانی کی جا سکے گی۔

> معاہدے کی شرطیں زبانی طور پر طے ہو گئیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کی شرائط تحریر میں لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا لکھو !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا میں "بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ" لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے وہ واقف نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں حضور نے فرمایا وہی لکھو جس طرح سہیل کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے مجبوراً لکھ دیا۔

پھر حضور نے فرمایا ؛

هٰذَا مَاقَضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

یعنی اس صلح کو اللہ اور اُس کے رسول پسند کرتے ہیں۔

سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا۔ صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ حضرت علی حضور کے ارشاد کے مطابق کاغذ پر لکھ چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس طرح سہیل کہتے ہیں اسی طرح لکھو۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ میں لکھ چکا ہوں۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اُسے اپنے ہی قلم سے کاٹ دوں" شاید اس کو نافرمانی کہا جائے لیکن اس نافرمانی پر ہزاروں فرماں برداریاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ یہی وہ جذبہ عشق و محبت تھا جو ہر صحابی کے دل میں مچل رہا تھا اور اہلِ مکہ پریشان ہو رہے تھے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے حضرت علی نے اُس جگہ انگلی رکھ دی۔ آپ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا۔ چنانچہ محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط

۱ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے واپس مدینہ منورہ چلے جائیں گے۔

۲ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳ ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی تھیلے وغیرہ میں

۴ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں اُن میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵ کفار یا مسلمان میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اُسے واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں،

۷ یہ معاہدہ دس سال کے لئے ہوگا۔

حدیبیہ ہی میں قبیلہ خزاعہ نے رسول اکرم کے ساتھ اور قبیلہ بنو بکر نے قریش سے معاہدہ وفاداری کیا۔

معاہدہ کی دفعہ ۳ اور ۴ کو سن کر مسلمان تڑپ اٹھے۔ ہر مسلمان کا خون کھول رہا تھا۔ شہادت کے آرزو مند چاہتے تھے کہ ابھی میدانِ جنگ میں فیصلہ ہو جائے لیکن ادب و احترام اس قدر تھا کہ ادب رسول کے تحت خاموش تھے۔ ان کو بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ تاہم دبی دبی زبانوں میں یہ کہا جا رہا تھا کہ دب کے صلح کی گئی ہے۔

شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کھول دینے کا مشورہ مسلمانوں کو دیا تو چونکہ ان کے شدتِ شوقِ زیارت کعبہ کے خلاف یہ صورت پیش آئی اس لئے ان کو بہت رنج ہوا اور اس کے سبب سے مسلمانوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں تساہل برتا جس سے ان کی غرض یہ تھی کہ حضور یہ دیکھ کر اپنے جاں نثاروں پر شفقت فرمائیں گے اور ان کی آرزو کے مطابق اپنی رائے بدل دیں گے۔ لیکن جب آپ نے یہ دیکھا

کہ لوگ اپنی رائے پر اڑے ہیں اور ان کا اس پر اصرار مصلحت ربانی کے خلاف ہے تو اس پر آپ کو بہت صدمہ ہوا اور مغموم ہو کر ام المومنین حضرت اُمّ سلمہ کے پاس تشریف لیگئے ام المومنین نے چہرہ مبارک پر آزردگی کا اثر پا کر سبب دریافت کیا۔ آپ نے واقعہ بیان فرمایا حضرت ام سلمہ نے مشورہ کے طور پر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ خود اپنا احرام کھول دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ شمع نبوت کے پروانوں (صحابہ) نے یہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب حضور اپنے فیصلہ کو تبدیل نہیں فرمائیں گے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ احرام کھولنے اور سر کے بال منڈوانے کے لیئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ فتح نازل ہوئی۔

"ہم نے تجھ کو فتح مبین یعنی کھلی ہوئی فتح عنایت کی"

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اُس کو فتح کہا۔

بظاہر یہ عجیب سی بات ہے کہ جس معاہدے کی رو سے مسلمانوں نے دب کر صلح کی اسے کھلی ہوئی فتح کہا جائے۔ لیکن بعد کے حالات نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ واقعی حدیبیہ کی صلح اسلامی تحریک کی تاریخ میں ایک بڑی فتح کا پیش خیمہ تھی۔

اب تک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی کیفیت برپا تھی اور دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع نہ تھا۔ اس صلح کے معاہدے نے اس کیفیت کو ختم کر دیا اور اب مسلمان اور غیر مسلم بے دھڑک مدینہ آتے اور مہینوں وہاں رہ کر مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے اس طرح انہیں اس نئی اسلامی جماعت کے لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ یہاں آ کر وہ عجیب طرح متاثر ہوتے تھے۔ جن لوگوں کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت اور غصہ بھرا ہوا تھا انہیں وہ معاملات اور عادات میں اپنے لوگوں سے

کہیں زیادہ بلند پاتے تھے۔ پھر وہ دیکھتے تھے جن اللہ کے بندوں نے ہم سے لڑائی مول لے رکھی ہے۔ ان کے دلوں میں ان کے خلاف کوئی نفرت اور دشمنی نہیں ہے بلکہ انہیں جو کچھ نفرت ہے وہ ان کے غلط عقائد اور ان کے غلط طریقوں سے ہے مسلمان جو بات کہتے ہمدردی اور انسانیت سے بھری ہوتی تھی باوجود اتنی لڑائی کے مسلمان ان کے ساتھ انسانی ہمدردی اور حسنِ سلوک میں کوئی کمی نہ کرتے۔ پھر اس طرح ملنے جلنے کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں جو شکوک اور اعتراضات تھے ان کے متعلق بھی آپس میں بات چیت کرنے کا خوب موقع ملتا تھا اور غیر مسلموں کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اسلام کے بارے میں کس درجہ غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیئے گئے تھے۔ غرض یہ کہ اس صورتِ حال نے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ غیر مسلموں کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور آپس کی غلط فہمیوں کے جو پردے ان کے سرداروں نے ان کے دلوں پر ڈال رکھے تھے وہ سب اٹھنا شروع ہو گئے۔

اہلِ قریش بوکھلا اٹھے۔

چنانچہ اس معاہدے کے بعد صرف ڈیڑھ دو برس میں اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پہلے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ اسی دوران میں قریش کے بعض بڑے نامور سردار تک اسلام سے متاثر ہوئے اور غیر مسلموں سے کٹ کر مسلمانوں کے ساتھی بن گئے۔ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص اسی زمانے میں اسلام لائے اور اب اسلام کا دائرہ اثر اتنا پھیل گیا اور اس کی طاقت اتنی زبردست ہو گئی کہ اب پرانی جاہلیت کو اپنی موت صاف نظر آنے لگی۔ اہلِ قریش کے سردار اس صورتِ حال کا اندازہ کر کے بوکھلا اٹھے۔ قریش کو صاف نظر آنے لگا کہ وہ اسلام کے مقابلے میں یقیناً بازی ہار جائیں گے۔ اب انہیں اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وہ معاہدے کو جلد سے جلد توڑ ڈالیں اور اسلامی تحریک کے خلاف ایک بار پھر ڈٹ کر قسمت آزمائیں اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو جس طرح ہو روکیں۔

جنگ موتہ

رومیوں کا لشکر چیونٹیوں کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ بہت زیادہ جنگی سامان اور فوج میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی تھے۔

مسلمانوں کے لشکر میں کل تین ہزار آدمی تھے، مگر جونہی رومی فوج سامنے آئی تو مسلمان پوری قوت وہمت سے جا ٹکراتے۔

دونوں ہاتھ کٹ گئے تو حضرت جعفرؓ نے جھنڈا اپنے بازوؤں میں دبا کر سینے سے چمٹا لیا۔ آپ کے جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے۔

حضرت خالد بن ولید سپہ سالار بنے اور بہادری سے لڑے کہ نو تلواریں انکے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بڑے بادشاہوں کے نام خط روانہ فرمائے تھے جن میں اُن کو اسلام کی دعوت پیش کی تھی، ان میں سے ایک خط شاہ بصری یا قیصرِ رُوم کے نام لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا۔ جو بصریٰ کا حکمران تھا۔ اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان عیسائی تھا اور ایک مدت سے شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ جنہیں بصریٰ کے حکمران نے نہایت بے رحمی سے قتل کرا دیا (ان کے سوا رسُول اللہ کے کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا یہ واقع موتہ کے مقام پر پیش آیا موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء کے قریب ہے۔)

آج تک

جب یہ خبر حضُور کو معلُوم ہوئی تو آپؐ اور سب مسلمانوں کو بہت زیادہ رنج ہوا۔ ظاہر ہے کہ بصریٰ کے حکمران سے قصاص طلب کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ رسُول اللہ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر اس قصاص کے لیے متعین فرمایا۔ آپؐ نے زید بن حارثہؓ کو لشکر کا سپہ سالار بناتے ہوئے فرمایا اگر زیدؓ جنگ میں شہید ہو جائیں تو سپہ سالاری حضرت جعفر طیارؓ بن ابو طالب کو دے دی جائے اور وہ بھی رُتبۂ شہادت حاصل کرے تو عبداللہؓ بن رواحہ اسلامی لشکر کی کمان سنبھالے۔ خالد بن ولیدؓ بھی اسی فوج میں شامل تھے۔ آج تک کسی مہم میں آپؐ نے سپہ سالار کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ فلاں کے بعد فلاں سپہ سالار ہوگا۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس طرح کے فرمان جاری فرمائے، یہ تمام باتیں بے وجہ نہیں ہو سکتیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کو ہدایات فرماتے ہوتے شہر سے باہر "ثنیۃ الوداع" تک آئے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے مسلمانوں کو رخصت کرنے سے پہلے ان کو نصیحتیں کیں اور فرمایا، کہ عورتوں، نابالغ و کمسن بچوں کو اور اندھوں کو قتل نہ کیا جائے، نہ کوئی مکان گرایا جائے اور نہ درخت کاٹے جائیں، روانگی کے وقت رسُول پاک نے مسلمانوں سے مل کر دُعا کی۔ آخر میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کے ساتھ الوداع فرمایا۔

"اللہ مدد کرے! تم سے مصیبت دور رکھے اور خیریت وعافیت سے واپس لائے۔"

اس طرح یہ لشکر حضورؐ کی دُعائیں اور نصیحتیں لے کر یہاں سے روانہ ہوا اور شام میں معان کے مقام پر جاکر ٹھہر گیا،

لشکرِ کفار ایک لاکھ (بروایتِ دیگر دو لاکھ) کی تعداد میں تھا

شرجیل کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان لشکر لیے چڑھائی کرنے آ رہے ہیں، تو اس نے فوراً ایک لاکھ کا لشکر مقابلہ کے لیے تیار کیا، ساتھ ہی اس نے رومی بادشاہ ہرقل کو بھی مدد کے لیے لکھ دیا۔ ہرقل بھی ایک بڑا لشکر لے کر بلقار میں پہنچ گیا، اس کے علاوہ عرب کے بہت سے بادشاہ اور عیسائی قبیلے بھی فوری طور پر ایک لشکر لے کر رومیوں کی مدد کے لیے آ پہنچے، اس طرح عیسائیوں کا لشکر ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہوگیا ان کے ساتھ زبردست جنگی سامان اور گھوڑے وغیرہ بھی تھے۔ مسلمانوں کو معان میں یہ بات معلوم ہوئی کہ رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کرلیا ہے اور وہ مقابلہ کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ تو دو دن مسلمانوں کے اسی سوچ میں گزر گئے کہ اتنے بڑے لشکر سے کس طرح مقابلہ کیا جائے، ایک مسلمان نے تجویز پیش کی کہ صورتِ حال سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا جائے تاکہ کمک کے طور پر کچھ اور فوج بھجوائیں ورنہ جو حکم ہو تعمیل کی جائے۔

"فتح نہ ہوگی تو شہادت ہی کیا کم نعمت ہے"

فوج اس تجویز پر عمل کرنے کو تیار تھی کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو بہادری میں بے مثل اور فصاحت وبلاغت میں ان کو کمال حاصل تھا بول اٹھے!

"بھائیو! عجیب بات ہے کہ شہادت کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لائے اور اسی سے دور بھاگ رہے ہیں۔"

دوستو! ہماری فوج تعداد و قوت پر منحصر نہیں بلکہ اس دین پر موقوف ہے جس دین سے اللہ نے ہمیں دنیا میں ممتاز فرمایا ہے اٹھو اور دشمن پر یلغار کردو! فتح نہ ہوگی تو شہادت ہی کیا کم نعمت ہے۔"

حضرت عبداللہؓ کی تقریر نے تمام لشکر میں رُوح پھونک دی۔ صحابہؓ بیک زبان پکار اٹھے "بخدا" ابن رواحہؓ نے بہت صحیح فرمایا ہے"!

اس کے بعد مسلمان پورے جوش کے ساتھ آگے بڑھے۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو سامنے مشارف بستی کے مقام پر ہرقل کے لشکر کو دیکھا۔ جیسا کہ معمول ہے دونوں لشکروں کے سپہ سالاروں نے اپنے اپنے رسالوں کو دشمن کے بازوں کے صحیح مقامات کے تعین کے لیے استعمال کیا۔ حضرت زیدؓ نے دشمن سے لڑائی کے لیے مشارف کی وادی کے بجائے موتہ کے مقام کو اپنے لیے زیادہ مناسب اور قدرے محفوظ بھی سمجھا۔ چنانچہ وہ اِدھر سے ہٹ گئے اس طرح ایک تو دشمن کو ان کی صحیح تعداد کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا تھا اور دوسرا جہاں تک محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے پس نشینی اختیار کی کہ دشمن کو دھوکے میں رکھا جائے اور موتہ کے مقام پر پہنچ کر لشکر کی ترتیب یوں کی کہ رومی لشکر جونہی سامنے آئے تو اس کے غیر مرتب اور بکھرے ہوئے سپاہیوں پر حملہ بول دیا جائے۔

دونوں لشکروں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ کیونکہ رومیوں کا لشکر چیونٹیوں کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ان کے پاس بہت زیادہ جنگی سامان تھا اور فوج میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی تھے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے لشکر میں کل تین ہزار آدمی تھے۔ مگر جونہی رومی فوج سامنے آئی تو مسلمان اپنی پوری قوت و ہمت سے جا ٹکرائے۔

جنگ پورے زور شور سے شروع ہو چکی تھی ۔ ہر مسلمان کئی کئی رومیوں سے لڑ رہا تھا ۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ مسلمانوں کے کمانڈر تھے ، تین ہزار اور ایک لاکھ سے مقابلہ ! جنگ کے شعلے پوری قوت سے بھڑک اٹھے ، مگر ایمان کی قوت اور دبدبہ ملاحظہ ہو کہ حضرتِ زیدؓ بن حارثہ کے ایک ہاتھ میں رسول اکرمؐ کا عطا کردہ اسلامی جھنڈا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ، وہ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے رومی لشکر میں گھس گئے اور دشمنوں کی صفوں کی صفیں تہس نہس کر کے رکھ دیں ۔ انہیں یقین تھا کہ موت سے کوئی چارہ نہیں لیکن وہ اس موت کو خدا کی راہ میں شہادت سمجھتے اور مومن کی نظر میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں ، حضرت زیدؓ اسی طرح موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کی تلواروں اور تیروں کا نشانہ بن گئے اور خدا کی راہ میں شہادت سے فائز ہوتے ۔ یہ دیکھ کر حضرتِ جعفرؓ بن ابو طالب آگے بڑھے ۔ علم اُٹھا لیا ۔ آج وہ پورے تینتیس کے ہو گئے تھے طاقتور اور دلیر نوجوان جس کی جوانی اور دبدبہ دونوں ایک سے ایک زیادہ ! دشمنوں کی فوجوں کے قلب کو چیرتے ہوئے چلے گئے ۔ کچھ دیر بعد دشمنوں نے اپنے گھراؤ میں لے لیا ، حضرت جعفرؓ یہ دیکھ کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے ۔ پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں ، پھر تلوار سونت کر چاروں طرف تلوار کو گھمانا شروع کیا اور دشمنوں کے سر گاجر مولی کی طرح اڑانے لگے ۔ جھنڈا ان کے دائیں ہاتھ میں تھا جسے دشمنوں نے کاٹ دیا ۔ حضرت جعفرؓ نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا ۔ کافروں نے یہ ہاتھ بھی کاٹ کر علیحدہ کر دیا ۔ تب انہوں نے جھنڈا اپنے بازوؤں میں دبا کر سینے سے چمٹا لیا لیکن آخر کہاں تک !

حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے اور دشمن نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے ۔ آپ کے جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت پر کوئی زخم نہ تھا ۔ جب وہ گرے تو عبداللہ قریب ہی تھے ، علم نبویؐ انہوں نے سنبھالا اور اشعار پڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھے ، گھوڑے سے اترتے وقت کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ۔ مگر ذرا دیر

بعد سنبھلے اور شعر پڑھتے رومی صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک وہ بھی شہید ہو گئے۔

نو تلواریں انکے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں

تینوں سپہ سالار زیدؓ، جعفرؓ اور ابن رواحہؓ ایک ہی وقفہ میں آگے پیچھے راہ خدا میں شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہو جانے پر حضرت زیدؓ بن ثابت نے علم لیا اور زبان سے فرمایا " اسے مسلمانو ! کس شخص کو اس منصب کے لیے منتخب کرتے ہو ؟" لوگوں نے کہا " آپ ہی مناسب ہیں ۔

حضرت زیدؓ کے انکار پر مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تجویز کیا۔ حضرت خالد سے مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد اور جنگی قوت کی کمی پوشیدہ نہ تھی لیکن حضرت خالدؓ بن ولید بڑے بہادر اور فوج کو لڑانے کے ماہر اور جنگی چالوں کے سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالار بنے اور بہادری سے لڑے کہ نو تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گریں (جو مورخ یہ کہتے ہیں کہ موتہ کے مقام پر اسلامی لشکر کو شکست ہوئی تھی ۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ شکست خوردہ لشکر میدان جنگ میں اپنے کمانڈر منتخب کرنے کے قابل نہیں ہوا کرتے ۔ فاتح دشمن ایسی تقاریب کی مہلت نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمن موتہ کے مقام پر مسلمانوں کی دلیری اور شجاعت اور پے در پے حملوں سے خائف ہو کر بھاگنے لگا تھا۔ اگر جنگ کے دوران مسلمان فوج حضرت جعفرؓ کے زخم گن سکتی ہے اور نیا کمانڈر چن کر اس کے احکام کے مطابق واپسی کے دوران مالک بن زفیلہ عیسائی سردار جو دشمن کے بائیں بازو کی حفاظت پر مامور تھا اسے قتل کر سکتی ہے تو ایسی فوج شکست خوردہ نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اُحد کی طرح یہ مقابلہ بھی فتح و شکست کے بغیر انجام پذیر ہوا ۔)

وہ جہاں کھڑے تھے سہمے وہیں کھڑے رہے

چنانچہ رات کے وقت حضرت خالد بن ولیدؓ نے جنگی چال چلی، فوج کی بھاری تعداد کو میدانِ جنگ سے دُور چُھپا دیا۔ یہ دستہ صُبح ہوتے ہی نعرے لگاتا ہوا میدانِ جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن نے خیال کیا کہ مدینہ سے رسُول پاکؐ کی طرف سے تازہ کمک پہنچ گئی ہے۔ ان کے دِل دہل گئے کہ مُسلمانوں کی تین ہزار فوج نے کل کس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے کتنے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ اب تو انہیں اور کمک پہنچ گئی ہے۔ کہیں انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ مگر اصلی راز کا فروں میں سے کِسی کو بھی معلُوم نہ ہو سکا۔

چنانچہ رومی فوجیں حضرت خالدؓ بن ولید کے جنگی داؤ پیچ سے گھبرا اُٹھیں۔ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے سہمے وہیں کھڑے رہے۔ مُسلمانوں نے دیکھا دشمن آگے نہیں بڑھتا اور انہوں نے وقار و تحمل کے ساتھ مدینہ کی طرف اپنا رُخ پھیر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوئی مگر دشمنوں کا ایک لاکھ سے زیادہ کا لشکر جرار بھی کامیاب نہ لوٹا حضرت خالد بن ولیدؓ فوج کے ہمراہ مدینے پہنچے۔ چونکہ اسلامی لشکر رومی مملکت کو ختم کئے بغیر لوٹا تھا۔ اس لیے چند جوشیلے مسلمانوں نے ان کی طرف کنکریاں پھینکیں اور کہا " اے فرارین، تم فیصلہ کُن جنگ کے بغیر چلے آتے ہو"۔

اور ابھی جنگ کی پوری تفصیل سے مدینے کے لوگ لاعلم تھے۔ رسُول خُدا نے سُنا تو فرمایا۔

" یہ فرار نہیں بلکہ کرار (بار بار حملہ کرنے والا) ہیں انشاءاللہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو یہ پھر لڑیں گے" اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہدایت کے مُطابق مسلمانوں کا لشکر غزوہ مُوتہ سے واپس لوٹ آیا۔ اس جنگ میں فتح ہوئی نہ شکست۔ تاہم مُسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا۔ اس کے باوجود کہ رومیوں (عیسائیوں) کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ اور مُسلمانوں کی

تعداد تین ہزار تک تھی ۔ لیکن رومیوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں بے حد غنیمت جانا ۔ مسلمانوں کے چوتھے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹیں اور ان کی ہمت میں فرق نہ آیا اور لڑائی کے دوسرے روز لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رومیوں کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا کہ ان کے حریف کے لیے مدینہ سے مزید کمک آگئی ہے ۔

اس سودے پر راضی نہ ہو سکے

شام کے نواحی قبائل بھی مسلمانوں کی شجاعت دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ اور خود قیصر روم کی فوج کا سپہ سالار فزدہ بن عمرو مسلمان ہو گیا تو بادشاہ کے حکم پر خیانت کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا اور ہرقل نے انہیں دوبارہ مسیحی مذہب اختیار کر لینے پر بدستور سپہ سالاری کے منصب پر اور مراعات پر فائز رہنے کا موقع دے دیا لیکن حضرت فزدہؓ اس سودے پر راضی نہ ہو سکے اور انہیں شہید کر دیا گیا ۔

اور یہی نہیں بلکہ صوبہ نجد میں جو عراق و شام کی سرحد پر واقع اور ہرقل کے ماتحت تھا اسلام کا اثر و نفوذ شروع ہو گیا ۔

(۱) اور قبیلہ بنو سلیم (۲) قبیلہ اشجع (۳) یہود کے حلیف بنو غطفان جن کے مسلمان ہو جانے سے خیبر میں مقیم یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ (۴) قبیلہ بنو عیس (۵) قبیلہ ذبیان اور (۶) قبیلہ بنو فزارہ کے قبائل کے ہزاروں خوش نصیب دولت اسلام سے مالا مال ہوئے ۔ غزوۂ موتہ عرب کے شمال میں شام تک مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا سبب ثابت ہوا ۔ جس سے اسلام کی قوت و شوکت میں اور اضافہ ہوا ۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی غزوہ موتہ سے واپسی کو چند ہفتے گذر گئے۔ رسولِ خدا نے شمالی عرب (شام) میں مسلمانوں کی پھر سے دھاک بٹھانے کے لیے حضرت عمرو بن العاص کو بھیج کر حکم دیا کہ راستے میں اہلِ عرب کو اپنی امداد کی غرض سے ہمراہ لے لیں اس توقع پر کہ حضرت عمرو سپہ سالارِ لشکر کی والدہ کے میکے اسی علاقے میں تھے۔ اس رشتہ کی وجہ سے اس خطہ کے باشندے مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ اس لشکر کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ الجراح کی سپہ سالاری میں مہاجرین کا مزید لشکر بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ اہلِ شام جو لڑائی کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے منتشر ہو گئے۔ اور ان کے یوں بھاگنے سے مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی۔

تقویٰ

اور آپ کے تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ اگرچہ اخیر زمانے میں آپ حجاز، یمن و دیگر عرب ممالک اور عراق و شام کے سرحدی ملکوں کے سربراہ تھے۔ لیکن آپ نے کبھی دو دن برابر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ دنیا سے رحلت کر گئے۔

فتح مکہ

آپ جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتے تو اس سے کوئی شخص آپ کو نہیں روک سکتا۔

یہ دنیا کے سب سے بڑے جرنیل کی جنگی تدبیر تھی۔

"اگر ایک خُدا کے سوا اور کوئی خدا ہوتا تو آج ضرور ہمارے کام آیا ہوتا۔"

"اے ابوسفیان! تو ابھی تک نہیں سمجھا، یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔"

حق آیا اور باطل مِٹ گیا۔

شاہ و گدا سب برابر ہیں۔

"اے قریش! بتاؤ کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

"آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

آپؐ کو بہت دُکھ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ میں قریش سے امن کا معاہدہ کیا تھا جس کا نام تھا "معاھدہ حدیبیہ" معاہدہ حدیبیہ کی چوتھی شق تھی کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ مسلمانوں یا قریش جس کے ساتھ چاہے دوستی کا معاہدہ کرلے اور اس کا حلیف بن جائے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرلیا تھا اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔ یہ دونوں قبیلے مدت سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آرہے تھے صرف مسلمانوں کی مخالفت نے انہیں ایک دوسرے کے مقابل کچھ عرصہ کیلئے برسرپیکار ہونے سے روک دیا تھا۔ ورنہ ان کی یہ دشمنی پرانی تھی۔ قریش مکہ اور مسلمانوں میں یہ صلح حدیبیہ" دس سال کے لئے تھی۔ لیکن غزوہ موتہ نے جہاں قریش کے دل میں مسلمانوں کی شکست کا خیال پیدا کر دیا وہاں قبیلہ بنو بکر نے بھی اس کا کچھ ایسا ہی تاثر لیا اور ایکبار پھر اپنی قدیم عداوتوں کو بروئے کار لانے کے لئے بہتر موقع سمجھا۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک قافلہ جو رات کے وقت ایک چشمہ کے کنارے سو رہا تھا بنو بکر نے اس پر شب خون مار کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا۔ قریش کے سرداروں نے معاہدہ حدیبیہ کی اپنی پیش کردہ شرط کا لحاظ نہیں رکھا اور کھل کر بنو بکر کی مدد کرنے لگے کیونکہ وہ پہلے ہی قبیلہ خزاعہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے ان کی مرضی کے خلاف مسلمانوں سے کیوں معاہدہ کیا تھا' چونکہ تمام عربوں کے نزدیک حرم کعبہ امن کا مقام تھا اس لئے خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لے لی لیکن قریش کے اکسانے پر کہ بنو خزاعہ کے قتل کا اس سے بہتر موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ حرم میں ان کا بے دریغ خون بہایا گیا۔ جو لوگ قتل ہونے سے کسی طرح بچ گئے وہ بھاگ نکلے اور قبیلہ بنو خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقا کے ساتھ مدینہ میں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قریش کے ظلم سے بھری داستان سنائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے بہت دکھ ہوا۔ اس قبیلہ کے بیشتر افراد اسلام قبول کرچکے تھے۔

قریش مکہ کی طرف سے یہ صلح حدیبیہ کی کھلی خلاف ورزی تھی جو خاموشی سے برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ آپؐ نے قریش مکہ کی جانب ایک قاصد ان شرائط کے ساتھ روانہ کیا جس میں قریش مکہ سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط منظور کر لیں۔

۱ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ چکا ہے۔

قاصد کے ذریعے یہ پیام سن کر قریش کی طرف سے ایک شخص قرط بن عمر نے تیسری شرط جو بظاہر بہت معمولی سی بات نظر آ رہی تھی منظور کر لی۔ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو احساس ہؤا کہ انہوں نے تیسری شرط منظور کر کے سخت غلطی کی ہے۔ ان پر ثابت ہو چکا تھا کہ عرب میں رسول اللہ کا اثر و نفوذ عام ہو چکا ہے۔ اس تصوّر نے انکے خوف میں اور بھی اضافہ کر دیا اور وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے چنانچہ قریش کے سمجھدار لوگوں نے طے کیا کہ ابو سفیان کو فوراً مدینہ بھیجا جائے تاکہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرا آئیں۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ

ابو سفیان مدینہ پہنچے تو سیدھے رسولِ خدا سے گفتگو کرنے کی بجائے پہلے حالات کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے گھر آئے۔ قریش کے معاملہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین کو بھی تھا۔ لیکن آپ کے فیصلے کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھیں۔

اپنے والد ابو سفیان کو آتا دیکھ کر ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر سمیٹ لیا۔

ابوسفیان نے کہا" کیا یہ بستر تمہارے باپ کے قابل نہیں یا تمہارا باپ اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں "

فرمایا" یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ آپ مشرک ناپاک ہیں مجھے گوارا نہیں کہ آپ اس بستر کو ہاتھ بھی لگائیں "

ابوسفیان جھلا کر بولا" بیٹی! میرے بعد تمہیں مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا" اور بڑے غصے سے ام المومنین کے گھر سے باہر آئے اور رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کی مدت میں توسیع کی درخواست کی۔ مگر رسول اللہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق کے ہاں حاضر ہوئے کہ ان سے سفارش کرائیں، انہوں نے بھی انکار فرما دیا۔ یہاں سے حضرت عمر بن الخطاب کے ہاں پہنچے۔

انہوں نے فرمایا" میں اور تمہارے لئے سفارش! البتہ
تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں برائے نام فائدہ کی توقع
بھی ہو تو میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔"

مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت علی بن ابی طالب کے گھر آئے۔ سیدہ فاطمہ بھی تشریف فرما تھیں اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن بھی تھے جو اس وقت بہت چھوٹے تھے۔

ابوسفیان کی اسی درخواست پر حضرت فاطمہ نے نہایت نرم انداز میں فرمایا

" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں
تو اس سے کوئی شخص آپ کو نہیں روک سکتا۔"

ابوسفیان: مجھے حسن (ابن علی) کی پناہ میں دے دیا جائے۔
سیدۃ الزہرا: رسول اللہ کے خلاف کوئی شخص کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

حضرت علی : ابوسفیان تمہارے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ چونکہ تم بنو کنانہ
کے سردار ہو مدینہ کے کسی مناسب مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ
"صلح قائم ہے" اور اس کے بعد فوراً واپس چلے جاؤ۔

ابوسفیان مسجد نبوی میں پہنچے اور کھڑے کھڑے یہ کہہ کر کہ "صلح قائم ہے" مکہ کی راہ لی۔ مکہ پہنچکر ابوسفیان نے وہ تمام واقعات جو مدینہ میں پیش آئے تھے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے۔ لیکن جب مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کے اعلان کا تذکرہ کیا تو قریش کے لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ تم آخر کر کے کیا آئے ہو، تم سمجھتے نہیں حضرت علی نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ یہ نہ تو صلح ہے جس پر ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ جنگ کا اعلان ہے کہ جنگ کی تیاری شروع کی جائے۔ قریش کے سردار آئندہ کے لئے لائحہ عمل پر غور کرنے بیٹھ گئے۔

اس کے باوجود کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوت اور اللہ کی طرف سے نصرت کا بھروسہ تھا پھر بھی آپ نے قریش مکہ کو مہلت دینا مناسب نہ سمجھا تاکہ وہ مقابلے کے لئے اس طرح تیاری نہ کر سکیں جس کا مقابلہ مشکل ہو جائے اور زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ قریش مقابلہ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں۔

چونکہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کو خود ہی توڑ دیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو خزاعہ کے مقتولین کا بدلہ لینا تھا، تو انہوں نے مدینہ کی سرحدیں بند کر دیں اور حکم دیا کہ کوئی شخص مدینہ سے باہر نہیں جائے گا۔ اس سے مدینہ کے اندر رونما ہونے ولے حالات کی خبر شہر کی حدود سے باہر نہ نکل سکی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بہت بڑی فوجی مہم کی تیاری کا حکم دیا مگر یہ نہ بتایا کہ اسلامی فوج کا ہدف کیا ہوگا۔ پھر انہوں نے مدینہ کے آس پاس کے مسلم قبائل کو اسلامی فوج میں شمولیت کیلئے ہر طرح تیار رہنے کا حکم بھیجا تاہم انہیں بھی منزل سے آگاہ نہ کیا گیا۔

لیکن اسی دوران ایک جلیل القدر بدری صحابی حضرت حاطب بن ابو بلتعہ جو مکی مہاجر تھے خفیہ طور پر قریش کی طرف ایک خط لکھ کر سارہ نامی کنیز کے حوالے کیا۔ اس خط میں رسول اللہ کی جنگی تیاریوں کے بارے میں اطلاع تھی۔ کسی طرح رسول اللہ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع مل گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر کو سارہ کے تعاقب کا حکم دے کر فرمایا" جاؤ اور اس سے خط حاصل کرو"۔ سارہ کی گرفتاری پر اس کے سامان سے خط نہ ملا تو حضرت علی نے دھمکا کر فرمایا" اگر خط ہمارے حوالے نہ کیا گیا تو ہم جامہ تلاشی لینے پر مجبور ہو جائیں گے"۔ سارہ نے گھبرا کر حضرت علی سے ادھر کی طرف منہ پھیر لینے کی درخواست کی اور خط اپنے سر کے بالوں سے نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔

دونوں صحابہ یہ خط لے کر مدینہ میں آپ کی خدمت میں پہنچے۔ رسول اللہ نے حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا۔ حاطب نے عرض کیا" یارسول اللہ میرا ایمان خدا اور اس کے رسول پر جس طرح تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ صرف یہ کہ میرے بال بچے ابھی تک مکہ میں گھرے ہوئے ہیں اور وہاں قریش والوں میں میرا کوئی عزیز یا رشتہ دار بھی نہیں۔ اس لئے اطلاع کا مقصد احسان رکھنا تھا کہ اس صلے میں ان کے گھر والوں کو لڑائی کے وقت قتل نہیں کرینگے صرف اس لئے میں نے یہ خط لکھا تھا۔

حضرت عمر حضرت حاطب کی اس حرکت پر غضب ناک ہو رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! حاطب منافق ہو گیا ہے حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں"۔

بخشش کی قلم کھینچدی ہے۔

لیکن جبینِ رحمت پر شکن نہ آئی، ارشاد ہوا "عمر! یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ حاطب غزوہ بدر میں شریک تھے اور اللہ نے بدر میں شریک ہونے والوں کے گناہوں پر بخشش کی قلم کھینچدی ہے یعنی انہیں بخش دیا ہے"۔

غرض ۱۰، رمضان ۸ھ کو اسلامی لشکر نہایت شان و شوکت سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا تاکہ مکہ فتح کر کے اس مقدس گھر کی زیارت کی عام اجازت دے دی جائے۔ جسے خدا نے ازل سے امن و پناہ کا گہوارہ قرار دے رکھا ہے۔
خانہ کعبہ توحیدِ خالص کا وہ مرکز تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خالص خدا کی عبادت کے لئے تعمیر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی تک مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور شرک کا سب سے بڑا گڑھ بنا ہُوا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے داعی تھے۔ اور توحید کے علمبردار۔ اس اعتبار سے لازم تھا کہ توحید کے اس مقدّس مرکز کو شرک کی تمام گندگیوں سے جلد سے جلد پاک کیا جائے۔ لیکن ابھی تک حالات نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ مگر اب آپ نے یہ اندازہ فرمالیا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ ان کے مقدّس گھر کو صرف اسی کی عبادت کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور بُت پرستی کی تمام ناپاکیوں سے اس گھر کو پاک کر دیا جائے۔

عجیب نظارہ!

مدینہ کے رہنے والوں نے کبھی اتنی تعداد میں فوج نہ دیکھی تھی۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے علاوہ بنو سلیم تھے، بنو مزینہ اور غطفان کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے اور لوگ بھی شامل تھے۔ چمکیلی زرہیں پہنے ہوئے انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے صحرا کی سطح پر عجیب نظارہ پیدا کر دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں فوج تیز رفتاری سے چلی جارہی تھی۔ رسولِ خدا اِدھر اُدھر سے ہوتے ہوئے چل رہے تھے تاکہ مختلف قبائل کے فوجی دستوں کو جن کی تیاری کا آپ حکم دے چکے تھے اسلامی فوج میں شریک کرتے جائیں چنانچہ قدم قدم پر تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن پوری فوج میں کسی کو علم نہ تھا کہ وہ شمال کو جا رہے ہیں یا جنوب کو یا ان کے سفر کی سمت مشرق ہے۔ قبائل کے فوجی دستوں کی شمولیت سے اسلامی فوج کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی ہر ایک کے دل میں یہ یقین تھا کہ اللہ کے سوا

انہیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔
فوج کے سالار نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما تھے اور خدا تعالےٰ سے دعا کر رہے تھے کہ کسی طرح خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مسلمان بیت اللہ میں داخل ہو جائیں۔

چلتے چلتے بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہّ سے کچھ دور مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ قریش مکہّ ان کی آمد سے بے خبر تھے۔ فوجی دستور کے مطابق بہت سے سپاہی مل کر تمام فوج کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں۔ مگر رسولِ خدا نے حکم دیا کہ اس رات ہر سپاہی الگ الگ آگ جلائے اور اپنا کھانا خود تیار کرے۔ چنانچہ ہر کیمپ کے سامنے آگ کے الاؤ روشن کر دیئے گئے جن سے تمام صحرا دور دور تک روشن ہو گیا۔

دنیا کے سب سے بڑے جرنیل کی جنگی تدبیر

چنانچہ مکہ کی پہاڑیوں پر آباد قبیلوں نے حیرانگی سے یہ منظر دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں دور دور تک دس ہزار کے لگ بھگ مقامات پر آگ جل رہی ہے تو ان کے دل لرز گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ مسلمانوں نے پچاس ہزار سپاہ پر مشتمل فوج سے مکہ پر حملہ کر دیا ہے۔ اسی دوران حضرت عباس بھی اپنے بال بچوں کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہو گئے اور جحفہ کے مقام پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھتیجے کی فوجی قوت اور ولولہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اگرچہ وہ خود اسلام لا چکے تھے مگر انہوں نے غازیوں کی اتنی بڑی تعداد سے اندازہ کر لیا کہ پورے عربستان میں جس لشکر کے مقابلہ کی کسی کو تاب نہیں اہل مکہّ اس سے کیونکر پورا اتر سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت عباس نے اہل مکہّ کے متعلق اپنا اضطراب ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جس سے قریش جنگ کی بجائے امان طلب کریں۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی خیال کے تحت حضرت عباس کو

اہل قریش کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ اس حد تک قریش کو مرعوب کرلیں کہ کشت و خون کے بغیر پرامن طور سے مکہ پر قبضہ ہو جائے۔

حضرت عباس رسول پاک کی سفید اونٹنی پر سوار ہوئے اور گذرگاہ اراک پر ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا (حضرت عباس کے ارشاد کے مطابق) اس راستے سے آنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی مکہ کا شہری نظر آجائے تو اس کے دل میں اس انداز سے مسلمان فوجوں کی کثرت اور ولولہ کا یقین پیدا کیا جائے جس سے وہ شخص خود ہی مکہ والوں کو ڈرا دے اور شہر پر حملہ ہونے سے پہلے قریش مکہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر امن کی درخواست پیش کریں۔

دل بیٹھے جا رہے تھے!

ادھر اسلامی لشکر جب مکے کے پاس پہنچا اور رات کو پہاڑوں پر ہر طرف آگ ہی آگ نظر آرہی تھی تو اسلامی لشکر کی جاسوسی کے لئے اور حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے رؤسائے قریش نے اپنے تین قابل اعتبار اور بڑے آدمیوں قریش مکہ کے ابوسفیان بن حرب اموی، بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کو بھیجا۔ یہ تینوں ایک اونچی جگہ سے اسلامی لشکر کا جائزہ لے رہے تھے اور خطرہ کی وجہ سے ان کے دل بھی بیٹھے جا رہے تھے۔ بلندی سے دس ہزار چولہوں کو روشن دیکھا تو سکتے میں رہ گئے کہ اتنا بڑا لشکر مکہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے

ابوسفیان، آج رات میں نے اس قدر روشنی اور اتنی فوج دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی یہ اتفاق نہ ہوا تھا۔

بدیل: قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بنوخزاعہ ہیں جو لڑائی کے لئے آئے ہیں۔

ابوسفیان: بنوخزاعہ کی کیا حقیقت ہے، نہ تو وہ اتنی فوج جمع کر سکتے ہیں نہ ایسی آگ روشن کر سکتے ہیں۔

پاس ہی سے حضرت عباس گذرے آواز پہچان کر انہیں ان کی کنیت "ابوحنظلہ" سے پکار کر فرمایا "تمہارا برا ہو! رسول اللہ لشکر جرار لے کر آ پہنچے اگر کل دن چڑھے مکہ میں داخل ہو گئے تو تمہارا کیا حشر ہوگا!

ابوسفیان : اے عباس! میرے ماں باپ تم پر نثار! کوئی تدبیر ؟"
حضرت عباس نے بدیل و حکیم دونوں کو واپس مکہ لوٹا دیا اور ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے کر اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

مجرم پیش ہوا!

مسلمان ناقہ کے اعزاز میں خود بخود راستہ بناتے گئے۔ دونوں سوار دس ہزار لشکر کے درمیان سے ہوتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے اہلِ مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔ جب حضرت عمر کے الاؤ کے قریب سے گذرے انہوں نے دونوں کو دیکھ کر اندازہ کیا کہ ابوسفیان حضرت عباس کی پناہ میں ہیں تو ان کو روکنے کی بجائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیمے میں حاضر ہوئے اور ابوسفیان کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عباس بھی پہنچ گئے اور عرض کیا" یا رسول اللہ! ابوسفیان کو میں اپنی ضمانت پر لایا ہوں۔" آدھی رات کا وقت تھا۔ حضرت عباس اور حضرت عمر دونوں میں تیز گفتگو ہو رہی تھی۔ رسولِ خدا نے حضرت عباس سے فرمایا:

"اس وقت انہیں اپنے خیمے میں لے جائیے اور صبح کے وقت پیش کیجئے"

صبح ہوتے ہی مجرم پیش ہوا۔ مہاجرین و انصار دونوں گروہ موجود تھے۔
آنحضرت نے فرمایا! کیوں ابوسفیان! کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان : آپ پر میرے ماں باپ نثار! اس ذاتِ برحق کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل و کرم اور صلۂ رحم جیسے صفات سمو دیئے ہیں۔ اگر ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا ہوتا تو آج ضرور ہمارے کام آیا ہوتا۔
رسولِ خدا! : کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر لو؟

ابوسفیان : بخدا! اس معاملہ میں ابھی میرے دل میں شک ہے!

یہاں یہ بات خاص طور پر سمجھنے کی ہے کہ عرب کے لوگ کافر تھے منافق نہ تھے۔ یہودیوں میں منافقت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں اگرچہ اسلام پھیلا لیکن یہودیوں کی وجہ سے منافقت نے راہ پائی۔ عرب جب تک اسلام کے خلاف رہے تھے ڈٹ کر مخالفت کی اور جب اسلام قبول کیا تو سچے اور پکے مسلمان بن گئے۔ اس کے بعد کوئی 'خوف' ڈر اور لالچ ان کو ان کے عقیدے سے نہ ہٹا سکا۔ یہی ایک حقیقی مسلمان کی خوبی ہے۔

ابوسفیان کو دیکھئے لشکرِ اسلام میں ایک قیدی کی حیثیت سے ہے لیکن بات وہی کرتا ہے جو اس کے دل میں ہے، اس نے اسلام اور مسلمانوں کی جس قدر مخالفت کی تھی اس کی سزا موت بھی کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو پھر صحیح مومن بن گئے۔

ایسی کئی اور بھی مثالیں ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا
کہ اسلام طاقت اور تلوار کے زور سے نہیں' دلوں کی تبدیلی
سے پھیلا۔ اہل مکہ اس لئے مسلمان ہو گئے کہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ
ان کے دیوی دیوتا ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔

بہرحال حضورؐ کے چچا حضرت عباس نے ابوسفیان کی کچھ نفسیاتی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے ترغیباً کہا کہ ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو بھی اب سیدھی طرح لاالٰہ الااللہ محمدؐ رسول اللہ کا اقرار کر لو اور صبح تک قریش کا سب سے بڑا سردار پروردگار عالم کے حضورؐ سربسجود ہو گیا تھا۔

اس مرحلہ پر حضرت عباس نے رسول پاک سے درخواست کی "یا رسولؐ اللہ! ابوسفیان کو اس پر فخر کا موقعہ مل جائے گا، ان کے اعزاز میں کچھ فرما دیا جائے"۔

رسولِؐ خدا نے فرمایا! کیوں نہیں! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنے ہی گھر کا دروازہ بند کر کے اندر چھپ جائے یا مسجد حرام میں داخل ہو جائے ان میں سے کسی شخص کو کچھ نہیں کہا جائیگا۔"

رسول اللہ نے مکہ پر قابض ہونے کے لئے صرف ابوسفیان کے مسلمان ہوجانے کو ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ ہر قسم کی پیش بندی اور احتیاط کو مدنظر رکھا، رسولِ خدا نے حضرت عباس سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اس تنگ درہ پر لے جاؤ جہاں سے اسلامی لشکر گزرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے گروہ کے جاہ وجلال کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور مسلمانوں کی تعداد و قوت سے خود متاثر ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی ان سے ڈرائیں اور اہل مکہ میں سے کسی کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ رہے۔

اگلی صبح لشکرِ اسلام مختلف دستوں کی صورت میں اپنے اپنے پرچم اڑاتا ہوا مختلف سمت سے مکہ کی طرف بڑھا۔ ہر قبیلے کے ساتھ ان کا اپنا جھنڈا بھی تھا جن سے ان کی شناخت ہوسکتی تھی۔ ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر یہ دستے بڑی شان کے ساتھ گزر رہے تھے لیکن انہوں نے صرف ایک دستے کے متعلق دریافت کیا جس کا پرچم سبز رنگ کے کپڑے سے بنا ہوا تھا اس دستہ میں مہاجرین وانصار دونوں کے مسلح نوجوان شامل تھے۔ ان میں سے ہر مجاہد ایسی زرہ اور خود میں لپٹا ہوا تھا کہ آنکھوں کے سوا بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔

یہ بادشاہت نہیں نبوّت ہے۔

ابوسفیان نے اسلامی لشکر کی یہ آن بان اور شان وشوکت دیکھ کر حضرت عباس کو خطاب کرتے ہوئے کہا:-

"اے عباس آج کسی کو اس لشکر کے مقابلہ کی ہمت نہیں۔ یہ خدا کی شان ہے! اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت اب قائم ہو ہی گئی ہے۔"

حضرت عباس نے جواب دیتے ہوئے کہا "اے ابوسفیان! تو ابھی تک نہیں سمجھا یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے۔"

اس ایک فقرے نے ابوسفیان کے دل ودماغ کو لرزا دیا۔ ابوسفیان یکایک قریش کی طرف بڑھے اور ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا۔

"اے قریش! (حضرت) محمد ایسا لشکر جرار لے کر پہنچے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے" اور ساتھ ہی اعلان کر دیا "جو شخص ابوسفیان کے گھر میں جا چھپے، جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اس کے اندر چھپ جائے اور جو شخص بیت اللہ میں پناہ لے لے ان دونوں کے لئے بھی معافی ہے"۔

رسولِ خدا لشکر کو ہمراہ لے کر آگے بڑھے (مقام) ذی طویٰ میں پہنچ کر دیکھا کہ اہل مکہ کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں۔ فوج کو توقف کا حکم فرما کر خود سواری ہی پر حضورِ خداوندی میں سجدہ شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے رسول کے لئے مکہ کے دروازے کھلوا دیے اور مومنین کے اطمینان وسکون کے ساتھ بیت اللہ میں آجانے کی راہ پیدا کر دی اور اپنی فوج کو متعدد یونٹوں میں تقسیم کیا اور حکم دیا کہ ہر یونٹ الگ راستے سے مکہ میں داخل ہو اس طرح مکیوں کے تمام راستے بھی بند کر دیئے گئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام کمانڈروں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ صرف اس وقت اپنے دفاع میں ہتھیار استعمال کریں جب ان پر حملہ کیا جائے۔
دستوں کی روانگی کے ساتھ ہی حضرت سعد بن عبادہ کی زبان سے جوشِ انتقام میں آکر یہ جملہ نکل گیا "آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔ آج کے دن کعبہ کا ماحول معرکہ کے لئے کھول دیا گا۔" سب سے آخر میں سرورِ دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری گزری جس کے آگے زبیر بن العوام علم اٹھائے ہوئے تھے۔

آج کا دِن کعبہ کی عظمت کے اظہار کا دِن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب سعد بن عبادہ کے نعرے کا علم ہوا تو آپ نے فوراً حکم فرمایا کہ سعد سے علم ضبط کر کے ان کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا جائے جو قوی ہیکل ہونے کے ساتھ بردبار بھی تھے اور پھر آپ نے فرمایا کہ نہیں! آج کا دن کعبہ کی عظمت کے اظہار کا دن ہے

اور عفو درگزر، وفا اور کرم کا دن ہے۔" اس ایک فقرہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فاتحانہ حکمت عملی کا اعلان کر دیا جو عفو و کرم پر مبنی تھی۔

اور پھر یہ اعلان عام بھی کر دیا کہ جو کوئی بھی مسجد حرام میں داخل ہوگا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا یا جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے گا اور جو کوئی بھی ہتھیار نہیں اٹھائیگا اس کے لئے امن وامان ہے۔

دو صحابہ شہید ہوئے

اسلامی لشکر کے تین دستے کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے اپنے مقررہ راستوں سے شہر میں داخل ہو گئے مگر حضرت خالد کے دستہ کو دفاع کے بغیر چارہ نہ رہا۔ قریش کے کچھ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی حمایت کا ارتکاب کیا تھا۔ آج انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کے اعلانِ اطاعت کو نظر انداز کر کے مقابلہ کی تیاری کر لی اور مورچہ پر جم کر موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی حضرت خالد کا دستہ قریب پہنچا انہوں نے اس پر تیر برسائے لیکن حضرت خالد بن ولید کے جوابی حملے سے لمحہ بھر میں یہ لوگ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے دو ایسے صحابہ شہید ہوئے جو دستہ سے بچھڑ جانے کی وجہ سے کفار میں گھر گئے تھے۔

بہت دُکھ ہوا

ادھر رسولؐ خدا جبل ہندی کی برابر والی پہاڑی پر مہاجرین کے دستہ کی معیت میں تشریف فرما ہوئے لیکن جونہی شہر کی طرف دیکھا تو مکہ کے نشیبی علاقے میں تلواریں چمک رہی تھیں جن کے سائے میں خالد کا دستہ خود کو دشمن سے بچا رہا تھا۔ رسول خدا کو بہت دکھ ہوا، فرمایا "میں نے تمہیں لڑائی سے منع کر دیا تھا" لیکن جب اصل واقعات کا علم ہوا تو سکون حاصل ہوا اور فرمایا "شاید اس میں بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی مصلحت ہی ہو۔"!

گھر کہاں چھوڑا کہ

لوگوں نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے عرض کیا "یا رسول اللہ اپنے آبائی گھر میں قیام فرمانے کا

ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے"۔ فرمایا "نہ میں آبائی گھر میں قیام کرنا چاہتا ہوں نہ میرے عزیزوں نے اسے میرے لئے باقی ہی رہنے دیا"۔ یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر سے خیمہ میں چلے گئے۔ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ابوطالب نے جب انتقال کیا تھا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوئے انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں قیام کروں۔

حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حرم مقدس جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا۔ اس کی آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزین تھے۔ ہر طرف بتوں کی بھرمار تھی۔ دیواروں پر فرشتوں اور نبیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ کے ہاتھ میں فال کے تیر دکھائے گئے تھے۔ گویا خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر بھی فال ہی کے سہارے نبوت کی تبلیغ فرماتے ہیں! کاٹھ کا کبوتر بھی پرستش کے لئے موجود ہے جسے آں حضرت نے زمین پر پٹک کر توڑ ڈالا اور حضرت ابراہیم کی تصویر پر کچھ دیر تک نظر جمائے رکھنے کے بعد فرمایا" ان پر خدا کی مار! انبیاء کے جد اعلیٰ کو فال پرست ٹھہرا دیا" حضرت ابراہیم اور تیروں سے فال نکالنا۔! (پھر فرمایا)

"ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہمارے ایک فرماں بردار (بندے) تھے اور مشرکوں سے (بھی) نہ تھے۔" (۲ - ۶)

حسین نازنینوں کے روپ میں بنی ہوئی فرشتوں کی تصویروں پر نظر ڈالی تو فرمایا:
"ارے! یہ غضب، فرشتے نہ تو مرد ہیں نہ عورت" ان کے مٹا دینے کا حکم فرما کر جب اوپر نظر اٹھائی تو محراب کعبہ کے ہر طرف بُت رکھے ہوئے دیکھے جنہیں دیوار کے ساتھ چونے سے جما دیا گیا تھا۔ بڑا بت ہبل درمیان میں رکھا ہُوا تھا۔ رسول اللہ ہر ایک بت کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے ہوئے یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور بُت منہ کے بل زمین پر گرتے جاتے تھے۔

اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور
باطل تو فنا ہونے والا ہی تھا۔ (۱۔۸۴)

رسول خدا آج سے بیس سال قبل جس مقصد کے لئے دعوت دے رہے تھے اور قریش جن بتوں کی حمایت میں اس پوری مدت تک ڈٹے رہے آج ان جھوٹے خداؤں، ان کی تصویروں اور مجسموں سے خدا کا گھر پاک ہو گیا۔ لوگوں کے سامنے ان کے معبودوں کی تصویریں کھرچ دی گئیں اور ان کے سامنے ان کے بڑے معبود ھُبَل اور اس کے حاشیہ دار بتوں کے مجسمے اٹھوا کر باہر پھینکوا دیئے گئے۔ قریش حیران تھے کہ انہیں تو وہ اور ان کے بڑے بوڑھے ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھے ہوئے تھے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی ذات سے بھی مصیبت کو دُور نہیں کر سکتے۔

تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں

حرم تمام آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے، کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا۔ آپ حضرت بلالؓ اور طلحہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ بیت اللہ کے وسیع ترین صحن میں بے شمار لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی:

"لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ لیکن خدا کے نزدیک وہی معزز ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے، بے شک خدا جاننے والا باخبر ہے۔"

پھر آپ نے تقریر فرمائی جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا۔

"ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ہے۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اسی

اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی، سنو! آج تمام کبر و غرور، پچھلے خون کے تمام انتقام اور سب خوں بہا اور مال کے تمام مطالبے سب کو آج اپنے پاؤں تلے کچل رہا ہوں، ہاں بیت اللہ کی پاسبانی اور حاجیوں کو پانی پلانا اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان دونوں کو میں پہلے کی طرح ان کے لئے جن کے پاس یہ ہیں باقی رکھتا ہوں۔
اے قریش! اب خدا نے تمہارے جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔"

شاہ و گدا سب برابر ہیں

عرب میں دستور تھا کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاجاتا تھا یعنی اگر اُس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھا جاتا اور سینکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جانا تھا قاتل اگرچہ مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے۔ اِسی طرح خوں بہا کا مطالبہ بھی باپ دادا سے چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی۔ اس طرح اور بہت سی لغو باتیں قومی فخر میں داخل ہو گئی تھیں۔ اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا اور اسی بنا پر آپ نے (اس طریق) انتقام اور خون بہا اور تمام غلط فخر اور بڑائی کی نسبت فرمایا کہ "میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔"
عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں چھوٹے بڑے کا فرق قائم کیا گیا تھا۔ جس طرح ہندؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے اور اس کے ساتھ یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے۔

اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا۔
مساوات قائم کرنا تھا، یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا
سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر اونچے مقام پر پہنچ سکتا ہے
اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی
اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے
بنے تھے۔"

اے قریش بتاؤ کہ میں تم سے کیا سلوک کرنیوالا ہوں؟

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو ظالم قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ دشمن بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب سے آگے ہوتے تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تلواروں اور نیزوں کی نوکوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایڑیوں کو پتھروں سے لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی پیاس خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خونِ ناحق کیا تھا۔ اُن کے سینے چاک کیے تھے۔ ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے۔ وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے۔ ان کے سینوں پر اپنے ظلم و تشدد کی آتشیں مہریں لگاتے تھے ان کو جلتی ریت پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ نیزوں کی نوک سے ان کے بدن چھیدتے تھے۔ اور آج اسی کعبہ کے صحن میں یہ تمام مجرم عاجزانہ گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ جہاں پہلے یہی لوگ مسلمانوں کو رب کعبہ کا نام لینے اور اس کی بارگاہِ نیاز میں سر جھکانے کی اجازت تک نہ دیتے تھے اور اس وقت انہی لوگوں کے اردگرد دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے

ایک اشارے کی منتظر تھیں۔ ہزاروں کے اجتماع کے باوجود ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہزارہا زبانیں سرورِ عالم محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کر رہی تھیں اور ہزار ہا کان اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے اس کی جنبش لب پر لگے ہوئے تھے۔ اچانک زبان مبارک کھلتی ہے سوال ہوتا ہے

"اے قریش بتاؤ کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں ؟"

قریش کے لوگ آپ کے بدترین دشمن تھے لیکن آپ کے رحم وکرم، محبت و شرافت، اخلاق و مروت، سچائی، امانت داری ایسی خوبیوں سے واقف تھے بے اختیار پکار اٹھے کہ

"آپ ہمارے ایک شریف بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں
ہمیں آپ سے بھلائی ہی کی امید ہے۔"

ارشاد ہوا "آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"!

لیکن فاتح چونکہ محسنِ انسانیت تھا

کیا قریش کے ظلم وستم کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی اس جواب کی توقع کر سکتا ہے؟ مگر جو کوئی بھی اس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ کریمی کو سمجھتا ہو وہ حضور سے اسی جواب کی امید رکھے گا۔ کوئی اور ہوتا تو بڑے فخر وتکبر سے مکہ میں داخل ہوتا۔ ایک ایک واقعہ کا انتقام لیتا۔ مفتوح شہر میں قتل عام کرا دیتا۔ لیکن فاتح چونکہ محسن انسانیت تھا۔ اس لئے اُس نے زمین پر قبضہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کو فتح کرنا چاہا اور جسموں پر قابو پانے سے بڑھ کر دلوں کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات اور جائداد پر قبضہ کر لیا تھا اب وقت تھا کہ مہاجرین کو ان کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی جائداد سے دست بردار ہو جائیں۔

آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے

شان لطف واحسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبہ کی کنجی قیامت تک کے لئے انہی عثمان بن طلحہ کے سپرد فرمائی۔ جن سے ایک بار کعبہ کا دروازہ کھلوانے کی خواہش حضور نے

دعوت کے ابتدائی دَور میں کی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے مستقبل پر نگاہ جماتے ہوئے عثمان سے فرمایا "ایک دن آئے گا کہ یہ کنجی میرے قبضہ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا۔" عثمان کی نگاہ اتنی دور رس کیسے ہوتی۔ اس نے کہا "شاید اس روز تمام قریش کے لوگ ہلاک ہو چکے ہوں گے۔" فرمایا "نہیں! وہ تو قریش کی سچی عزت کا دن ہوگا۔" چنانچہ فتح کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کی کنجی حاصل کرنے کے لئے بنی ہاشم کی طرف سے حضرت علی جیسے عزیز ترین دوست کی درخواست کو نظر انداز کرتے ہوئے کعبہ کی کنجی ہمیشہ کے لئے پہلے ہاتھوں میں رہنے دیتے ہیں۔ حضور نے کنجی دیتے ہوئے جب عثمان بن طلحہ کو برسوں پہلے کی وہ بات یاد دلائی تو عثمان پکار اٹھے "بے شک آپ خدا کے رسول ہیں" آپ نے فرمایا "کہ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے۔"

آپ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں

رسولِ پاک کے اس فیصلے کا مشرکین مکہ پر زبر دست اثر ہوا اور عتاب بن اسید آگے بڑھ کر یہ کہے بغیر نہ رہ سکا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں عتاب بن اسید ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

رسولِ خدا نے بھی ایک لمحہ تامل کئے بغیر فرمایا "جہاں تک میرا تعلق ہے میں تمہیں مکّہ کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔"

ہم لوگ کیا سمجھ رہے تھے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدنی ساتھی ہر موقعہ پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جب بیت اللہ کی تطہیر کے بعد آپ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو انصار کے دل میں یہ خیال ابھر آیا کہ رسول اللہ نے اپنے وطن پر فتح حاصل کر لی ہے۔ اب آپ مدینہ کیوں جانے لگے۔ ان کا یہ خدشہ اس بنا پر بھی تھا کہ آپ

خدا کے رسول ہیں اور مکہ خدا کا گھر ہے۔ مگر رسول اللہ نے دعا ختم کرنے
کے بعد انصار سے دریافت فرمایا۔ پھر ان کی پریشانی کے اظہار پر فرمایا
"معاذ اللہ تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو؟ میرا ارادہ یہ کیسے ہوسکتا ہے! میری زندگی
اور موت دونوں تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔" آنحضرت کا اشارہ بیعت
عقبہ کی طرف تھا جس میں انصار کے ساتھ عہد و پیمان ہوئے تھے اور انصار
نے بھی اپنی طرف سے وفاداری کا یقین دلایا تھا۔ وہ عہد و پیمان جنہیں
وطن اور اہل و عیال ایک طرف، مکہ جیسی مقدس اور امن کی جگہ کی
خاطر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چودہ سو سال سے

تطہیر کعبہ کے بعد رسولِ خدا نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان کہیں
اذان کے بعد مسلمانوں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی جو چودہ سو سال سے اسی بیت اللہ
میں کسی تعطل کے بغیر ادا کی جا رہی ہے۔ بلال کی طرح ان کے قائم مقام مؤذن اور اُن کے
نائبین اپنے اپنے زمانہ میں یہ اذان پکار رہے ہیں۔ اسی بیت اللہ کے اندر دن رات میں پانچ
مرتبہ مسجد الحرام کے مکبّر پر سیدھے کھڑے ہو کر اسی طرح نہ صرف بیت اللہ کے اردگرد بلکہ
ہر جگہ کے رہنے والے مسلمان اللہ کی طرف سے عائد شدہ نماز کا فریضہ اور رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھنے میں عمل پیرا ہیں اور اسی "بیت اللہ الحرام" کی طرف منہ
کرکے بارگاہ خداوندی میں خشوع و خضوع کے ساتھ، جس گھر کو خدا کے رسول نے مکہ فتح
کرنے پر بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔

مکہ کی حُرمت

قریش نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگرچہ رسول اللہ کی شفقت و کرم نے انہیں
اپنی جانوں اور مال کے معاملہ میں پوری طرح مطمئن رکھا مگر انہیں اپنے پچھلے رویہ

سے آں حضرت اور مسلمانوں کی طرف سے خوف کھائے جا رہا تھا۔

قریش میں سترہ ایسے مجرم بھی تھے جنہیں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفقت سے محروم کرکے قابلِ قتل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"اگر ان میں سے کوئی شخص غلافِ کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اُسے معاف نہ کیا جائے"

جن لوگوں کے متعلق قتل کا حکم جاری ہوا ان میں سے بعض لوگ اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے لیکن ان مجرموں کے ساتھ یہ برتاؤ کسی کینہ یا ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عظیم اخلاق کے مالک تھے۔ ان بدنصیبوں نے خود اپنے اعمال کی وجہ سے یہ برا دن دیکھا۔ ان میں سے بھی اکثر کو معافی دے دی گئی تھی صرف تین چار کو قتل کیا گیا تھا۔

فتح کے دوسرے دن بنو خزاعہ نے قبیلہ بدیل کے ایک مشرک کو اپنی سابقہ دشمنی کی بنا پر قتل کر دیا۔ یہ خبر رسولِ خدا تک پہنچی تو آپ نے مجمع عام میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا :۔

"دوستو! خدا نے ازل ہی سے مکہ کی حرمت فرمادی اور تا بہ قیامت بحال رکھی جائیگی۔ جو شخص خداوند عالم اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے مکہ کی حدود میں کسی کو قتل نہ کرنا چاہیئے بلکہ یہاں کا درخت تک نہ کاٹنا چاہیئے۔ مجھ سے قبل اور میرے بعد کسی کے لئے مکہ کی یہ حرمت ختم کرنا حلال نہیں اور میرے لئے بھی یہ صرف اسی وقت حلال ہوا تھا وہ بھی اہل مکہ نے خود پر خدا کو ناراض کر دیا تو فقط اس ناراضگی کی بنا پر اور اتنی ہی دیر کیلئے جس کے بعد یہ حرمت پہلے ہی کے مانند پھر لوٹ آئی ہے جو یہاں موجود ہے وہ میرا یہ حکم اس کو بھی پہنچا دے۔ جو یہاں موجود نہیں ہے اگر کوئی شخص تم سے یہ کہے کہ رسول اللہ نے تو مکہ میں جنگ کی تھی تو اس کو بتا دو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو کچھ دیر کے لئے اس کی اجازت دی تھی مگر تمہارے لئے یہ اجازت نہیں"۔

ور پھر خزاعہ سے مخاطب ہوئے

"اے دوستانِ خزاعہ! کشت و خون سے ہاتھ روک لو اگرچہ تمہارے لئے اس میں کوئی فائدہ ہی سہی، مَیں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے جو شخص قتل ہوا ہے اس کے عوض میں قاتلوں کو اپنی طرف سے خون بہا دے دیتا ہوں لیکن آئندہ کے لئے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے مقتول کا خون بہا لیں یا قصاص، انہیں اختیار ہے۔"

ور مقتولین کی دیت (خون بہا) اس کے وارثوں کو اپنی طرف سے ادا کر کے تنازعہ ختم کر دیا۔

توحید کے نور کی روشنی بھی اُٹھ کر آسمان سے جا ٹکرائی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطاب کا اندازہ اور شفقت و رحمت کے جذبات نے اہلِ مکہ کے دلوں کو اپنی طرف اسی طرح مائل کر لیا کہ دنیا جہان کی دولت اور بادشاہت بھی انہیں اس طرح متوجہ نہ کر سکتی۔ لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف بڑھے۔

اور اسی لمحہ اہل مکہ سے فرمایا:

"آپ لوگ دنیا جہان کی بہتر جماعت سے ہیں۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے۔ مَیں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم رتبہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تم ہی نے تو مجھے وطن سے نکالا تھا!"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہل مکہ آپ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں پندرہ روز تک قیام فرمایا اس دوران میں مکہ کے ریاست اسلامی میں داخل ہو جانے کی وجہ سے وہاں کے نظم و نسق کی ترتیب اور نئے اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی تربیت میں ان کی رہنمائی فرماتے رہے اور متعدد دستے اسلام کی دعوت کیلئے غیر مسلم قبائل میں بھیجے۔ پھر جلد ہی رسولِ خدا واپس

روانہ ہو گئے اور انہوں نے اپنا ایک سپاہی تک مکہ میں نہ چھوڑا۔ رسولِ خدا صرف یہ چاہتے تھے کہ مکہ کا نظام بدل جائے اور ایسے لوگوں کو عنانِ حکومت سونپی جائے جو غیر جانبداری اور سنجیدگی سے اسے سنبھال سکیں۔ چنانچہ انہوں نے عتاب بن اُسید کو مکہ کا گورنر مقرر کر دیا اور خود مدینہ لوٹ گئے۔ انہوں نے مکہ والوں میں ذہنی تبدیلی کے لئے حسب استطاعت سب کچھ کیا۔ ایک فاتح کی حیثیت سے پیغمبرِ خدا کا رویہ اتنا فراخدلانہ تھا کہ اہل مکہ کا تعصب اس کی لہر میں بہہ گیا اور مکہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور از خود اسلامی مملکت کا ایک حصہ بن گیا۔

آج سے مکہ اور اس کا حرم نئے سرے سے امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے توحید کے نور کی روشن لہر اٹھ کر آسمان سے جا ٹکرائی وہ لہر جس کی روشنی نے چودہ سو سال سے تمام دنیا کو منور کر رکھا ہے:

جنگ حنین

درید بولا کہ " جب پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی، میدانِ جنگ میں صرف تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔

سامنے سے دس ہزار تیر انداز تیر برساتے آ رہے ہیں لیکن ایک پیکرِ مقدس تنہا اپنی جگہ پر قائم ہے۔

کئی ایک نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔

آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا

" میں خُدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں"!

یہ بے قرار ہوتے تھے کہ ....

فتح مکہ کے بعد مسلمان پندرہ روز تک مکہ میں ٹھہرے۔ خداوند تعالےٰ کے اس احسان عظیم پر شکر گذارا اور کسی خوں ریزی کے بغیر خانہ کعبہ میں داخلے پر خوش ہا حضرت بلال اذان کہتے اور گرد کے گروہ خوشی و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ شریف میں نماز کے لئے جمع ہو جاتے۔ رسول خدا مکہ اور اس کے نواح میں جہاں تشریف لاتے مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ ہوتے۔ مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں میں جاتے تو ان میں رہنے والوں سے مل کر (دونوں فریق) خوشی کا اظہار کرتے کہ اللہ نے اس فتح کی بدولت انہیں بھی ہدایت فرمائی۔ مکہ کا فتح ہو جانا اسلام کی عظیم الشان فتح تھی۔ اس سے مسلمانوں کو زبردست فائدہ ہوا۔ اس فتح سے دور دور تک مسلمانوں کا رعب اور ہیبت پیدا ہو گئی اور تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ لیکن قبیلہ ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ بے قرار ہوتے تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن اور اس کے حلیفوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے۔ اِس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں طے ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک عام حملہ کر دیا جائے۔

اس فیصلے کے مطابق یہ قبائل بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال ساتھ لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔ اس معرکہ میں اگرچہ ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں شریک تھیں مگر کعب اور کلاب نے شرکت سے انکار کر دیا۔

ـ بن عوف اس لشکر کا سپہ سالار بنا لیکن میدان میں رہنمائی کے لئے درید بن صمہ کو بھی
تھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کا سردار تھا۔ اس کی شاعری اور بہادری کے
رکے اب تک تاریخ میں یادگار ہیں لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور آج
مرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے و تدبیر
ب کو اعتماد تھا۔ اس لئے انہیں صرف جنگ میں مشورہ دینے کے لئے پلنگ پر اٹھا کر
یا گیا۔

ں نے پوچھا "یہ کون سا مقام ہے"؟ لوگوں نے بتایا "اوطاس" بولا کہ "ہاں یہ مقام جنگ
لئے موزوں ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں" پھر
چھا کہ "یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں؟" مالک بن عوف نے بتایا "یہ بچے، اپنی
م کی عورتیں اور اموال ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ فوج بے جگری سے لڑے اور اس کے سبب
شکست سے بچ جائے۔" درید بولا کہ "جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی،
بدانِ جنگ میں صرف تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے
ر بھی ذلت ہوگی کیونکہ شکست خوردہ فوج اپنی ہر چیز سے محروم ہو جاتی ہے۔" پھر پوچھا کہ "کعب و
اب بھی شریک ہیں یا نہیں؟" اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان
نگ میں نہیں تو کہا کہ اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے"

و میں فاتح عرب کو شکست دے دوں تو پورے عرب کا بادشاہ

ریڈ نے مالک سے کہا کہ ھوازن کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بچوں
ور عورتوں کو کسی محفوظ مقام پر ٹھہراؤ۔ فتح ہوئی تو سب تم سے آملیں گے
شکست ہوئی تو یہ بچے رہیں گے۔ لیکن مالک بن عوف نے جو ہوازن اور
قیف کی قیادت کے ساتھ ساتھ پورے عرب کی بادشاہی کے خواب
یکھ رہا تھا ایک تیس سالہ مغرور اور متکبر نوجوان تھا۔ قریش مکہ کی شکست نے شاید

اسے یہ خیال بھی دے دیا تھا کہ مدینہ ایک چھوٹی سی بستی ہے، قریش اس سے شکست کھا گئے ہیں، مگر میں بہت بڑے قبیلے کا سردار ہوں. اگر میں فاتح عرب کو شکست دے دوں تو میں پورے عرب کا بادشاہ بن سکتا ہوں. اسی خیال نے اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی قوم کے بچے، عورتیں، ریوڑ اور اموال ساتھ لے کر جنگ آزمائی کرے تاکہ اس کی فوج میدان جنگ سے فرار نہ ہو اور جی توڑ کر مقابلہ کرے. چنانچہ اس نے درید بن صمہ ایک پختہ کار اور جہاں دیدہ بوڑھے کی نصیحت پر کان نہ دھرا. کیونکہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ درید کی نسبت زیادہ عقلمند ہے. وہ اپنے بارے میں اپنی قوم سے تعریفی کلمات سننا چاہتا تھا کہ مالک جوان اور صاحب قوت اور سردار ہے. درید بن صمہ نے اپنے عمر بھر کے تجربہ کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی.

ہوازن تیر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے. میدانِ جنگ میں بھی ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا. کفار نے حنین کی وادی میں پہلے پہنچکر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں جابجا متعین کر دیے تھے.

اور ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اسے واپس کر دیں گے.

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا. وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کئے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں حضرت عبداللہ بن ربیعہ جو بڑے دولت مند تھے ان سے سامانِ جنگ کے لئے تیس ہزار درہم قرض لئے اور صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس تھا اور اب تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے آنحضرت نے ایک سو زرہیں اور ان کا متعلقہ اسلحہ وغیرہ ادھار لیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد صفوان سے یہ اسلحہ حاصل کیا اس وقت وہ کمزوری و رسوائی کی حالت میں تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی شرائط عائد کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا. جب رسول اللہ

نے اسلحہ کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا" اے محمدؐ! کیا آپ اسلحہ پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں"

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" نہیں بلکہ ہم قرضے کے طور پر لینا چاہتے ہیں اور ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اسے واپس کر دیں گے" (مسلمانوں کی شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ شریفانہ سلوک کی یہ بہترین مثال ہے)

اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا !

تمام تیاریاں مکمل ہونے کے بعد مسلمانوں نے رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپہ سالاری میں شوال ۸ھ کو حنین کا رخ کیا۔ اس لشکر میں ان کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی اور اس کا مقصد قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیفوں کے مکہ پر حملہ کو روکنا تھا۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی دس ہزار مجاہدین تو وہ تھے جو مدینہ منورہ سے آئے تھے اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ ان میں مہاجرین، انصار اور مدینہ کے قرب وجوار یا راستے میں آباد قبائل شامل تھے اور دو ہزار وہ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ چونکہ یہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان میں سے اکثر ایسے تھے جو ابھی اسلام کی ہدایات وتعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہ تھے اور کچھ لوگ صرف اس لئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے کہ وہ اسلام کے مقابلے اور اس پر غلبہ پانے کی طاقت سے محروم ہو چکے تھے۔ اس لشکر میں صداقت شعار مومنین بھی تھے جنہوں نے اپنے جسم وجان کو دین کی سربلندی کے لئے اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور ایسے بھی تھے جو ابھی دین کے معاملے میں کمزور تھے اور کچھ ایسے منافق بھی تھے جو سیاسی قوت سے محروم تھے اور خوف کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے سینے اسلام کے خلاف کینہ سے معمور تھے اور اسلام کے غلبہ کی وجہ سے رنج والم کا شکار تھے۔ حقیقی قوت کے لحاظ سے پورا لشکر یکساں نہ تھا۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔

ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا اپنا پرچم سنبھالے اور ہر ایک سپاہی اپنے لشکر کی زیادہ مقدار پر اس قدر نازاں کہ بعض افراد نے ایک دوسرے سے یہاں تک کہہ دیا کہ "آج اتنے بڑے لشکر کو کون شکست دے سکتا ہے"۔ لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ ناز پسند نہ تھا۔

"اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا یہی ہے۔" (سورہ توبہ ۲۵ - ۲۶)

میدان جنگ کے بہتر حصہ پر کافروں نے پہلے سے قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمانوں کو اس کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہاں دشمن گھات میں بیٹھا ہے۔ ادھر خالد بن ولید کی قیادت میں جو ہراول دستہ تھا وہ زیادہ تر فتح مکہ کے نئے نئے اسلام لانے والے نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے تھے اسلامی لشکر نے جوش میں صبح کے جھٹ پٹے میں ہی حملہ کر دیا۔ اسلامی لشکر میدان جنگ کے انتہائی نشیبی حصہ میں تھا۔ اونچے حصہ سے جب تیروں اور ہزاروں حملہ آوروں کی باڑھ چلی تو اسلامی لشکر کے دستے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ جنگ کی ابتدا میں ہی دشمنوں نے کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا تھا جس سے مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ تتر بتر ہونے لگے۔ بعض بھاگ نکلے۔ جن کی بزدلی پر ابوسفیان نے کہا: "ان کی چال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رک سکتے۔" اسلامی لشکر کے ایک سپاہی (شیبہ بن عثمان جن کا باپ اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا) کی زبان سے نکل گیا "آج میں بھی اپنے باپ کے خون کا بدلہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے لے کر رہوں گا۔" اسی لشکر میں سے کلاہ بن حنبل نے کہا "آج جادو کا خاتمہ ہو گیا ہے۔" وہیں صفوان بن امیہ بھی کھڑے تھے یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے

تھے، مگر انہوں نے بڑے غصے میں کلدہ سے کہا، "تیرے منہ میں آگ پڑے" خدا کی قسم! مجھے خود ہوازن کی حکومت سے مرد قریش کی فرماں روائی زیادہ محبوب ہے۔"

اور اس وقت جب کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ۱۲۰۰۰ آدمیوں میں سے ایک بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار تیر انداز تیر برساتے آرہے ہیں، لیکن ایک پیکرِ مقدس اپنی جگہ پر قائم ہے جو تنہا ایک فوج ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعہ کائنات تھا۔ اس بھگدڑ کی حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں جمے رہے آپ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا **یا معشر الانصار**! آواز کے ساتھ صدا آئی۔ "ہم حاضر ہیں، پھر آپ نے بائیں جانب مڑکر پکارا! اب بھی وہی آواز آئی اور آپ سواری سے اتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا" میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب "میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے"

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب "میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے پکارنا شروع کیا۔

یا معشر الانصار! اے گروہ انصار!

یا اصحاب الشجرۃ! اے اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

صحابہ نے جواب دیا۔ "ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔"

چونکہ لشکر کا شیرازہ بکھر چکا تھا اس لئے جو مجاہد اپنی سواری کو موڑنا چاہتا تھا وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا، وہ اپنی زرہ لیتا اور اسے اپنی سواری کے گلے میں ڈال دیتا اپنی تلوار اور ڈھال لیتا

اوراپنی سواری کی اوٹ سے حملہ آور ہوکر اپنا راستہ بناتا اوراس آواز کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ جاتا۔ اس طرح آں حضرت کے پاس ایک سو صحابہ کرام اکٹھے ہوگئے، کئی ایک نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ یکایک لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ دشمن نے میدان میں عورتیں، بچے اور لاتعداد بھیڑ بکریاں چھوڑی تھیں۔

جنگ تبوک

ملک میں قحط سالی تھی اور
گرمی اس قدر تھی کہ گویا دوزخ
نے منہ کھول رکھا ہے۔
دعوتِ حق کے لیے زندگی وموت
کے فیصلہ کی گھڑی ہے۔
پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی
اور یہاں ہرقل شاہ روم کی تربیت
یافتہ فوج کا مقابلہ تھا۔
اپنی زندگی کی ساری پونجی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دی
گھر آئے تو دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔
قیصر غزوہ موتہ میں ۳ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلہ
کی شان دیکھ چکا تھا۔

غزوہ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ تھا۔ تبوک مدینہ منورہ سے تقریباً چھ سو دس کلومیٹر ہے۔ جنگ موتہ کے دوران ۳ ہزار سرفروشوں کا مختصر دستہ ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے، لیکن سارا عرب اور تمام شرق اوسط یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو، بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے۔ اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

چنانچہ دوسرے ہی سال قیصر نے مسلمانوں کو غزوہ موتہ کی سزا دینے کے لیے سرحد شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر نہ تھے۔ آپ ہر وقت ہر اس چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی خبردار رہتے تھے جس کا اسلامی تحریک پر کچھ بھی موافق یا مخالف اثر پڑتا ہو۔ آپ نے تیاریوں کے معنی فوراً سمجھ لیے اور قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا، تاکہ مسیحیت پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو۔ اس موقع پر ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی جاتی تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا۔ ایک طرف عرب کی دم توڑتی ہوئی جاہلیت۔ جس پر حنین میں آخری ضرب لگائی جا چکی تھی، پھر جی اٹھتی، دوسری طرف مدینہ کے منافقین، جو ابو عامر راہب کے واسطے سے غسان کے عیسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر دین داری کا پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی، بغل میں چھرا گھونپ دیتے۔ سامنے سے قیصر، جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد تمام دور و نزدیک کے علاقوں میں چھا گیا تھا حملہ آور ہو جاتا اور تین زبردست خطروں کی متحدہ یورش میں اسلام کی جیتی ہوئی بازی یکایک مات کھا جاتی ہے۔

اس لیے باوجود اس کے کہ ملک میں قحط سالی تھی اور گرمی اس قدر تھی کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے، دشت و جبل آگ کا گولا بنے ہوئے تھے ۔ اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کا گذارہ کا انحصار تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں ۔ اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم ہونے پر خالی ہاتھ ہو جاتے ہیں ۔ ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی اُمید، اس پر مزید موسم گرما کی شدت، اس قوم کے لیے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ سال مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا تھا ۔ ایک انتہائی صبر آزما امتحان تھا ۔ پھر اس بلا کی حبس میں مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل سفر جس کے لیے ہمت کے ساتھ زاد راہ اور پانی کی ضرورت تھی، سواریوں اور سروسامان کا انتظام سخت مشکل تھا اور سرمایہ کی کمی تھی اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لیے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی اور یہاں ہرقل شاہ رُوم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر یہ دعوت حق کے لیے زندگی و موت کے فیصلہ کی گھڑی ہے ۔ اسی حال میں مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے دیا اور جنگ کی تیاری کا اعلان عام کر دیا ۔ پہلے تمام غزوات میں تو حضور کا قاعدہ تھا کہ آخری وقت تک کسی کو نہ بتاتے تھے کہ کدھر جانا ہے اور کس سے مقابلہ درپیش ہے ۔ بلکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد بھی منزلِ مقصود کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے کسی دوسرے راستے سے تشریف لے جاتے تھے ۔ لیکن اس موقعہ پر آپ نے یہ راز بھی نہ رکھا اور واضح طور پر بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے ۔

ایسے نازک موقعوں پر

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس وقت تک اسلامی تحریک کا مقابلہ کھُل کر بیرونی

دشمنوں سے ہو رہا تھا اور مکے اور حُنین کی لڑائی کے بعد اس مخالفت کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن اس وقت تک اندرونی دشمن یعنی منافقوں کے ساتھ زیادہ تر معاملہ درگزر کا برتا گیا تھا۔ کہ ابھی تک تحریک اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ ایک ہی وقت میں باہر کے اور گھر کے دشمنوں سے لڑائی مول لی جاتی دوسرے یہ کہ منافقوں میں سب ایک ہی طرح کے لوگ نہ تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو یا تو کمزوری ایمان میں مبتلا تھے یا کچھ شکوک اور شبہات رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ایک مناسب مدت تک مہلت دینا ضروری تھا تاکہ وہ اپنی کمزوری اور اپنے شکوک و شبہات دور کرلیں آخر میں صرف وہی لوگ رہ جائیں جو جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لیے مسلمانوں کے اندر گھس آئے تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک ایسے لوگوں کو نرم اور گرم ہر انداز میں سمجھانے کی کوششیں ہوتی رہیں اس نتیجے میں جن لوگوں کے اندر کچھ بھی صلاحیت تھی وہ سیدھے راستے پر آتے چلے گئے اب یہ سب مرحلے طے ہو چکے تھے مسلمانوں نے ملک کے اندر اپنے مخالفوں کو بڑی حد تک زیر کر لیا اور اب ان کا مقابلہ ملک سے باہر کی طاقتوں سے شروع ہو رہا تھا۔ ایسے نازک موقعوں پر گھر کے اندر دشمنوں کا سر کچلنا بہت ضروری تھا ورنہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ باہر کے دشمنوں سے ساز باز کر کے معلوم نہیں کس وقت کیا نقصان پہنچا دیں۔

یہ کھجوریں پورے مال پر بکھیر دی جائیں!

منافقوں سے نمٹنے کے لیے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ سب لوگ کھل کر سامنے آجائیں اور انہوں نے جو اپنے چہروں پر ایمان اور اسلام کی نقاب ڈال رکھی ہے وہ ہٹ جائے۔ اور ان کی اصل حیثیت پوری اسلامی سوسائٹی کو معلوم ہو جائے ان کے لیے پھر یہ موقع باقی نہ رہے کہ یہ مسلمانوں کے معاملات میں مسلمان بن کر دخل دیتے رہیں اور انہیں مسلمانوں میں وہی مقام اور درجہ حاصل رہے جو مخلص مسلمانوں کو حاصل ہے چنانچہ جنگ تبوک کا یہ اعلان منافقوں کو بے نقاب کرنے میں نہایت کارگر ثابت ہوا۔ اس موقع پر وہ سب لوگ جو اپنے دعوے میں مخلص تھے انہیں مسلمانوں میں وہی مقام اور درجہ حاصل رہے جو مخلص مسلمانوں کو حاصل ہے چنانچہ جنگ تبوک کا یہ اعلان منافقوں کو بے نقاب کرنے میں نہایت کارگر ثابت ہوا۔ اس موقع پر وہ سب لوگ جو اپنے دعوے میں مخلص تھے دل و جان سے جہاد

کے لیے تیار ہو گئے۔ اور سرو سامان کی فراہمی میں ہر ایک نے اپنی بساط سے بڑھ کر حصّہ لیا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنی زندگی کی ساری پونجی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دی یہاں تک کہ کرتے کے بٹن بھی توڑ کر پیش کش میں شامل کر دیئے۔
جب شمع رسالتؐ کے اس پروانے سے پوچھا گیا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ؟ تو عرض کیا، اللہ اور اس کے رسُول کی محبّت۔!
حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے تمام اثاثے کا نصف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا۔
حضرت عثمانؓ نے تین سو اُونٹ ساز و سامان کے ساتھ حاضر کیے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے۔
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔
غریب صحابہ نے اپنے گھر کی ایک ایک چیز لا کر پیش کر دی اور جس کے پاس کچُھ بھی نہ تھا اس نے محنت مزدوری کر کے جو کچُھ کمایا لا کر حاضر کر دیا۔
حضرت ابوعقیلؓ انصاری نے رات بھر کنوئیں سے پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کیا اور مزدوری میں دو کلو کھجُوریں پائیں تھیں اور وہ لا کر اللہ کے رسُول کے قدموں میں رکھ دی تھیں۔
حضُورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ کھجوریں پورے مال پر بکھیر دی جائیں۔
عورتوں نے اپنے زیور تک اتار اتار کر دے دیئے۔
جاںنثار صحابہؓ کے لشکر کے لشکر ہر طرف سے اُمنڈ اُمنڈ کر آنے شروع ہوئے اور انہوں نے تقاضا کیا کہ اسلحہ اور سواریوں کا انتظام ہو جائے تو ہماری جانیں قربان ہونے کو حاضر ہیں جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا اور نہ وہ زاد راہ کی استطاعت رکھتے تھے۔ وہ اپنی بے چارگی اور مفلسی پر بے اختیار روتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ البکائین کہلائے یعنی "بہت رونے والے"۔

یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت

اس طرح صاف معلوم ہو گیا کہ اسلامی جماعت میں کتنے لوگ مخلص ہیں، لیکن ان کے برعکس جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں تھا، جنگ کا اعلان سن کر گویا ان کی جان ہی نکل گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر طرح طرح کے حیلے بہانے بنانے شروع کئے۔ پھر ان منافقوں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ خود جنگ پر جانے سے جان چرائی بلکہ یہ دوسروں کو بھی روکتے اور ورغلاتے رہے، کبھی کہتے کہ گرمی بہت ہے ایسے میں جنگ کے لیے جا کر کیا جان دینا ہے۔ کبھی کہتے کہ بھلا روم کی سلطنت کے مقابلے میں یہ تھوڑے سے مسلمان کیا کر سکیں گے۔ یہ تو جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

" اور لوگوں کو بھی سمجھانے لگے کہ ایسی گرمی میں (گھر سے) نہ نکلنا!

اے پیغمبر! (ان لوگوں سے) کہو کہ گرمی تو دوزخ کی آگ کی بہت زیادہ ہے۔ اے کاش! ان کو اتنی سمجھ ہوتی تو (ایک دن ہو گا کہ) یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت (اور یہ بدلہ (ہو گا) ان اعمال کا جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔" (التوبہ)

ان منافقوں ہی میں سے جد بن قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ہمراہ نہ لے چلیے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے معاملہ میں کس قدر ہوش کھو دیتا ہوں۔ بنو اصغر کی حسین و جمیل عورتیں دیکھ کر میں خود پر قابو نہ پا سکوں گا۔"

غرض یہ کہ یہ اعلان جنگ ایک ایسا امتحان ثابت ہوا جس نے مخلص مومن اور منافق کھل کر سامنے

آ گئے۔ اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہو گئے قرآن نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جُدا جُدا ارشادت فرماتے ہیں ۔

ایک حالت ان کامل مکمل صحابہؓ کی تھی جو بلا تردد تیار ہو گئے ۔ دوسرے وہ لوگ جو ابتدائً کچھ تردد کے بعد ساتھ ہو گئے (یہ دونوں طبقے قابل مدح ہیں) تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بناء پر اس جہاد میں نہ جا سکے ۔ قرآن کریم نے آیت لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمایا ۔ چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ۔ ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کی کاہلی پر زجر و تنبیہ بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت ہے پانچواں طبقہ ان منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے اور اپنے نفاق کو نہ چھپا سکے

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا تھا، لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی تعداد پھر بھی برائے نام تھی بھاری اکثریت ان ہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے ۔

حضرت ابو خیثمہؓ گھر آئے تو دروازہ پر کھڑے ہو گئے

آدمیوں کی کثرت ، سواریوں کی قلت اور ضروری ساز و سامان کی کمی کے باعث تبوک جانے والے لشکر کو جیش العسرت ، بھی کہتے ہیں ، چونکہ اس غزوہ کی وجہ سے منافقین کا پردہ بری طرح فاش ہو گیا تھا اور ان کی بہت فضیحت (رسوائی) ہوئی تھی ۔ اس لیے یہ " غزوہ فاضحہ " بھی کہلاتا ہے ۔

سفر بہت طویل تھا ۔ راستے میں کوئی شخص پیچھے رہ جاتا تھا صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کر دیتے تھے اور جواب میں حضورؐ برجستہ فرما رہے تھے ۔

" جانے دو اگر اس میں کچھ بھلائی ہے تو اللہ اسے

پھر تمہارے ساتھ مل جائے گا اور اگر کچھ دوسری حالت ہے تو شکر کرو اللہ نے اس کی جھوٹی رفاقت سے تمہیں بچا لیا۔"

حضرت ابوذر غفاری کا اونٹ راستے میں سست ہو گیا اور وہ پیچھے رہ گئے، اونٹ بیٹھ گیا اور وہ رک گئے۔ اونٹ کی قوت و رفتار کی بحالی سے مایوسی ہو گئی تو سامان خود اٹھا لیا اور لشکر کے قدموں کے نشان پر پیدل چلنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر قیام فرما ہوتے تو کسی نے دیکھا کہ کوئی شخص پیدل چلا آ رہا ہے، آپ سے عرض کیا گیا تو فرمایا: "ابوذر ہوں گے" چنانچہ وہی نکلے۔

حضرت ابوخثیمہؓ کا واقعہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو چکے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ تیز اور گرمی سخت تھی۔ حضرت ابوخثیمہؓ کی دونوں بیویوں نے پانی چھڑک کر اپنے گھر کو ٹھنڈا کیا۔ کھانا تیار کر لیا اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی لا رکھا۔ حضرت ابوخثیمہؓ گھر آئے تو دروازے پر کھڑے ہو گئے، بیویوں کے اہتمام پر نظر ڈالی۔ پھر بولے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز دھوپ اور سخت گرمی میں سفر کر رہے ہوں اور ابوخثیمہؓ بیویوں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتے؟ ایسا نہیں ہو سکتا، میرے لیے زادِ راہ تیار کرو اور لمحہ بھر میں رسول اللہ کے نقشِ قدم پر روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچ چکے تھے۔ کسی نے اطلاع دی کہ دور سے کوئی سوار چلا آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا! ابوخثیمہؓ ہوں گے۔ پاس آتے تو وہی نکلے، گویا پیچھے رہ جانے کے نتیجے میں سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے لشکرِ اسلام سے جا ملے۔

تم اس پر راضی نہیں ہو کہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپ مدینہ سے تشریف لے جاتے تھے کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ میں بخلاف اور معرکوں کے ازواجِ مطہراتؓ ساتھ نہیں گئی تھیں، اہلِ حرم کی حفاظت کے لیے کسی عزیزِ خاص کا رہنا ضروری تھا اور اس لیے اب کے

یہ منصب حضرت علیؓ کو ملا۔ لیکن انہوں نے شکایت کی کہ "آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑنے جاتے ہیں۔" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔"

رجب ۹ھ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، جن میں دس ہزار سوار تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک پر کئی کئی آدمی باربار سوار ہوتے تھے۔ آگ کی طرح تپتے صحراؤں کا سفر، بے سروسامانی کا عالم، دھوپ کی شدت، گرم لُو کے تھپیڑے اور پانی کی قلت، پھر ایسے قوی دشمن کے خلاف صف آرائی جس سے کل موتہ میں مقابلہ ہوا تو مسلمان اسے شکست دیئے بغیر واپس لوٹ آئے؟ اس سے بھی کہیں زیادہ دشواریاں تھیں لیکن مسلمانوں کا اللہ پر ایمان، اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت اور دین الٰہی سے لگاؤ نے ان کے جذبۂ شوق ومحبت میں ایسا طلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے عاجز آگیا۔ مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے ہوئے اس انداز سے نکلے کہ ان کے طمطراق کی خبر سن کر دشمن میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی ایسے بہادروں کے لیے گرمی کی شدت بھوک اور پیاس کی دقت کیونکر دخل انداز ہو سکتی ہے۔

خُدا کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے گزریں

تبوک کے راستے میں وادیٔ حجر کا مقام پڑتا تھا۔ اسلامی لشکر وادی حجر میں پہنچا جو قوم ثمود کی آبادی تھی۔ وہ لوگ پتھر کھود کر گھر بنایا کرتے تھے۔ ایسے پتھر ابھی تک وہاں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ اس مقام پر عذابِ الٰہی نازل ہو چکا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے۔ نہ اس وادی کا پانی پیئے نہ اس سے وضو کیا جائے۔ اگر کسی نے پکانے کے لیے آٹا گوندھ لیا ہے تو اسے اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ سب لوگ اس مقام سے سر جھکا کر گذر جائیں اور خُدا کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے گذریں۔ خود آپ بھی اس مقام سے گذرے تو چہرۂ مُبارک

پر پردہ ڈال لیا اور سواری کو تیز چلایا کہ جلد گذر جائیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا کہ جن مقامات میں مجرم قومیں غضب ایزدی کا نشانہ بن چکی تھیں وہاں سے جلد از جلد گذر جاتے تھے۔ عرفات کے راستے میں وادیٔ محسر آتی ہے یہاں اصحاب فیل مبتلائے عذاب ہوئے تھے۔ اس وادی سے بھی عرفات جاتے آتے جلد گذر جانے کا دستور قائم ہوا ۔

چنانچہ سارا لشکر اس جگہ سے اسی طرح سر جھکا کر اور دُعائیں پڑھتا ہوا گذر گیا ۔ یہاں تک کہ اس کنوئیں پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جس میں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی ۔ یہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا "کہ کوئی شخص لشکر گاہ سے اکیلا باہر نہ نکلے ۔ بعض اوقات اس وادی میں ایسی ہوائیں چلتی ہیں جن کے جلو میں ریت کے پہاڑ ہوتے ہیں جو انسان بلکہ اونٹ کو اپنے دامن میں چھپا لیتے ہیں" بدقسمتی سے دو مُسلمان الگ الگ رات کے وقت کیمپ سے باہر چلے گئے ایک کو ہوا جھپٹ کرلے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا ۔

یہاں سے آگے چل کر صُبح کو ایک جگہ ٹھہرے تو مسلمان پانی نہ ملنے سے خوفزدہ ہو رہے تھے ۔ اتنا طویل سفر پانی کے بغیر طے ہوگا ! دیکھتے ہی دیکھتے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا اور لمحہ بھر میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا ۔ لشکر نے جی بھر کر پانی پیا ۔ زاد راہ کے لیے چھاگلیں بھر لیں، خوشی کی حد نہ تھی ۔

مقابلہ کی جو شان وُہ دیکھ چکا تھا

تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے سرحد سے فوجیں اکٹھی کی ہوئی تھیں اسے واپس شام لے جایا گیا ہے ۔ ہوا یہ کہ جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ اسکی اتنی زبردست تیاری کی اطلاع پانے کے باوجود مُسلمان اس بے خوفی کے ساتھ نکل پڑے ہیں اور برابر بڑھتے چلے آرہے ہیں تو اس نے سرحد سے فوجیں ہٹا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا ۔ غزوہ موتہ میں ۳ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلہ کی جو شان وہ دیکھ چکا تھا ۔ اس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جہاں ۳۰ ہزار فوج آرہی ہو وہاں وہ لاکھ دو لاکھ کا لشکر لے کر میدان میں آجاتا ۔

قیصر کے اس طرح میدان سے ہٹ جانے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی سمجھا اور اس کا پیچھا کرنے کے بجائے اس علاقے پر اپنے اثرات کو مضبوط کرنا مناسب خیال فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے تبوک میں ۲۰ روز ٹھہر کر ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور اسلامی حکومت کے درمیان واقع تھیں اور رومیوں کے زیر اثر تھیں۔ اسلامی حکومت کا مطیع اور باجگذار بنا لیا اس طرح اب تک جو عرب قبیلے قیصرِ روم کا ساتھ دیتے تھے اب وہ اسلامی حکومت کے مددگار اور معاون بن گئے۔

شام کے اس علاقہ میں ایلہ، اذرح اور جربا تین ریاستیں تھیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سفیر بھیجا کہ "اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو بہتر ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔ ایلہ کا سردار یوحنا خود حاضر ہوا اور نذر گذارنے کے لیے بہت سے تحائف ہمراہ لے کر آیا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ حضورؐ نے اس کی درخواست منظور فرمائی اور تمام شرطیں طے کر کے ان کو صلح نامہ عنایت فرمایا۔

اس طرح جربا اور اذرح کے حکمرانوں نے بھی اطاعت کے لیے سر جھکا دیئے اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔

آپؐ نے اکیدر کی سرکوبی کو ضروری سمجھا

رسولِ خدا نے جب یہ محسوس فرمایا کہ رومی از خود اپنی فوجیں واپس لے گئے ہیں اور سرحدی حکمرانوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ اب کسی کے ساتھ جنگ کے لیے یہاں ٹھہرے رہنا ضروری نہیں۔ البتہ دومہ کا حکمران اکیدر ابن عبدالملک جو عیسائی تھا۔ اس کی طرف سے حضورؐ کو اطمینان نہ تھا کہ اگر ہرقل روم پھر کسی وقت سر اٹھاتے تو اکیدر بھی اس کی مدد کے لیے نہ نکل آئے۔ اس لیے آپؐ نے اکیدر کی سرکوبی کو ضروری سمجھ کر حضرت خالد بن ولید کو پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ دومہ جانے کا حکم فرمایا۔ حضرت خالدؓ کچھ اس انداز سے بڑھے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی

اکیدر نے رات کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ساتھ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے ۔ حضرت خالدؓ کی نظر پڑ گئی ۔ انہوں نے حسان کو قتل کر کے اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر منظور فرمائی کہ وہ مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دے گا اور اہل شہر نے اپنے سردار کے فدیہ میں اسے قبول کر لیا ۔ حضرت خالدؓ کو یہاں سے بہت سا مال غنیمت ملا ۔ پھر حضرت خالدؓ اکیدر کو لیے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے ۔ اکیدر نے جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی ۔ اس شرط پر حضورؐ نے اکیدر کو رہا کر دیا اور وہ مسلمانوں کا باجگذار بن کر وہاں سے واپس ہوا ۔

اس طرح اس غزوہ میں جنگ تو نہیں ہوئی مگر اس سے یہ فائدہ بہت زبردست ہوا کہ شام کے اس علاقہ تک اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی ۔ اور جن عرب قبائل کو قیاصرۂ روم اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے ۔ اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے مقابلے پر مسلمانوں کا معاون بن گیا پھر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سلطنتِ رُوم کے ساتھ اک طویل کشمکش میں اُلجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کا پورا موقعہ مل گیا تبوک کی اس فتح بلا جنگ نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو اب تک جاہلیت قدیمہ کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے خواہ وہ علانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردہ میں منافق بنے ہوئے ہوں ۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر و بیشتر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں ۔ اور اگر خود نعمتِ ایمانی سے بہرہ ور نہ بھی ہوں تو کم ازکم ان کی آئندہ نسلیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں ۔ اس کے بعد جو ایک برائے نام اقلیت شرک و جاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی ، وہ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اس اصلاحی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہو سکتی تھی جس کے لیے اللہ نے اپنے رسُولؐ کو بھیجا تھا ۔

مَیں یہ سُنتے ہی سجدے میں گر گیا

مدینہ سے تبوک کی طرف روانگی کے بعد جو مسلمان گھروں میں بیٹھے رہے ۔ وہ قرآن کی اصطلاح میں "متخلفین" ہیں! یہ (متخلفین) ندامت سے سر جھکائے پڑے تھے اور منافقین خوف کے مارے پشیمان! ان میں ۸۰ سے کچھ زیادہ منافق تھے اور تین سچے مومن بھی تھے ۔ منافقین جھوٹے عذرات پیش کرتے گئے اور حضُور ان کی معذرت قبول کرتے گئے ۔ پھر ان تین مومنوں کعبؓ بن مالک ، ہلال بن اُمیہ اور مرارہؓ بن ربیع کی باری آئی اور انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کے معاملہ میں فیصلہ ملتوی کر دیا اور عام مُسلمانوں کو حکم دے دیا کہ جب تک خُدا کا حکم نہ آئے ، ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے ۔ تینوں صحابہؓ اس سے پہلے اپنے اخلاص کا بارہا ثبوت دے چکے تھے ۔ آخر الذکر دو اصحاب غزوہ کے بدر کے شرکاء میں سے تھے جن کی صداقتِ ایمانی ہر شبہ سے بالا تر تھی اور اوّلذکر بزرگ اگرچہ بدر میں شریک نہ تھے ۔ لیکن بدر کے سوا ہر غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہے ان خدمات کے باوجود جو سُستی اس نازک موقع پر جب کہ تمام اہلِ ایمان کو جنگ کے لیے نکل آنے کا حکُم دیا گیا تھا ۔ ان حضرات نے دکھائی اس پر سخت گرفت ہوئی ۔ آپؐ نے حکم دیا ان سے کوئی سلام نہ کرے ۔ ۴۰ دِن کے بعد انکی بیویوں کو بھی ان سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی ۔ آخر کار جب ان کے مقاطعہ کو ۵۰ دِن ہو گئے تب معافی کا حکم نازل ہوا ۔

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعبؓ بن مالک نے اپنا قصّہ بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں ۔

"غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مُسلمانوں سے شرکتِ جنگ کی اپیل فرماتے تھے ۔ میں اپنے دِل میں ارادہ کر لیتا تھا کہ چلنے کی تیاری کروں گا ۔ مگر پھر واپس آ کر سُستی کر جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ابھی کیا ہے ، جب چلنے کا وقت آئے گا تو تیار ہوتے کیا دیر لگتی ہے ۔ اسی طرح بات ٹلتی رہی یہاں تک کہ لشکر کی روانگی کا وقت

آ گیا اور مَیں تیار نہ تھا۔ مَیں نے دِل میں کہا کہ لشکر کو چلنے دو، میں ایک دو روز بعد راستہ میں ہی اس سے جا ملوں گا۔ مگر پھر وہی سُستی مانع ہوئی حتیٰ کہ وقت نکل گیا۔ اس زمانہ میں مدینہ میں رہا میرا دل یہ دیکھ دیکھ کر بے حد کڑھتا تھا کہ میں پیچھے جن لوگوں کیساتھ رہ گیا ہوں وہ یا تو منافق ہیں یا وہ ضعیف اور مجبُور لوگ جن کو اللہ نے معذور کر رکھا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو حسب معمول آپؐ نے پہلے مسجد آکر دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں سے مُلاقات کے لیے بیٹھے۔ اس مجلس میں منافقین نے آآ کر اپنے عذرات لمبی چوڑی قسموں کے ساتھ پیش کرنے شروع کیے یہ ۸۰ سے زیادہ آدمی تھے۔ حضوؐر نے ان میں سے ایک ایک کی بناوٹی باتیں سُنیں۔ ان کے ظاہری عذرات کو قبول کر لیا اور اُن کے باطن کو خُدا پر چھوڑ کر فرمایا خُدا تمھیں معاف کرے۔ پھر میری باری آئی۔ مَیں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپؐ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا "آئیے! آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟" مَیں نے عرض کیا "خُدا کی قسم اگر مَیں اہلِ دنیا میں سے کِسی کے سامنے حاضر ہوا ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی بات بنا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا، باتیں بنانی تو مجھے بھی آتی ہیں۔ مگر آپؐ کے متعلق میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی جھُوٹا عذر پیش کر کے مَیں نے آپؐ کو راضی بھی کر لیا تو اللہ ضرور آپؐ کو مجُھ سے پھر ناراض کر دے گا۔ البتہ اگر سچ کہوں تو چاہے آپؐ ناراض ہی کیوں نہ ہوں، مجھے اُمید ہے کہ اللہ میرے لیے معافی کی صُورت پیدا فرما دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ جسے مَیں پیش کر سکوں، مَیں جانے پر پوری طرح قادر تھا۔" اس پر حضوؐر نے فرمایا "یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی، اچھا اُٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمھارے معاملہ میں کوئی فیصلہ کرے۔" مَیں اُٹھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔ یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے بہت ملامت کی کہ تو نے کوئی عذر کیوں نہ کر دیا، یہ باتیں سُن کر میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہونے

لگا کہ پھر حاضر ہو کر کوئی بات بنا دوں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور صالح آدمیوں مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ نے بھی وہی سچی بات کہی ہے جو میں نے کہی تھی، تو مجھے تسکین ہو گئی اور میں اپنی سچائی پر جا رہا۔

ایک اور بلا نازل ہوئی

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں سے کوئی شخص بات نہ کرے۔ وہ دونوں تو گھر بیٹھ گئے۔ مگر میں نکلتا تھا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ بازاروں میں چلتا پھرتا تھا اور کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین بالکل بدل گئی ہے، میں یہاں اجنبی ہوں اور اس بستی میں کوئی بھی میرا واقف کار نہیں، مسجد میں نماز کے لیے جاتا تو حسبِ معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا، مگر بس انتظار ہی کرتا رہ جاتا تھا کہ جواب کے لیے آپ کے ہونٹ جنبش کریں۔ نماز میں نظریں چرا کر حضورؐ کو دیکھتا تھا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر کیسی پڑتی ہیں۔ مگر وہاں حال یہ تھا کہ جب تک میں نماز پڑھتا آپ میری طرف دیکھتے رہتے اور جہاں میں نے سلام پھیرا کہ آپ نے میری طرف سے نظر ہٹائی۔ ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچا زاد بھائی اور بچپن کے دوست ابو قتادہ کے پاس گیا اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر انہیں سلام کیا۔ مگر اس اللہ کے بندے نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا "ابو قتادہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا؟" وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا وہ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب میں نے قسم دے کر یہی سوال کیا تو انہوں نے بس اتنا کہا کہ "اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتا ہے"۔ اس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں دیوار سے اتر آیا۔ انہی دنوں ایک دفعہ میں بازار سے گذر رہا تھا کہ شام کے نبطیوں میں سے ایک شخص مجھے ملا اور اس نے شاہِ غسان کا خط حریر میں لپٹا ہوا مجھے دیا۔ میں نے کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "ہم نے سنا ہے تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے۔ تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو، نہ اس لائق کہ تمہیں ضائع کیا جائے، ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر کریں گے" میں نے کہا یہ ایک اور بلا نازل ہوئی اور اسی وقت اس خط کو چولھے میں جھونک دیا۔

یہ دِن تیری زندگی میں سب سے بہتر ہے

چالیس دن اس حالت پر گذر چکے تھے کہ نبی صلی اللہ کا آدمی حکم لے کر آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ مَیں نے پوچھا کیا طلاق دے دوں ؟ جواب ملا نہیں بس الگ ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم میکے چلی جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اس معاملے کا فیصلہ کر دے'

پچاسویں دِن صبح کی نماز کے بعد میں مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ یکایک کسی شخص نے پکار کر کہا "مبارک ہو کعبؓ بن مالک"۔ میں یہ سُنتے ہی سجدے میں گر گیا اور مَیں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم ہو گیا ہے۔ پھر تو جوق در جوق لوگ بھاگے چلے آ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مبارک باد دے رہا تھا کہ تیری توبہ قبول ہو گئی، مَیں اُٹھا اور سیدھا مسجد نبوی کی طرف چلا۔ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے مَیں نے سلام کیا تو فرمایا "تجھے مبارک ہو۔ یہ دِن تیری زندگی میں سب سے بہتر ہے"۔ مَیں نے پوچھا یہ معافی حضورؐ کی طرف سے ہے یا خُدا کی طرف سے ؟ فرمایا، خُدا کی طرف سے اور یہ آیات سنائیں۔

البتہ خدا نے پیغمبر پر بڑا ہی فضل کیا اور (نیز) مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دِیا جب کہ ان میں سے بعض کے دِل ڈگمگا چلے تھے۔ پھر اس نے ان پر بھی اپنا فضل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ خُدا ان سب پر مہربان اور ان کے حال پر اپنی شفقت رکھتا ہے۔ اور ان تینوں افراد پر بھی جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر

بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے
لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے
سوا نہیں ہے۔ پھر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی
(تاکہ قبولِ توبہ کے شکریے میں آئندہ کے لیے بھی)
توبہ کیے رہیں۔ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم
ہے۔ (التوبہ)

مَیں نے عرض کیا "یا رسُول اللہ! میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سارا مال خُدا کی راہ میں صدقہ کر دوں"۔ فرمایا "کچھ رہنے دو کہ یہ تمھارے لیے بہتر ہے"۔ مَیں نے ارشاد کے مطابق اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیا۔ باقی سب صدقہ کر دیا۔ پھر مَیں نے خُدا سے عہد کیا کہ جس راست گفتاری کے صلے میں اللہ نے مجھے مُعافی دی ہے۔ اس پر تمام عمر قائم رہوں گا۔ چنانچہ آج تک مَیں نے کوئی بات جان بُوجھ کر خلاف واقعہ نہیں کہی اور خُدا سے اُمید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے اس سے بچائے گا۔

یہ واقعہ اپنے اندر بہت سے سبق رکھتا ہے، سب سے پہلی بات تو اس سے یہ معلُوم ہوئی کہ کفر و اسلام کی کشمکش کا معاملہ اس قدر اہم اور کتنا نازک ہے کہ اس کشمکش میں کفر کا ساتھ دینا تو در کنار جو شخص اسلام کا ساتھ دینے میں بدنیتی سے بھی نہیں نیک نیتی سے، تمام عمر بھی نہیں کسی ایک موقع ہی پر کوتاہی برت جاتا ہے اس کی بھی زندگی بھر کی عبادت گزاریاں اور دینداریاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں، حتیٰ کہ ایسے عالی قدر لوگ بھی گرفت سے نہیں بچتے جو بدر اور اُحد اور خندق اور حنین کے سخت معرکوں میں جانبازی کے جوہر دکھا چکے تھے اور جن کا اخلاص و ایمان ذرہ برابر بھی مشتبہ نہ تھا۔

دوسری بات جو اس سے کچھ کم اہم نہیں، یہ ہے ادائے فرض میں تساہل کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ بسا اوقات محض تساہل ہی تساہل میں آدمی کسی ایسے قصُور کا مرتکب ہو جاتا ہے جس کا شمار

بڑے گناہوں میں ہوتا ہے اور اس وقت یہ بات اسے پکڑ سے نہیں بچا سکتی۔

پھر یہ واقعہ اس معاشرے کی رُوح کو بڑی خوبی کے ساتھ ہمارے سامنے بے نقاب کرتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں بنا تھا۔ ایک طرف منافقین ہیں جن کی غداریاں سب پر آشکارا ہیں۔ مگر ان کے ظاہری عذر سُن لیے جاتے ہیں اور درگزر کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سے خلوص کی اُمید ہی کب تھی کہ اب اس کے عدم کی شکایت کی جاتی، دوسری طرف ایک آزمودہ کار مومن ہے جس کی جاں نثاری پر شُبہ تک کی گنجائش نہیں اور وہ جھُوٹی باتیں بھی نہیں بناتا۔ صاف صاف قصُور کا اعتراف کرلیتا ہے۔ مگر اس پر غضب کی بارش برسادی جاتی ہے، نہ اس بنا پر کہ اس کے مومن ہونے میں کوئی شُبہ ہوگیا ہے، بلکہ اس بنا پر کہ مومن ہوکر اس نے وہ کام کیوں کیا جو منافقوں کے کرنے کا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ زمین کے نمک تو تم ہو، تم سے بھی اگر نمکینی حاصل نہ ہوتی تو پھر اور نمک کہاں سے آئے گا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس سارے قصہ میں لیڈر جس شان سے سزا دیتا ہے اور پیرو جس شان سے اس سزا کو بھگتتا ہے اور پوری جماعت جس شان سے اس سزا کو نافذ کرتی ہے، اس کا ہر پہلو بے نظیر ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کس کی زیادہ تعریف کی جائے۔ لیڈر نہایت سخت سزا دے رہا ہے مگر غصّے اور نفرت کے ساتھ نہیں، گہری محبت کے ساتھ دے رہا ہے۔ باپ کی طرح شعلہ بار نگاہوں کا ایک گوشہ ہر وقت یہ خبر دیے جاتا ہے کہ تجھ سے دشمنی نہیں ہے بلکہ تیرے قصور پر تیری ہی خاطر دل دکھا ہے، تو درست ہوجائے تو یہ سینہ تجھے چمٹا لینے کے لیے بے چین ہے۔ پیرو سزا کی سختی پر تڑپ رہا ہے۔ مگر صرف یہی نہیں کہ اس کا قدم اطاعت کی راہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ڈگمگاتا اور صرف یہی نہیں کہ اس پر عزور نفس اور حمیتِ جاہلیہ کا کوئی دورہ نہیں پڑتا اور علانیہ غرور پر اتر آنا تو درکنار وہ دِل میں اپنے محبُوب لیڈر کے خلاف کوئی شکایت تک نہیں آنے دیتا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ لیڈر کی محبت میں زیادہ سرشار ہوگیا۔ سزا کے ان پورے پچاس دنوں میں اس کی نظریں سب سے زیادہ بیتابی

کے ساتھ جس چیز کی تلاش میں رہیں وہ یہ تھی کہ سردار کی آنکھوں میں وہ گوشۂ التفات اس کے لیے باقی ہے یا نہیں جو اس کی اُمیدوں کا آخری سہارا ہے گویا وہ ایک قحط زدہ کسان تھا جس کا سارا سرمایہ اُمید بس ایک ذرا سا بادل کا ٹکڑا تھا جو آسمان کے کنارے پر نظر آتا ہے۔ پھر جماعت کو دیکھئے تو اس کے ڈسپلن اور اس کی صالح اخلاقی اسپرٹ پر انسان عش عش کر جاتا ہے۔ ڈسپلن کا یہ حال کہ ادھر لیڈر کی زبان سے بائیکاٹ کا حکم نکلا ادھر پوری جماعت نے مجرم سے نگاہیں پھیر لیں جلوت تو درکنار خلوت تک میں کوئی قریب سے قریب رشتہ دار اور کوئی گہرے سے گہرا دوست بھی اس سے بات نہیں کرتا۔ بیوی تک اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ خدا کا واسطہ دے دے کر پوچھتا ہے کہ میرے خلوص میں تو تم کو شُبہ نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ جو اِک طویل عرصے سے اس کو مخلص جانتے تھے صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے نہیں خُدا اور اس کے رسُول سے اپنے خلوص کی سند حاصل کرو۔ دوسری طرف اخلاقی اسپرٹ اتنی بلند اور پاکیزہ کہ ایک شخص کی چڑھی کمان اترتے ہی مردار خوروں کا کوئی گروہ اس کا گوشت نوچنے اور اسے پھاڑ کھانے کے لیے نہیں لپکتا، بلکہ اس پورے زمانۂ عتاب میں جماعت کا ایک ایک فرد اپنے اس معتوب بھائی کی مصیبت پر رنجیدہ اور اس کو پھر سے اٹھا کر گلے لگا لینے کے لیے بے تاب رہتا ہے اور معافی کا اعلان ہوتے ہی لوگ دوڑ پڑتے ہیں کہ جلدی سے جلدی پہنچ کر اس سے ملیں اور اسے خوشخبری پہنچائیں۔ یہ نمونہ ہے اس صالح جماعت کا جسے قرآن دُنیا میں قائم کرنا چاہتا تھا۔

شرک کی آندھیاں اُٹھانے میں کسر نہ اُٹھا رکھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ایک عیسائی راہب ابو عامر کی درویشی اور علم کا مدینہ میں بڑا چرچا تھا۔ لوگ اس کو بہت مانتے تھے۔ جب رسولؐ اللہ مدینے تشریف لائے تو اس کے علم اور بصیرت کا نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ وہ ہدایت کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا اور خدا پرستی کے صحیح تصور کو سب سے پہلے بڑھ کر قبول کرتا۔ لیکن جس طرح علم و تقویٰ کا غلط پندار اور رسمی اور رواجی دین داری کا مظاہرہ عام طور پر انسان کو ہدایت کی پیروی سے روک

دیتا ہے۔ اسی طرح ابُو عامر پر بھی اسلامی دعوت کا الٹا ہی اثر پڑا۔ دراصل ابو عامر کا نام نہاد علم اور نمائشی زہد و تقشف دونوں نفس پروری اور خود پرستی کے ہتھکنڈے تھے۔ اس کی نظر اپنے دینداری کے کاروبار پر گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اس نئی تحریک کے مقابلے میں اس کی درویشی کا سکہ نہیں چل سکے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو جس طرح عبداللہ بن ابی کے بادشاہ بننے کا خواب ادھورا رہ گیا اسی طرح ابُو عامر راہب کے زہد اور علم کتاب کی قدر و منزلت بھی ہیچ رہ گئی۔ ابتدا میں اسے خیال ہوگا کہ قریش کے جن سرداروں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے وہ آپؐ کو مدینہ میں کب جمنے دیں گے۔ لیکن بدر کی لڑائی میں قریش نے شکست کھائی تو وہ تلملا اُٹھا اور اس نے قریش اور دوسرے عرب قبیلوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اُحد کی لڑائی اور خندق کی جنگ میں جو کچھ مسلمانوں کے سامنے آیا اس میں اسی راہب کی کوششوں کو بہت کچھ دخل تھا۔ اس عیسائی اہل کتاب نے مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے سازباز کرنے اور توحید کے چراغ کو بجھانے کے لیے شرک کی آندھیاں اٹھانے میں کسر نہ اٹھا رکھی اور جب اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کھل کر سامنے آنے لگا کہ اسلام ہی تمام عرب کا غالب دین ہو کر رہے گا تو اس کی بے چینی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اب اس نے روم کا سفر اختیار کیا اور قیصر کے پاس پہنچ گیا جو اس کا ہم مذہب تھا کہ اسے مسلمانوں کے مقابلے پر لائے۔ مدینہ منورہ کے منافقوں سے بھی اس کا ربط ضبط قائم تھا۔

چنانچہ قیصر روم کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ ادھر اس نے منافقین سے کہا کہ تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہیئے جو قیصر کے حملے کے وقت اس کی مدد کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک عمارت بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو۔ پھر اس مکان میں تم اپنے

لوگوں کو جمع کرو اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو۔ یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورہ سے معاملات طے کیا کرو۔ اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قبا میں جہاں اوّل ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبا کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دُور ہے، ضعیف بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں اس لیے ہم نے ایک دوسری مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے آپ نے فرمایا "اس وقت ہم مہم پر جا رہے ہیں۔ واپسی میں ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے"۔ لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جب کہ آپؐ مدینہ طیبہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو یہ آیات آپؐ پر نازل ہوئیں۔ جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا تا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

(التوبہ آیت ۱۰۷-۱۱۰)

جن میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرما دی اور بتا دیا کہ یہ در اصل ایک ایسی جگہ ہے جو مسلمانوں کے خلاف مشورہ کے لیے بطور گھات کے کام میں لائی جاتی ہے۔ یہ اس قابل نہیں کہ آپؐ اس میں نماز پڑھیں۔ یہ منافق جھوٹے ہیں، خُدا نے اس مسجد کو "مسجد ضرار" یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والی مسجد) فرمایا اور یہ واقعہ اسی نام سے مشہور ہے۔ اس وحی کے بعد حضوؐر کو مسجد ضرار کی حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔ اس لیے آپؐ نے مالک ابن خشمؓ اور معن ابن عدیؓ کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو گرا دو اور اسے آگ لگا دو۔ ان صحابہؓ نے اسی وقت جا کر مسجد ضرار کو جلا ڈالا اور عمارت ڈھا دی۔

حجۃ الوداع

ذی الحجہ ۱۰ ہجری

حجۃ الوداع اس لیے کہتے ہیں کہ اس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف اور مکہ مکرمہ کو آخری مرتبہ دیکھا۔

حجۃ البلاغ اس لیے کہتے ہیں کہ اس حج میں آپؐ رب کا جو پیغام پہنچانے کے لیے دُنیا میں تشریف لائے تھے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

حج اسلام اس لیے کہتے ہیں کہ اس حج کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُسلمانوں میں ایک تقریر بھی کی۔ وہ تقریر حقیقت میں اسلام کا دستور تھی۔

سُورۃ النصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۧ

سُورۃ النصر

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی) تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دُعا مانگو، بے شک وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(النصر)

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دُنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام بنیادی اصول کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے اور ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا چنانچہ رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال یعنی سنہ ۱۰ھ میں حج کا ارادہ فرمایا تاکہ خود حج کے لیے تشریف لے جا کر مسلمانوں کو اعمال حج سے بھی آگاہ فرمایا جائے۔

مُساوات کا ایک نادرِ روزگار نمونہ پیش کیا

ذیقعد میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے تشریف لے جا رہے ہیں یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑوں کی گھاٹیوں پر بسنے والے، دیہات اور شہروں کے باشندے نزدیک و دُور ہر طرف سے اُمنڈ کر مدینہ میں سمٹ آئے، مدینہ سے باہر خیموں کا نیا شہر آباد ہو گیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہو گئے، جنہوں نے مُسلمانوں کی دعوت پر لبیک کہا تھا، یہی لوگ ہیں جو چند سال پہلے ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر آج مُحبت و اخُوّت کے جذبہ سے سرشار آپس میں بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے ہیں۔

۲۶ ذیقعد کو ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، تمام ازواجِ مطہراتؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ مدینہ سے ۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر شب بھر قیام فرمایا۔

"دوسرے روز جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم اور تمام مسلمانوں نے احرامِ حج باندھا، ایک تہہ بند اور ایک چادر سب کا لباس یکساں اور یک رنگ، گویا مُساوات کا ایک نادر روزگار نمونہ پیش کیا۔"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوصِ قلب سے رَبُّ العالمین کی طرف مائل تھے، زبان سے تکبیراتِ حج ادا فرمائیں اور مُسلمان بھی آپؐ کے ہم آواز ہوئے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ان الحمد والنعمہ لک والملک لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ ٥

خُداوندا! ہم تیرے حضُور میں حاضر ہیں دِل و جان سے! تیرا کوئی شریک نہیں!
تعریف و نعمت سب تیری ہی ہے، عطائے نعمت تیرے ہی کرم پر منحصر ہے
اور تیرے ہی حضُور شُکر واجب ہے، اے خُدائے وحدہٗ لاشریک ہم تیرے حضور حاضر ہیں"

عرب کے دشت و جبل بھی حیران!

اس آواز سے دشت و صحرا گُونج اُٹھے، کائنات کے ذرّہ ذرّہ نے مُسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی سے خُدائے وحدت کی ربُوبیت کا اعتراف کیا، آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی ہے آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا، جہاں نماز کا وقت آگیا سب مل کر حضور خداوندی میں سربسجود ہو گئے۔ تکبیر کی دِل کش آواز سے خُدا کی اطاعت اور تشکر کا اظہار کیا، ہر شخص بے تابی کے ساتھ یوم حج کا منتظر کہ دیکھیں خانۂ خُدا کی زیارت کب نصیب ہوتی ہے، عرب کے دشت و جبل، وادیاں اور باغات بھی اتنے بڑے مجمع پر حیران کہ آج تک اس نبیّ اُمّی عبدہٗ و رسولہٗ کی سی بابرکت و پُر بہار شخصیت دیکھنے میں نہیں آئی۔

فتح مکہ میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔

سرف کے مقام پر پہنچ کر غسل فرمایا، دُوسرے روز یعنی اتوار کو ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دِن میں طے ہوا،

خاندان بنو ہاشم کے بچّوں نے آمد آمد کی خبر سُنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپؐ نے فرطِ محبّت سے اُونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا، کعبہ نظر آیا تو فرمایا کہ "اے خُدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر یہ آیت پڑھی:۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی "اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ"

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ "صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں"

یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے :-

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں

اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں۔ وہی

مارتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس نے اپنا وعدہ

پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات

نے مخالف طاقتوں کو شکست دی۔"

صفا سے اتر کر مروہ تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی، اہلِ عرب ایامِ حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کرکے احرام اتارنے کا حکم دیا، بعض صحابہؓ نے گذشتہ رسوم کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں تامل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا" حضرت علیؓ کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ پہنچے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے انہوں نے احرام نہیں اتارا جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔ قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کی بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کی حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسکِ حج ادا کیے تو ان کی شانِ یکتائی میں فرق آجائے گا لیکن اسلام کو جو مساواتِ عام قائم کرنا تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی اس لیے (خدا نے حکم دیا)

(ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ)

آپؐ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آتے اور یہ اعلان کرا دیا۔

"اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراھیمؑ کی وراثت پر ہو"

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے۔ آپؐ نے ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔

حقوق انسانی کا

عظیم ترین

عالمی منشور

حقوق انسانی کا عظیم ترین عالمی منشور

دوپہر ڈھل گئی تو کم وبیش ایک لاکھ چالیس ہزار اہلِ ایمان کے درمیان مکہ کے قریب میدان عرفات میں اپنی اُونٹنی (قصواء نام) پر سوار ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جو اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصُولِ شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کا عظیم ترین عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔

آج چودہ سو سال ہو گئے ہیں، مگر اس خطبے کے یہ الفاظ حرفِ آخر ہیں اور اس بنا پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) کا درجہ دیا گیا ہے۔

خُدا کی حمد وثنا کے بعد آپ نے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی:۔

"خُدا کے سوا کوئی اور معبُود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خُدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندہ (رسُول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔"

لوگو میری بات سُنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یک جا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا۔)

لوگو! اللہ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو تم میں زیادہ عزت وکرامت والا خُدا کی نظروں میں وہی ہے جو خُدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے"۔

مان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے
اے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے
ر سارے اِنتقام میرے پاؤں تلے روندے جاچکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور
ماجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علی حالہ باقی رہیں گی"۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا" قریش کے
لوگو! ایسا نہ ہو کہ خُدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمھاری گردنوں پر تو دُنیا کا بوجھ لدا ہوا
ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو میں خُدا کے سامنے
نھارے کچھ کام نہ آسکوں گا"۔

"قریش کے لوگو! خُدا نے تمھاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر
تمھارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمھارے خون و مال اور عزتیں
ایک دُوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لیے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے
جیسی تمھارے اس دن کی اور اس ماہِ مُبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے
تم سب خُدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پُرس فرمائے گا"۔

"دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔
اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے
والے کو امانت پہنچا دے"۔

"لوگو! ہر مُسلمان دوسرے مُسلمان کا بھائی ہے اور سارے مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے
غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ
جیسا تم پہنتے ہو"۔

"دورِ جاہلیت کا سب کچھ مَیں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانۂ جاہلیت کے خُون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے مَیں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دُودھ پیتے بیٹے کا خُون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا اَب مَیں مُعاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سُود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سُود جسے مَیں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سُود ہے، اب ختم ہوگیا۔"

"لوگو! خُدا نے ہر حقدار کو اُس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیّت نہ کرے"۔

"بچّہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اُس کی سزا پتھر ہے، حساب و کتاب خُدا کے ہاں ہوگا"۔

"جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اُس پر خُدا کی لعنت"۔

"قرض قابلِ ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے"۔

"کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اُس کے جس پر اُس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خُود پر اور ایک دُوسرے پر زیادتی نہ کرو"۔

”عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے“۔

”دیکھو! تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح اُن پر تمھارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خُدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ“۔

”عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیوں کہ وہ تو تمھاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خُدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمھارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، مَیں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا“۔

”میں تمھارے درمیان ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے اگر اس پر قائم رہے، اور وہ خُدا کی کتاب ہے، اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غُلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انھی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے“۔

”شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے مُعاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اِسی پر راضی ہے، اِس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا“۔

"لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمّے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔"

"سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں اُن لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو"۔

"اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے"؟

لوگوں نے جواب دیا کہ "ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ نے حقِ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی"۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، "خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا!"

اس خطبے کے بعد آپؐ اپنی اُونٹنی قصوا، سے اُتر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھیں، اسی دوران یہیں عرفات میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں خُدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے تمھارا دین مکمل کر دیا۔ یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ)

"آج مَیں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور ہمیشہ کے لیے دینِ اسلام کو تمھارے لیے پسند کیا۔"

اس کے بعد دس ذی الحجہ کو آپؐ نے منیٰ میں پہنچ کر قربانی کی اور اُونٹ ذبح کئے، پھر آپؐ نے سر مُنڈوایا اور بال مُبارک صحابہؓ میں تقسیم فرمائے۔ آخر آپؐ طواف الوداع کر کے ذی الحجہ کے آخیر میں واپس مدینے کو روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام خُم پڑا، جو جحفہ سے پانچ کلومیٹر ہے یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے یہاں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:-

حمد و ثنا۔ کے بعد اے لوگو! مَیں بھی بشر ہوں، ممکن ہے خُدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خُدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خُدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں۔ مَیں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔"

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں رات بسر کی، صُبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینہ منوّرہ میں داخل ہوا۔

شاید آئندہ سال اور اس کے بعد
پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے

بل الرفیق الاعلیٰ

اب کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے

شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد تبلیغ اسلام، تزکیہ نفوس اور تکمیل دین و تربیت تھا، یہ مقصد پورا ہو چکا تو خدا کی بارگاہ سے بشارت آئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ (المائدہ)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمتوں (احسان) کی تکمیل کر دی۔

سورہ نصر کا نزول خاص خاص صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا اور آپ حکم ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کے مطابق ہر وقت دعائیں پڑھتے خدا کی حمد فرماتے اور استغفار پڑھتے رہتے تھے۔ عبادات اور تسبیح و تہلیل میں پہلے بھی کمی نہ تھی اب ان میں اور اضافہ ہو گیا، ہر سال رمضان میں دس روز اعتکاف بیٹھتے تھے۔ جس سال وفات پائی یعنی رمضان سنہ ۱۰ھ میں ۲۰ دن کا اعتکاف بیٹھے۔ اسی طرح آپ ہر سال رمضان میں قرآن مجید ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام کی زبان سے سنتے تھے، لیکن وفات کے سال دو مرتبہ سنا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں"۔ "شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں"۔

غزوہ احد میں شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ تمام غزوات میں صرف غزوہ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی اس لیے ان کی یاد آپ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حسرت کے ساتھ الوداع کیا۔ شہدائے اُحد جو بَلْ ھُوْ احَیَاءُ کی مُسرت انگیز بشارت سے فیضیاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ نے اُن کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دُعا خیر فرمائی۔

اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو الوداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے۔

اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا "مَیں تم سے پہلے حوض پر جارہا ہوں۔ اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کروگے، لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو، تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ، جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں"۔

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ میں رات گئے آپ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا، یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور چہارشنبہ کا روز تھا۔ پانچ دن تک آپ اس حالت میں بھی ازراہ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہراتؓ سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں، خلق عظیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور اعلانیہ نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا دوسرا دن حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہراتؓ نے مرضی سمجھ کر عرض کی کہ جہاں آپ چاہیں قیام فرمائیں، ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لاتے۔

چلنے پھرنے کی سکت جب تک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے

سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں درد تھا اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورۃ المرسلٰت عرفاً قرأت فرمائی، عشا کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ ٹب میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا کہ غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ صحابہؓ نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ آپ نے پھر غسل فرمایا اور جب اٹھنا چاہا تو غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور صحابہ نے وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جب جسم پر پانی ڈالا اور پھر جب اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر غشی طاری ہو گئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

جمعرات کے روز آپ کی تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت جو صحابہؓ وہاں موجود تھے آپ نے ان سے فرمایا، کاغذ قلم لے آؤ، تمھارے لیے ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے اس پر صحابہؓ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ بعض صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ اس تکلیف کے وقت حضورؐ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ جب کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں وہ لکھوا لینا چاہیے۔ آخر جب اختلاف زیادہ ہوا اور سب بولنے لگے آپ نے فرمایا:-

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو"

اس دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں۔ غسل کے دوران میں فرمایا:- "بس! بس!" غسل سے فارغ ہو کر لباس پہنا اور سر سے پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ نماز کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا:-

"خُدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دُنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خُدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس بندہ نے خُدا کے ہاں کی نعمتوں کو پسند کر لیا ہے۔"

یہ فرمانے کے بعد رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کی طرح پھر خاموش ہو گئے۔ حضرت ابُوبکرؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے تھے کہ وہ بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رسُول پاکؐ دُنیا چھوڑنے کو ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور روتے ہوئے عرض کی اے رسُول خُدا! ہماری جانیں اور اولاد آپؐ پر فدا ہو جائیں! آپؐ ہمیں یہ کیسی باتیں سُنا رہے ہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے اس تاثر سے محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی جذبہ دوسروں کو بھی آہ و بکا میں مبتلا نہ کر دے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کو ضبط کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دریچے ہیں وہ بند کر دیئے جائیں صرف ابوبکرؓ کے گھر کا دریچہ کھُلا رہنے دیا جائے۔"

اس کے بعد فرمایا: "میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ابوبکرؓ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں، اگر مَیں دُنیا میں کسی کو اپنی اُمّت سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔"

پھر آپؐ مکی مسلمانوں سے مخاطب ہوئے اور ان پر مدنی مسلمانوں کے فضائل واضح کئے جن کی میزبانی و امداد اور تعاون کے بغیر اسلام یوں تیزی سے ترقی نہیں کر سکتا تھا۔ آپؐ نے انصار کے حق میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:-

"یا معشر المہاجرین! انصار کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن

انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک انصار میرے ایسے محرم ہیں جن کے دامن میں مجھے پناہ ملی، وہ اپنی طرف سے فرض ادا کر چکے ہیں اب تمھیں ان کا فرض ادا کرنا ہے ان کی اچھائیوں کی قدر کرنا اور جو کوئی غلطی کرے اس کو معاف کر دینا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال قائم کی فرمایا:۔

"تم میں سے بعض کے حقوق مجھ سے وابستہ تھے۔ میں بھی بشر ہوں۔ جس شخص کی آبرو کو مجھ سے کوئی نقصان پہنچا ہو تو یہ میری آبرو ہے اسے بدلہ لے لینا چاہیئے۔ جس شخص کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہ میرا جسم موجود ہے اسے بدلہ لینا چاہیئے، جس شخص کے مال میں مجھ سے نقصان ہوا ہو تو یہ میرا مال ہے وہ لے لے۔ جان لو تم میں میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والا شخص وہ ہو گا کہ ان حقوق میں سے اس کا کوئی حق ہو تو وہ لے لے یا مجھے بری کر دے تاکہ میں اپنے رب سے ملوں تو تمام حقوق سے پاک اور بری الذمہ ہو کر ملوں، کوئی شخص ہرگز یہ نہ سمجھے کہ بدلہ لینے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت یا بغض کا خوف تھا۔ یہ دونوں باتیں میری طبیعت ہی میں نہیں۔ جس شخص کا نفس کسی بری بات میں اس پر غالب آگیا ہو تو اسے بھی مجھ سے مدد لینی چاہیئے تاکہ میں اس کے لیے دعا کروں۔

آپؐ فرما چکے تو ایک شخص اُٹھا اور بولا "یا رسول اللہ آپؐ کے پاس میرے تین درہم ہیں ایک مرتبہ ایک سائل آیا تھا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا اور مَیں نے اسے تین درہم دے دیئے۔ فرمایا۔ درست ہے۔ فضلؓ (ابن عباس) اسے وہ تین درہم دے دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کی نشر و اشاعت اور حمایت کے لیے نیز نئی اسلامی مملکت پر سرکشوں کی غارت گری کو روکنے اور گھات میں بیٹھے ہوئے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے علالت سے ایک روز پیشتر آخری کام جو انجام دیا وہ یہ تھا کہ اسامہؓ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ رومیوں کا وہ لشکر جو ارض فلسطین میں بلقا اور داروم کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے کچل دیا جائے۔ اسامہؓ بن زید کو آنحضرتؐ نے سالارِ لشکر مقرر فرمایا وہ اس

وقت بیس سالہ نوجوان تھے اور ان کے جھنڈے کے نیچے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دیگر اکابر اور بزرگ تھے اور یہ وہ لوگ تھے۔ جو قدیم الاسلام تھے اور اسلام کی خاطر آزمائشوں سے گذرے تھے اور عمر اور مرتبے کے لحاظ سے اسامہؓ سے برتر تھے۔ حضرت اسامہؓ کو ان جلیل القدر حضرات پر امیر مقرر کرنا ایک عظیم واقعہ ہے جس کی مثال کسی قوم میں بھی نہیں ملتی۔ حضرت اسامہؓ کی سرداری کے بارے میں کسی طرح آپؐ تک یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے۔

"آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مصلحت دیکھی جو شام کی مہم پر ایک کم سن نوجوان کو اکابر صحابہؓ پر سپہ سالار نامزد فرما دیا!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا۔

اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ حالانکہ اسامہؓ بھی سردار بننے کے قابل ہے جس طرح اس کے والد قیادت کے اہل تھے۔ اور زیدؓ بن حارثہ ان لوگوں میں سے تھے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔"

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے وحدت کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الہٰی کو اپنے قول و عمل کے ذریعے سے بندوں تک پہنچا دے چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک پہنچ چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے اس لیے ارشاد فرمایا۔

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔
"اے پیغمبرِ خدا کی بیٹی! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لئے
کچھ کرلو، مَیں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"
خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرہ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپؐ کو حضرت فاطمۃؓ زہرا سے بے حد محبت تھی۔ علالت کے دوران ان کو بُلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بُلا کر کان میں کچھ کہا تو آپ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا تو بتایا "پہلی دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی"

"کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر اُلٹ دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے۔ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا" پھر فرمایا تم سے پہلے کی قوموں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں"

زندگی کے آخری روز دو شنبہ کو غشی سے افاقہ ہوا تو یاد آیا کہ حضرتِ عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ "وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟" اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے فرصت نہیں ملی، دینار ابھی تک میری ہی تحویل میں ہیں"!

آپؐ نے فرمایا "اگر یہ دینار میری تحویل میں رہ جائیں تو میں اپنے رب کے متعلق اپنے ساتھ کیا گمان لے کر اس کے سامنے حاضر ہوں گا؟
جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

وفات سے ایک دِن پہلے اہلِ بیت کی توجہ علاج معالجے کی طرف ہوئی چنانچہ غشی کی حالت میں ایک شربت دوا کے طور پر منہ مُبارک میں ٹپکایا گیا۔ ذرا افاقہ ہوا تو شربت پلانے کا سبب دریافت فرمایا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا یارسُول اللہ! دوائی کے طور پر شربت کے چند قطرے دھن مبارک میں ٹپکائے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ سب کو یہ دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا دوائی پلانے والوں میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے اس لیے وہ حکم سے مستثنیٰ رہے، باقی تمام افراد نے جو گھر میں موجُود تھے دوا پی۔

مرض میں شدت اور کمی ہوتی رہتی تھی، جس دِن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا، حجرہ مُبارک مسجد سے مِلا ہوا تھا۔ آپؐ نے صُبح کے وقت پردہ اٹھاکر دیکھا، فجر کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ امامت فرمارہے تھے۔ دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے۔ جب صحابہؓ کو آپؐ کی آمد کا احساس ہوا تو ہر ایک کے دِل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہوگئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں تاکہ اب رسُول اللہ امامت فرمائیں۔ مگر آپؐ نے ان کو اشارے سے روک دیا اور حجرہ شریف میں داخل ہوکر پردے ڈال دیئے۔ اس قدر ضعف تھا کہ آپؐ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے، یہ سب سے آخری موقعہ تھا کہ صحابہؓ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی، حضرتِ انسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کے چہرے سے معلُوم ہوتا تھا جیسے کتاب کا ورق ہو یعنی چہرہ مُبارک بالکل سپید ہو گیا تھا۔ دِن جیسے چڑھتا جاتا تھا آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپؐ نے پانی سے بھرا ہوا پیالہ پاس رکھوالیا۔ اس میں ہاتھ ڈالتے اور تر ہاتھ چہرہ مُبارک پر پھیر لیتے۔ زبان مبارک پر آہستہ آہستہ یہ الفاظ جاری تھے۔

"اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں اور موت تکلیف کے ساتھ ہے۔"

آپؐ کبھی چادر چہرہ مُبارک پر ڈال لیتے پھر اتار دیتے، حضرت فاطمۃ زہراؓ آپؐ کی یہ تکلیف دیکھ کر بولیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا، تمھارا باپ آج کے

بعد بے چین نہ ہوگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔

اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے۔

"ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا"

اور کبھی یہ فرماتے "خداوند! بڑے رفیق ہیں۔"

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔"

وفات سے کچھ پہلے عبدالرحمٰن بن ابوبکر عیادت کے لیے آئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی آغوش میں سرِ مبارک رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰنؓ سے مسواک لے کر حضرت عائشہؓ نے دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ پھر آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ آپؐ کی وفات کا وقت قریب آرہا تھا، سینہ میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سُنے۔

"نماز اور غلام"

اتنے میں ہاتھ اُٹھا کر انگلی سے اشارہ فرمایا اور تین مرتبہ کہا۔

بل الرفیق الاعلیٰ "اب کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔"

چہرہ مبارک اُم المومنین کی آغوش میں تھا۔ اس حالت کے ذکر میں فرماتی ہیں "دفعتہً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جارہی ہے۔ میں نے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جارہی تھیں اور زبان پر "بل الرفیق الاعلیٰ" (اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں)

رُوحِ مُبارک اسی حالت میں اور میری ہی گود میں ٹیک لگائے ہوئے عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ یکم ربیع الاول ۱۱ھ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پھیلی تو سارے صحابہؓ اس اندوہناک سانحہ سے اضطراب و بے قراری کا شکار ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں جیسے زلزلہ آگیا، وہاں کہرام مچ گیا، اکثر قدیم الاسلام اکابر صحابہؓ پر حیرانی کا

عالم تھا۔ ہر کوئی بالکل خاموش ساکت و جامد تھا اور کوئی سراسیمہ و ششدر جہاں تھا وہیں رہ گیا حضرت عمرؓ پر مدہوشی کی سی کیفیت طاری تھی انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور وہ لوگوں کو یہ کہنے سے منع کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا گمان یہ تھا کہ آنحضرت نے غیوبت اختیار کر لی ہے اور آپ دوبارہ واپس تشریف لائیں گے۔ صرف حضرت ابو بکرؓ ہی کو اپنے جذبات پر قابو تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے۔ آنحضرت اپنے بستر پہ تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو بوسہ دیا اور کہا:-

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں کس قدر پاکیزہ ہیں۔ یہی ایک موت تھی جو آپؐ کا مقدر تھی اس کے بعد آپؐ پر موت وارد نہیں کی جائے گی۔ یا رسول اللہ! اپنے پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا۔"

پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ خطاب فرمایا:-

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو رحلت فرما گئے ہیں اور جو اللہ کا عبادت گزار تھا تو یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اور اس کے لیے موت نہیں۔"

پھر حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:-

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ

شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے ؟ اور جو شخص دین اسلام سے واپس ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا البتہ جو اللہ کے شکر گذار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔ (آلِ عمران ۔ ۱۴۴)

"جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ کو صدمہ کی دہشت سے افاقہ ہو گیا۔ اس سے قبل انہوں نے گویا یہ آیت سُنی ہی نہ تھی۔ حضرت عُمرؓ نے فرمایا "خُدا کی قسم! میری یہ کیفیت تھی کہ جب میں نے یہ آیت حضرت ابو بکرؓ سے سنی تو مُجھ پر کپکپی طاری ہو گئی، میرے پاؤں مُجھے سہار نہ سکے اور میں دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور مُجھے اس وقت معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فوت ہو چکے ہیں"۔

چنانچہ اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروبِ آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔ قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیے کافی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دِن گذر کر رات کو فراغت ملی۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی فضلؓ بن عباس اور اسامہؓ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ انصار نے دروازے پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے رسول اللہ کی خدمت گذاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ حضرت علیؓ نے اوس ابن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر سے تھے اندر بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے حضرت علیؓ نے جسم مُبارک کو سینہ سے لگا لیا تھا۔ حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے

قثمؓ اور فضلؓ جسم مُبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامؓہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔
کفن کے لیے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی (لیکن بعد کو اتار لی گئی) اور تین سُوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوتے تھے کفن میں دیئے گئے ان میں قمیض اور عمامہ نہ تھا۔

غسل اور کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے؟
حضرت ابوبکرؓ نے کہا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ نعشِ مُبارک اُٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرہ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپؐ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں، میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے، حضرت ابوعبیدہؓ جراح اور ابوطلحہؓ، حضرت ابُوعبیدہؓ اہلِ مکہ کے دستور کے مُطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی، صحابہ میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں، دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو اُن میں سے پہلے آجائے، لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ حضرتؓ عباس نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔ اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجُود نہ تھے۔ ابوطلحہؓ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ چونکہ زمین نم تھی اس لیے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرے کے اندر تھا ، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے۔) پہلے مردوں نے ، پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔

جسم مُبارک کو حضرت علیؓ ، فضل بن عباسؓ ، اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے قبر میں اتارا۔

اس کتاب کی تیاری، ترتیب و حوالہ جات کیلئے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔ ان کے فاضل مصنفین کا بے حد شکر گذار ہوں۔

القرآن الحکیم
تفہیم القرآن
تفسیر ابن کثیر
تفسیر الطبری
صحیح بخاری
صحیح مسلم
الشفاء
سیرت ابن ہشام
مشکوٰۃ شریف
شمائل ترمذی
طبقات
سنن ترمذی
زاد المعاد
نسائی کتاب الصلوٰۃ
مسند امام احمد بن حنبلؒ
المواہب اللدنیہ
معارف الحدیث
پیغامبر (THE MASSENGER)
سیرت النبیؐ
حیات محمدؐ
رسول رحمت
سیرت سرور عالمؐ
محسن انسانیتؐ

رحمت عالمؐ
تاریخ ابن خلدون
فتوح البلدان
معجم البلدان
اکمال فی اسماء الرجال
محمد ایٹ مدینہ
بینۃ النبیؐ من القرآن
کتاب القصص
سیرت ابن اسحاق
سیرت نبوی کا پیغام
دی ہنڈرڈ
محمد اینڈ محمد ازم
المغازی
قائد انسانیتؐ
محمد عربیؐ
سیرت رسول اکرمؐ
سیرت پاکؐ
حیات طیبہ
فصاحت نبویؐ
شمع ہدایت
رحمۃ للعالمینؐ
محمد رسول اللہ
خطبات مدارس

راہ عمل
سیرت المختار
آداب النبیؐ
عہد نبویؐ کے میدان جنگ
کتاب الاموال
انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنس
سرور انسانیتؐ
الرسالات نبویہ
نقوش۔ رسول نمبر
اصحاب صفہؓ
اصحاب بدرؓ
بلوغ الادب فی احوال العرب
التوفیقات الالہامیہ فی مقابلۃ التاریخ الہجرہ
تاریخ مدینہ وجدہ
دیوان حسان بن ثابتؓ
معجم الاوسط
جزیرۃ العرب
تمدن ہند
کتاب الانسانی
البدایہ والنہایہ
سرور کونینؐ کی فصاحت
سرور انسانیتؐ
غزوات خاتم الرسلؐ

اظہارِ تشکر

اس کتاب کی تیاری میں اپنے بہت سے قابلِ قدر احباب کے علاوہ خاص طور پر پروفیسر عثمان غنی، علامہ پروفیسر نورالحسن خان، اے۔آر۔ انصاری، ملک محمد اشرف، طارق حمید شیخ، شمیم احمد، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، ایس۔ اے وحید، پروفیسر ڈاکٹر شوکت محمود، اور محمود حسن رُومی کی پُرخلوص معاونت، اپنے فن اور کاوش سے کتاب کی تزئین کے لیے بہت ممنون ہوں۔ کتابت کے لیے محمد اعظم اور محمد حسین چشتی اور کتاب کے اوائل صفحات اور عنوانات کی خوبصورت کتابت کے لیے میں شیر زمان کا شکر گزار ہوں

میاں عابد احمد

میں نے کتاب "شانِ محمدؐ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ سیرت النبیؐ پر میاں عابد احمد کی تحقیقی کاوش قابلِ ستائش ہے اور اسے سراہا جانا چاہیے۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ کتاب ہذا کے مطالعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر میرے علم میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی

پاکستان میں سکولوں، کالجوں کے طلبا کے لیے یہ کتاب انشاءاللہ انتہائی مفید رہے گی کیونکہ سلیس زبان اور پیارا انداز بیان ہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کسی بھی مکتبۂ فکر سے بالاتر ہو کر لکھی گئی ہے۔ انداز تحریر عالمانہ ہے کتابت و طباعت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ بے شک فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جب بھی کتاب ہذا کو پڑھا ہے بار بار پڑھنے کو جی چاہا اور تمام واقعات سیرت پاک تصویر کی طرح خوبصورت انداز بیان کی وجہ سے سامنے آ گئے اور پھر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ماشاءاللہ

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد ملک

زیرِ نظر کتاب بعنوان شانِ محمدؐ کی تصنیف و تالیف میں میاں عابد احمد نے جس مستقل مزاجی، محنت اور ریسرچ (تحقیقاتی کاوش) سے کام لیا ہے وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ سیرت اسوۂ حسنہ اور اسلامی تاریخ و اقدار کے نازک موضوعات کو نہایت دل سوز، سلاست، روانی اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے جس سے نوجوان نسل کماحقہٗ استفادہ حاصل کر سکے گی اور بالآخر دینِ اسلام کی بالادستی، قومی یکجہتی، عظمت اور فروغ میں ممد ثابت ہوگی۔ کتاب ہذا کی اشاعت اور ترویج سے محسنِ انسانیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوگا۔

محمد اشرف ملک
ڈسٹرکٹ اٹارنی لاہور

کتاب "شان محمد" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مولف محترم میاں عابد احمد بھی ہمت کر کے اس میدان میں اُترے ہیں۔ ان کی محنت اور ان کا اخلاص اس کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے انہوں نے مواد کے انتخاب اور اس کی ترتیب میں جدید ذہن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور کتاب کی طباعت اور اس کے ظاہری گٹ اپ میں اعلیٰ ذوق کا ثبوت دیا ہے ، ان کی یہ کاوش لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں اور اپنے بندوں کے لیے اسے نفع بخش بنا دیں۔ آمین

پروفیسر عثمان غنی

بندۂ عاجز کو محترم میاں عابد احمد صاحب کی کتاب "شان محمد" جستہ جستہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔"شان محمد" سیرت رسول ؐ میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ نہایت نپے تلے انداز میں جامعیت کے ساتھ الفاظ کے موتی بکھیرے ہیں نہ طوالت کا گماں ہوتا ہے نہ اختصار کی شکایت۔ انداز بیاں اسقدر دلنشیں کہ دل چاہتا ہے ایک ہی مجلس میں کتاب ختم کر لی جائے۔

سیرت رسول ؐ کو اُجاگر کرنے کا ایک نیا انداز ہے جو "کائنات نے دیکھا" کے عنوان سے فاضل مصنف نے اختیار کیا ہے۔ اگرچہ یہ سب واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں مگر جس حکایتی انداز میں انہیں قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ صرف میاں عابد احمد صاحب کا حصہ ہے۔

پروفیسر عبدالحفیظ چودھری
چیئرمین شعبہ اسلامیات انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

سعادتِ طباعت

لائٹ ہاؤس پریس   سنٹر پوائنٹ   ۱۲ ایبٹ روڈ لاہور